
ماہنامہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

پاکستان وغیرہ ممالک سے (سات روپے)

سالانہ ... روپے — فی پرچہ ۸۰

جلد نمبر ۵ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ | مطابق ماہ اگست ۱۹۶۴ء | نمبر شمارہ ۸

فہرست

مدیر مسئول
سید احمد حسین سہسرامی

ادارۂ تحریر
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین

پرنٹر و پبلشر:
سید لطف احمد قادری

مطبع
یونین الیکٹرک پریس ... روڈ پٹنہ ۴

مقام اشاعت
دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

آج ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے جتنے سنگین مسائل کھڑے ہیں ان میں ایک بہت ہی اہم مسئلہ ان کی اقتصادی حالت اور مالی پریشانیوں کا بھی ہے۔ حکومت اور پرائیوٹ اداروں کی نوکریاں، زراعت اور تجارت یہی تین وسائل ہیں جن پر اس ملک میں آمدنی کا دار و مدار ہے۔ پچھلے سترہ برسوں کے واقعات اور موجودہ صورت حال کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کہ حکومت اور پرائیوٹ اداروں میں مسلمانوں کو بھرپور نمائندگی کے ساتھ نوکریوں کا ملنا ناممکن ہے ـــــ ہو سکتا ہے ہزار کوشش اور جستجو کے بعد سو، سوا سو کی نوکریوں تک ان کی رسائی ہو جائے۔ لیکن ان چند سکوں کے عوض ان کا ضمیر، ان کی آزادی اور ان کی زندگی سب کچھ ختم ہو جاتی ہے۔ بڑی اور باوقار نوکریوں کے دروازے آہستہ آہستہ ان پر بند ہوتے جا رہے ہیں۔ مقابلہ کے امتحانوں میں ایسی صورت حال پیدا کر دی گئی ہے اور آئندہ کے لئے ایسے راستے ڈھونڈے جا رہے ہیں کہ خود مسلمان بچے مقابلہ میں پیچھے رہ جائیں گے اور وہ اس کی شکایت بھی نہ کر سکیں گے کہ انہیں بڑی نوکریاں نہیں ملتیں۔ فوج، پولیس کے محکمہ میں ان کے داخلہ کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ اس لئے کہ شاندار ماضی اور بہت ہی "وفادار حال" رکھنے کے باوجود ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور جب حکومت ان پر اعتماد نہیں کر سکتی اور انہیں پوری نمائندگی دینا نہیں چاہتی، تو پرائیوٹ ادارے کیونکر ان پر یقین اور اعتماد کر سکتے ہیں۔

کچھ دن ہوئے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب بدرالدین طیب جی نے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور کارخانے مالکوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ملک کے ایک بڑے طبقہ کے نوجوانوں کو مایوسی اور مالی پریشانیوں سے بچانے کے لئے نوکریاں دیں اس طرح ان کی صلاحیت اور قابلیت سے ملک کو فائدہ پہنچائیں۔ لیکن اتنی دردمندانہ اپیل کا بھی ملک کے مل مالکوں پر اثر نہیں ہوا اور چند خالی وعدے کے سوا کسی نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ بلکہ ہماری آپ کی آنکھوں نے دیکھا کہ ان کی اپیل کے کچھ ہی روز بعد ایک منظم سازش کے تحت ٹاٹا اور راورکیلا کے عظیم کارخانوں سے برسوں کے تجربہ کار مزدوروں اور ٹیکنیکل ماہروں کا بالکل صفایا کر دیا گیا۔ اس سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ملک کی اکثریت کا دماغ کس رخ پر کام کر رہا ہے۔

زمینداری اٹھ جانے سے جس طرح مسلمان بے بس ہوئے ہیں اور اقتصادی پریشانیوں کے جس خونی جنگل میں پھنس گئے ہیں، وہ سب پر ظاہر ہے اور زراعت کا سوال بھی ان کے ساتھ نہیں اٹھتا۔ اس لئے کہ شروع ہی سے مسلمانوں نے زمینداری پر توجہ دی اور زراعت سے منہ چرایا۔ آج بھی اپنے ہاتھوں کھیتی کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ان کے اپنے کھیت نہیں کے برابر ہیں۔ دوسروں کے کھیتوں میں وہ محنت کرتے ہیں اور بہت ہی قلیل رقم پاکر کسی طرح گزارہ کر رہے ہیں۔

رہ گیا تجارت اور صنعت وحرفت کا میدان ـــــ یہ راہیں بہت ہی وسیع ہیں۔ اس میں انسانی تدبر، تجربہ اور جدوجہد ـــــ یہی سب کچھ ہے۔ اگر کوئی انسان دل وجان سے تجارت یا صنعت وحرفت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے ضرور کامیابی ہوتی ہے اور تجارت تو اسلامی طرز زندگی کی ایک نمایاں اور اہم چیز ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں آج کے اقتصادی ہیجان اور مالی پریشانیوں کا واحد ذریعہ یہی نظر آتا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ اس راہ پر قدم رکھیں۔ بلاشبہ مسلمان صنعت وحرفت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنی صنعت اور اپنے ہنر کو چند پیسوں کے عوض دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور دوسرے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جہاں بھی کسی حد تک مسلمانوں کے ہاتھ میں صنعت وتجارت ہے، وہاں وہ خوش حال اور کھاتے پیتے ہیں ـ جو قوم محنتی اور ہنرمند ہوتی ہے ۔ وہ روٹی کے لئے کبھی محتاج نہیں ہوتی اور ملک میں وہ نمایاں مقام بھی خود بخود حاصل کر لیتی ہے۔ ہمارے سامنے مثالیں موجود ہیں۔ ہندوستان میں شرنارتھیوں کی شکل میں جو سندھی اور پنجابی آئے ۔ انہوں نے صرف اپنی محنت اور لگن سے تجارت میں وہ کامیابی حاصل کی کہ جو کھلے سر اور ننگے پاؤں آئے تھے وہ آج عالیشان کوٹھیوں اور موٹروں کے مالک ہیں اور ان کے سر پر کسی کا احسان بھی نہیں۔ اسی طرح پاکستان میں جانے والے کچھی میمن اور بوہرہ مسلمانوں نے وہاں کی اقتصادی حالت کو دیوالیہ ہونے سے بچا لیا اور وہاں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کی بجائے عزت وآبرو کی زندگی حاصل کر لی۔ اور وہ جو یہ کہتے ہوئے گئے ؎

ستو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

آج بھی ادھر ادھر گھوم رہے ہیں اور پورے ملک کے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جہاں مسلمانوں نے دوسرے مذہبی معاملات میں ہر طرح کی بے پرواہی کو راہ دے دی ہے۔ وہیں اقتصادی مسئلے میں بھی ان کی نگاہیں آسان اور مالی منفعت کی اس سیدھی اور باوقار راہ کو نہیں دیکھتیں، جو سراسر اسوۂ رسول، صحابہ کرام اور بزرگان دین کا طرز عمل ہے۔

ہندوستان کی سیکولر حکومت میں ہر فرد کو اس کا موقع ہے کہ وہ حکومت کی دی ہوئی امداد سے بھرپور فائدہ اٹھائے ۔ آج کی حکومت کی اسکیموں پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حکومت چھوٹے چھوٹے امداد باہمی اداروں کی بہت ہی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اگر مسلمان تھوڑے ہی سرمایہ سے انفرادی حیثیت سے یا اجتماعی طور پر کاروبار شروع کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی بھی پشت پناہی حکومت نہ کرے۔ اس طرح کامیابی حاصل کر کے وہ اپنے ساتھ سیکڑوں دوسروں کا بھلا کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے تعلیم حاصل کی ہے

(باقی صفحہ ۲۲)

آج ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے جتنے سنگین مسائل کھڑے ہیں ان میں ایک بہت ہی اہم مسئلہ ان کی اقتصادی حالت اور مالی پریشانیوں کا بھی ہے۔ حکومت اور پرائیوٹ اداروں کی نوکریاں، زراعت اور تجارت یہی تین وسائل پر اس ملک میں آمدنی کا دارومدار ہے۔ پچھلے سترہ برسوں کے واقعات اور موجودہ صورت حال کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنے میں کوئی نہیں ہوتی کہ حکومت اور پرائیوٹ اداروں میں مسلمانوں کو بھرپور نمائندگی کے ساتھ نوکریوں کا ملنا ناممکن ہے ـــــ ہوسکتا ہزار کوشش اور جستجو کے بعد سو، سوا سو کی نوکریوں تک ان کی رسائی ہوجائے ـــ لیکن ان چند سکوں کے عوض ان کا ضمیر، آزادی اور ان کی زندگی سب کچھ ختم ہوجاتی ہے۔ بڑی اور باوقار نوکریوں کے دروازے آہستہ آہستہ ان پر بند ہوتے ہیں۔ مقابلہ کے امتحانوں میں ایسی صورت حال پیدا کردی گئی ہے اور آئندہ کے لئے ایسے راستے ڈھونڈے جارہے ہیں کہ مسلمان بچے مقابلہ میں پیچھے رہ جائیں گے اور وہ اس کی شکایت بھی نہ کرسکیں گے کہ انہیں بڑی نوکریاں نہیں ملتیں۔ فوج پولیس کے محکمہ میں ان کے داخلہ کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ اس لئے کہ شاندار ماضی اور بہت ہی وفادارانہ حال رکھتے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور جب حکومت ان پر اعتماد نہیں کرسکتی اور انہیں پوری نمائندگی دینا نہیں چاہتی، تو پرائیوٹ ادارے کیونکر ان پر یقین اور اعتماد کرسکتے ہیں۔

کچھ دن ہوئے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب بدرالدین طیب جی نے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور کارخانہ مالکوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ملک کے ایک بڑے طبقہ کے نوجوانوں کو مایوسی اور مالی پریشانیوں سے بچانے کے لئے نوکریاں دیں اور اس طرح ان کی صلاحیت اور قابلیت سے ملک کو فائدہ پہنچائیں۔ لیکن اتنی دردمندانہ اپیل کا بھی ملک کے پونجی پتیوں پر اثر نہیں ہوا اور چند خالی وعدے کے سوا کسی نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ بلکہ ہماری آپ کی آنکھوں نے دیکھا کہ اس کے کچھ ہی روز بعد ایک منظم سازش کے تحت ٹاٹا اور راورکیلا کے عظیم کارخانوں سے برسوں کے تجربہ کار مزدوروں ٹیکنیکل ماہروں کا بالکل صفایا کردیا گیا۔ اس سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ملک کی اکثریت کا دماغ کس رخ پر کام کر رہا ہے۔

زمینداری اٹھ جانے سے جس طرح مسلمان پابس ہوئے ہیں اور اقتصادی پریشانیوں کے جس خونی جنگل میں پھنس گئے ہیں، وہ سبھوں پر ظاہر ہے اور زراعت کا سوال بھی ان کے ساتھ نہیں اٹھتا۔ اس لئے کہ شروع ہی سے مسلمانوں نے زمینداری پر توجہ دی اور زراعت سے منہ چرایا۔ آج بھی اپنے ہاتھوں کھیتی کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ان کے اپنے کھیت نہیں کے برابر ہیں۔ دوسروں کے کھیتوں میں وہ محنت کرتے ہیں اور بہت ہی قلیل رقم پاکر کسی طرح گزارہ کر رہے ہیں۔

رہ گیا تجارت اور صنعت وحرفت کا میدان ـــــ یہ راہیں بہت ہی وسیع ہیں۔ اس میں انسانی تدبّر، تجربہ اور جدوجہد ـــ یہی سب کچھ ہے۔ اگر کوئی انسان دل وجان سے تجارت یا صنعت وحرفت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے ضرور کامیابی ہوتی ہے اور تجارت تو اسلامی طرز زندگی کی ایک نمایاں اور اہم چیز ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں آج کے اقتصادی ہیجان اور مالی پریشانیوں کا واحد ذریعہ یہی نظر آتا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ اس راہ پر قدم رکھیں۔ بلاشبہ مسلمان صنعت وحرفت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنی صنعت اور اپنے ہنر کو چند پیسوں کے عوض دوسروں کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں اور دوسرے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جہاں بھی کسی حد تک مسلمانوں کے ہاتھ میں صنعت وتجارت ہے، وہاں وہ خوش حال اور کھاتے پیتے ہیں ـــ جو قوم محنتی اور ہنرمند ہوتی ہے۔ وہ روٹی کے لئے کبھی محتاج نہیں ہوتی اور ملک میں وہ نمایاں مقام بھی خود بخود حاصل کرلیتی ہے۔ ہمارے سامنے مثالیں موجود ہیں۔ ہندوستان میں شرنارتھیوں کی شکل میں جو سندھی اور پنجابی آئے۔ انہوں نے صرف اپنی محنت اور لگن سے تجارت میں وہ کامیابی حاصل کی کہ جو کھلے سر اور ننگے پاؤں آئے تھے وہ آج عالیشان کوٹھیوں اور موٹروں کے مالک ہیں اور ان کے سر پر کسی کا احسان بھی نہیں۔ اسی طرح پاکستان میں جانے والے کچھی میمن اور بوہرہ مسلمانوں نے وہاں کی اقتصادی حالت کو دیوالیہ ہونے سے بچالیا اور وہاں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کی بجائے عزت وآبرو کی زندگی حاصل کرلی۔ اور وہ جو یہ کہتے ہوئے گئے ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

آج بھی اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور پورے ملک کے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جہاں مسلمانوں نے دوسرے مذہبی معاملات میں ہر طرح کی بے پرواہی کو راہ دے دی ہے۔ وہیں اقتصادی مسئلے میں بھی ان کی نگاہیں آسان اور مالی منفعت کی اس سیدھی اور بادقار راہ کو نہیں دیکھتیں، جو سراسر اسوۂ رسول، صحابۂ کرام اور بزرگان دین کا طرز عمل ہے۔

ہندوستان کی سیکولر حکومت میں ہر فرد کو اس کا موقع ہے کہ وہ حکومت کی دی ہوئی امداد سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ آج کی حکومت کی اسکیموں پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حکومت چھوٹے چھوٹے امداد باہمی اداروں کی بہت ہی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اگر مسلمان تھوڑے ہی سرمایہ سے انفرادی حیثیت سے یا اجتماعی طور پر کاروبار شروع کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی [illegible] محنت [illegible] اس طرح کامیابی حاصل کرکے وہ اپنے ساتھ سیکڑوں دوسروں کا بھلا کرسکتے ہیں۔ جن لوگوں نے تعلیم حاصل کی [illegible]
[illegible]

مقالات

عرس اور اسکی معنویت و حقیقت

از جناب مولانا محمد شفیع اللہ صاحب سہرامی شیخ الحدیث دارالعلوم خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)

اہل علم واقف ہیں کہ اولیاء اللہ، صلحاء امت اور علماء اسلام یعنی جن بزرگوں نے ملک و قوم اور انسانیت کی خدمات انجام دی ہیں جن کی بے غرض اور مخلصانہ کارناموں کی برکتوں سے عام مخلوق خدا نے دینی و دنیاوی صلاح و فلاح کے طریقے سیکھے ہیں اور جن قدسی صفات رہنماؤں کی تربیت و تعلیم کے ذریعہ عوام و خواص نے سچائیوں کے راستوں کو اپنایا ہے اور فلاح و بہبودی کے درجات پر فائز ہوئے ہیں۔ ایسے سچے اور مخلصین مقتداؤں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اور ان کی روحانی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لئے دنیائے اسلام کے ہر حصے میں عرس کے نام سے تقریبات منائی جاتی ہیں تاکہ ان کی پاکیزہ زندگی کو شمع راہ بناکر موجودہ نسل بھی کامیابی و کامرانی کے راستہ پر گامزن ہوسکے۔

بلکہ اپنے اپنے قومی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اور موجودہ عوام کو ان کی زندگی کے اچھے کارناموں کی ترغیب دلانے کے لئے دنیائے انسانیت کے تمام طبقات اور جماعتیں اپنے اپنے لیڈروں اور رہنماؤں کا یوم ولادت جینتی یا یوم وفات مناتی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ انسانی طبیعتوں کا یہ ایک قدرتی تقاضا ہے کہ وہ اپنے سچے رہنماؤں کی تعلیمات اور کارناموں سے آئندہ نسلوں کو آگاہ کرنے کے لئے اس قسم کی تقریبات جینتی، یوم وفات وغیرہ کا اہتمام کریں اور مخصوص روایات کے مطابق اس کو انجام دیں۔

اس لئے عرس کے نام سے مسلمانوں کا جو اجتماع ہوتا ہے وہ دراصل کوئی ان کا ہی مخصوص مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک بین الاقوامی یا بین المذاہب انسانی طبیعتوں کا تقاضہ ہے جس کے پسندیدہ اور مستحسن ہونے پر تمام انسانی گروہ خواہ مذہب ہو یا غیر مذہب سب ہی متفق ہیں۔ لیکن چونکہ مسلمان اپنے ہر معاشرتی، سماجی اور قومی و ملکی امور کی بھی مذہبی آئین و اصول کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں اس لئے وہ عرس کے معاشرتی اور قومی اجتماعات کو بھی خالص مذہبی اصول و قواعد کے مطابق سمجھنے کے خواہش مند رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس اجتماع میں [illegible] سے احتیاط نہ کرنے کے باعث بعض باتیں ایسی بھی شامل ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے بعض پڑھے لکھے لوگوں کو بھی شکوک و شبہات کے [illegible] ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان جو کہ حق و صداقت کی تلاش و جستجو میں سرگرم رہتے ہیں وہ عرس کی شرعی حیثیت کو سمجھنے کے [illegible]

[illegible] آتے ہیں۔

اگرچہ علماء کرام نے مختلف ادوار میں حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں پوری پوری جد و جہد کی ہے اور تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی ہے۔ لیکن عام مسلمانوں کی دینی تعلیمات کی طرف سے غفلت و بے پروائی کے باعث ہنوز روز اول کا مصداق ہے اور رسم عرس کی شرعی حیثیت کے دلائل جواز سے غافل و ناواقف ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ عام آگاہی کے لئے بار بار اصل حقیقت کو سامنے لایا جائے تاکہ مسلمان افراط و تفریط سے بچ کر عرس کے اجتماع کو شرعی و فقہی قواعد کے مطابق عمل میں لانے کی سعی بلیغ کریں۔ اور عرس کی اس مفید اور دور رس تقریب سے مستفیض ہو کر اپنے ایمانیات و عرفانیات کے قوی کو شگفتہ کر سکیں۔

اندریں حالات سب سے پہلے عرس سے متعلق یہ غور کرنا ضروری ہے کہ اس کے جواز و صحت کے لئے شریعت اسلامیہ میں کوئی صحیح دلیل و ثبوت بھی موجود ہے یا نہیں، آیا عرس کا اجتماع محض اختراعی اور بے اصل ہے یا اس کے صحیح و درست ہونے کے لئے کوئی شرعی اصل موجود ہے، جہاں تک عرس کی تقریب کے جائز ہونے کا سوال ہے اس کا جواب کتاب و سنت کی روشنی میں صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ عرس کی تقریب منانا از روئے شریعت اسلامیہ قطعی جائز و مستحسن ہے کیونکہ عرس بھی زیارت قبور ہی کا ایک فرد خاص ہے۔ اور زیارت قبور کا جائز و مستحب ہونا متعدد احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے ثابت ہو چکا ہے جس کے جائز و مستحسن ہونے پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اس لئے اس کا فرد خاص یعنی عرس بھی انہیں احادیث و روایات کی رو سے جائز و مستحب ہوگا۔ کیونکہ کسی مقررہ تاریخ میں کسی بزرگ کے مزار پر اکٹھے ہو کر ایصال ثواب و فاتحہ خوانی کرنے کا نام عرس ہے اور یہ وہ امر ہے جو کسی نص قرآنی یا حدیث صحیح سے ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ وہ از روئے شریعت اسلامیہ اس کے جائز و مستحسن ہونے پر عقلی و نقلی نہایت مستحکم دلائل قائم ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام علماء متاخرین کا عرس کے مستحسن ہونے پر اتفاق ہے۔

اگرچہ ایصال ثواب کے لئے کوئی جگہ متعین و مخصوص نہیں ہے۔ دور و نزدیک ہر جگہ سے ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے مگر اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہو کر خشوع و خضوع کے ساتھ ایصال ثواب کرنے میں متعدد شرعی فوائد ہیں۔ موت کا استحضار ہوتا ہے۔ صاحب مزار کی اسلامی خدمات پیش نظر ہوتی ہیں۔ صاحب مزار کی مقبولیت و تقرب خداوندی کے باعث عمل و کردار اور اخلاق کے اصلاح کی طرف میلان ہوتا ہے علماء و صلحاء کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حاضرین کو زیارت قبور کی سعادت سے بھی مفتخر ہونے کا موقع ملتا ہے جو از روئے قرآن و حدیث مستحب و مسنون ہے۔ انہی سب دینی فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے عرس کی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

عرس کی تقریب کو انجام دینے کے لئے متعدد امور شامل کر لئے گئے ہیں لیکن اس کے صرف دو بڑے رکن ہیں جن کے متعلق بعض علماء کو بھی اشتباہ ہے کہ ان دونوں رکن کے ہونے کی وجہ سے عرس کا اجتماع ناجائز ہے، حالانکہ ان کا یہ شبہ صحیح نہیں ہے۔

عرس کے دو بڑے رکن یہ ہیں :- پہلا رکن دور و نزدیک سے سفر کر کے جانا اور دوسرا رکن یہ ہے کہ متعینہ تاریخوں میں زیارت کرنا جہاں تک انصاف و حسنہ تعصبی کا تعلق ہے جماعتی طرفداری سے بالا ہو کر جب غور کیا جاتا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ [illegible] کے

دونوں رکنوں کے ناجائز وحرام ہونے پر نہ تو کوئی آیت قرآنی دلالت کرتی ہے اور نہ ہی کسی حدیث سے ان کے ناجائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے برخلاف متعدد عقلی ونقلی دلائل و براہین سے ان دونوں رکنوں کے جواز کا ہی ثبوت ملتا ہے پس جبکہ دونوں جزو اپنے مقام پر جائز ومستحسن ہیں تو ان کا مجموعہ عرس بھی جائز ومستحسن ہی ہوگا۔

رکن اول کے صحیح وجائز ہونے کے ثبوت میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد گرامی کافی ہے کہ صلحاء امت کے مزارات کی زیارت کرنا چونکہ ذریعہ برکت ہے اور ثواب آخرت کا ایک وسیلہ ہے۔ اس لئے مزارات تک سفر کرکے جانا بھی موجب خیر وبرکت اور ذریعہ ثواب ہے اور ایمانیات اور روحانیات کے قوی کو شگفتہ بنانے کا نہایت اچھا وسیلہ ہے۔

لیکن یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ حدیث لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد کی رو سے زیارت کے لئے سفر کرکے جانا حرام یا گناہ ہے۔ اس لئے عرس کا اجتماع بھی حرام یا گناہ ہے۔ کیونکہ یہ شبہ احادیث کے مطلب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ احادیث شریفہ کو اپنے مزعومات وخیالات کے مطابق ڈھالنے کے عادی ہیں وہی اس قسم کے شبہات میں مبتلا رہا کرتے ہیں ورنہ جو لوگ اپنے اعمال واخلاق وخیالات کو احادیث شریفہ کے مطابق بنانے کی کوششوں میں رہا کرتے ہیں وہ کسی حدیث کا مفہوم ومصداق متعین کرنے کے لئے دیگر احادیث ونصوص کی بھی تلاش وجستجو کرتے ہیں۔ فہم وفراست کے مطابق اصل منشا کو ذہن نشین کرنے میں مشغول رہا کرتے ہیں بہرحال حدیث مذکورہ الصدر کا نہایت سیدھا اور صاف مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی تمام مسجدوں میں سے صرف تین مساجد یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ہی ایسی بابرکت وبافضیلت مسجدیں ہیں جن میں نماز پڑھنے کی نیت سے اور زیادتی ثواب کے حصول کے لئے سفر کرکے جانا جائز ہے۔ باقی ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں خواہ وہ کتنی ہی عظیم الشان اور حسین وجمیل مسجد کیوں نہ ہو نماز پڑھنے کی غرض سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے ارادے سے سفر کرکے جانا از روئے شریعت اسلامیہ جائز ودرست نہیں ہے کیونکہ ان تین مسجدوں کے سوا روئے زمین کی دوسری تمام مسجدیں حصول ثواب میں برابر ہیں۔

حدیث مذکور کے جس مفہوم ومقصد کی وضاحت میں نے کی ہے وہ خود ساختہ نہیں ہے بلکہ بمصداق الاحادیث یفسر بعضہا بعضاً اس حدیث کے مذکورہ بالا مفہوم ومطلب کی تائید وتوثیق مسند امام احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے لا ینبغی للمصلی ان یشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی یعنی کسی نماز پڑھنے والے کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ کعبہ شریف، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے سوا کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کرے۔ مسند امام احمد کی یہ حدیث خود ہی حدیث شد رحال کی شرح ہے جس کے بعد کسی کو بھی یہ گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ وہ خود ساختہ مطلب متعین کرکے سفر زیارت سے انکار کرے اور دلیل میں حدیث شد رحال کو پیش کرکے امت میں تفریق پیدا کرے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب السطرائف والظرائف صفحہ ۱۳ میں اس حدیث کو نقل فرماکر ارشاد فرماتے ہیں قلت وھو یصلح تفسیر الاجمال لفظ اشتھر بہ ھذا الحدیث فلا دلالۃ لہ فیہ علی النھی عن الرخصۃ الی المشاھد والمقابر لکن بشرط عدم مفسدۃ اخری۔ یعنی یہ حدیث، حدیث شد رحال کی تفسیر ہے پس اولیاء اللہ کے مقابر ومشاہد کی

زیارت کے لئے سفر کر کے جانے کی ممانعت حدیث شد رحال سے ثابت نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ سفر زیارت کی رخصت وجواز بدستور باقی رہے گا۔ البتہ اگر اس میں دوسری برائیاں پائی جائیں گی تو اسے روکا جائے گا۔

پس واضح ہوا کہ دیگر مقاصد کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر کے جانا اس حدیث کے مفہوم ومقصد سے قطعی خارج ہے البتہ دیگر مقام کے لئے جو سفر بھی کیا جائے وہ از روئے شریعت اسلامیہ صحیح مقصد کے تحت ہو اور کسی شرعی کو متضمن نہ ہو اگر سفر کا مقصد صحیح ہے تو سفر کرنا درست وجائز ہے۔ مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ کی طرف سے یہ رخصت حاصل ہے کہ وہ جس مقصد صحیح کے لئے جس جگہ بھی چاہیں دور و نزدیک کا سفر کر کے پہنچیں اور اپنے مقاصد صحیحہ میں کامیابی وکامرانی کی سعی بلیغ کریں۔ مثلاً کوئی شخص طلب علم کے لئے یا علماء ومشائخ کی ملاقات کی غرض سے یا حلال روزی کی تلاش میں دور و نزدیک کا سفر کر کے کسی جگہ جاتا ہے تو اس کا یہ سفر جائز ہے اور نیت کی سچائی کے باعث وہ اجر وثواب کا بھی مستحق ہوگا اور اگر نیت اور مقصد صحیح نہیں ہے تو پھر کوئی سفر بھی ذریعہ اجر وثواب نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص والدین کی نافرمانی کر کے سفر کر رہا ہے یا چوری اور فسق وفجور کی ہوسوں کو پورا کرنے کے لئے سفر کر رہا ہے تو اس کا یہ سفر قطعی جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث انما الاعمال بالنیات سے ثابت ہے۔

لہذا جو شخص اولیاء اللہ کے مقابر ومزارات پر ایصال ثواب وفاتحہ خوانی کے لئے اور شعائر اللہ کے مشاہدہ کے لئے جاتا ہے جس سے اس کی غرض یہ ہو کہ سفر زیارت سے علماء ومشائخ کی ملاقات کا موقع ملے گا۔ ان کی نیک صحبتوں سے ایمانیات وعرفانیات ترقی پذیر ہوں گی۔ اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کریں گے اور ہمہ وقت مراقبہ حق میں مشغول رہیں، تلاوت قرآن پاک اور اوراد واذکار واشغال میں منہمک رہیں گے۔ تو ایسے شخص کے لئے شد رحال کر کے، دور و نزدیک کا سفر کر کے مزارات تک پہنچنا بالکل جائز اور موجب اجر وثواب ہوگا لیکن اگر کسی شخص کا یہ مقصد نہ ہو اور وہ صرف لہو ولعب اور ہوسناکیوں کی تکمیل کے لئے مزارات ومقابر کا سفر کرتا ہے تو اس کی نیت کی خرابی کے باعث اس کا یہ سفر قطعی ناجائز اور موجب گناہ ہوگا۔

اب رہا دوسرا رکن یعنی ایک متعینہ تاریخ میں زیارت کرنا تو اس کے جائز ہونے کے لئے یہ حدیث شریف کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کی ابتداء میں شہداء احد کی قبروں پر بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا کہ ہر سال کی ابتداء میں یہ تمام حضرات اکابر صحابہ بھی شہداء احد کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

یہ حدیث عرس کے جواز کے لئے ایک مستحکم ومستند دلیل ہے جس سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کے مزارات پر بغرض زیارت حسب استطاعت ہر سال جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ خلفاء راشدین کی سنت ہے اور سنت فاطمی ہے۔ اسی وجہ سے علماء محققین نے لکھا ہے کہ بزرگان دین کی وفات کے دن برکات وفیوض، نورانیت وکرامات کا ظہور بہ نسبت دوسرے دنوں کے زیادہ ہوتا ہے چونکہ وفات کا دن وہ مبارک دن ہے جس میں ان مقتدایان ملت کو خداوند قدوس کا وصال اور حضوری حاصل ہوئی اسی لئے ان کے

فیوض [illegible] سے مستفیض ہونے کے لیے بطور یادگار اسی دن اور اسی تاریخ میں عرس کی تقریب منائی جاتی ہے تاکہ عوام و خواص ان کے نقش [illegible] اور [illegible] کے نقش قدم پر چل کر دین و دنیا کی صلاح و فلاح سے آراستہ ہوں، اور ان ہی جیسی بے لوث اور پاکیزہ زندگی گزار کر خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کریں۔

پس عرس کے یہ دونوں اہم رکن از روئے نقل صحیح و عقل سلیم جائز و مستحب ہیں تو ان کا مجموعہ عرس بھی بالکل جائز و مستحسن ہی ہوگا کما صرح بہ الشیخ فی ماثبت بالسنۃ اور نفس تقریب عرس میں کسی قسم کی شرعی قباحت نہ ہوگی۔

علاوہ ازیں عرس کے مستحسن تقریب کے منانے سے ہم کو بہت سے اہم دینی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں علماء، کاملین و صلحاء امت کے اجتماع سے دینی اور روحانی برکتوں کے حاصل کرنے کے زریں مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اصلاح الرسوم میں تحریر فرمایا ہے کہ بزرگان دین کا عرس ان کی پاک ارواح کو ایصال کرنے کے لئے اور صلحاء امت کے اجتماع سے برکت حاصل کرنے کے لئے مشروع و جائز ہوا ہے۔ حضرت شیخؒ نے ماثبت میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ، صلحاء و مشائخ طریقت کا عرس کرنا جائز و مستحب ہے کیونکہ ان کی وفات کے دن خیر و برکت۔ فیض و نورانیت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اولیاء اللہ کے فیوض و برکات حاصل کرنے کیلئے اہل عقیدت کا خلوص نیت اور پاک ارادے کے ساتھ مزارات پر حاضر ہونا اور عرس کی تقریبات منانا جائز و مستحسن ہے، کیونکہ عرس کی تقریبات میں جزوی اور مقامی خصوصیات و تفاوت سے قطع نظر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور سب جگہ مشترک طریقہ پر عمل میں لائے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کی جاتی ہے۔

(۲) دعاء استغفار کے لئے اور روحانی مدارج کی ترقی و تربیت کیلئے مجالس ذکر و مراقبہ منعقد کی جاتی ہے۔

(۳) مشائخ کرام و صلحاء عظام کی پاکیزہ صحبتوں سے روحانی تعلیمات حاصل کی جاتی ہیں۔

(۴) علماء اسلام کے مواعظ حسنہ سے دینی بصارت و ہدایت کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

(۵) مسائل شریعت و طریقت کی تعلیم و تعلم کے لئے نہایت اہم مذاکرات و حلقہائے ذکر ہوتے رہتے ہیں۔

(۶) خیرات و صدقات کی کثرت ہوتی ہے۔ دینی و مذہبی مدارس و یتیم خانوں کے لئے چندے ہوتے ہیں اور اہل خیر مزارات کی زیارت کے فیوض سے متاثر و مستفیض ہو کر ان نیک کاموں میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں۔

اسی قسم کے بیسوں دینی و مذہبی امور اعراس کی مبارک تقریبات کے موقع پر عام طور سے کثرت سے مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ انہیں امور حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء حق نے بزرگان دین کے اعراس کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے جس کی اصل سند مذکورہ بالا حدیث ہے۔ البتہ خلاف شرع کاموں کا کرنا نہ تو کسی عرس کے اجتماع میں جائز ہے نہ عرس کے علاوہ کسی دوسرے اجتماع میں جائز ہے اور نہ ہی ایسے خلاف شرع کاموں کا کرنا تنہائی میں جائز ہے۔ اس لئے ان سے پرہیز کرنا ہر مسلمان مرد و زن کا فرض ہے کیونکہ خلاف شریعت کاموں کا کرنا ہر حالت میں گناہ عظیم ہے۔ (باقی)

چند دن دیارِ غیر میں

از جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی پھلواروی۔ مکہ مکرمہ

(۵)

ہولینڈ کا سفر

لندن کے دوران قیام ہی میں ہولینڈ یونیورسٹی کے نومسلم پروفیسر ڈاکٹر ملمہ (Dr. MOLLIMA) کا دعوت نامہ ملا۔ یہ دعوت نامہ شعبۂ ثقافت اسلامی کی طرف سے انہوں نے بھیجا تھا۔ ہولینڈ سے میری واقفیت اسی قدر تھی کہ یہ یورپ کا ایک زراعتی ملک ہے اس کا شمار ان چند ممالک میں ہے جن کا تسلط مشرق بعید اور افریقہ کے بعض ممالک میں عرصہ تک رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء تک انڈونیشیا پر اسی کی حکمرانی تھی۔ حجاز میں جو جاوی خاندان آباد ہیں ان میں چند لوگوں سے میری یاد اللہ رہی ہے۔ وہ لوگ ہولینڈیوں کے مظالم کی داستانیں سنایا کرتے تھے۔ یہاں کی اور مصنوعات کا تو زیادہ علم نہیں البتہ یہاں کے پیک کئے ہوئے دودھ کے سفوف، مکھن اور پنیر حجاز میں کثرت سے فروخت ہوتے ہیں۔

گزشتہ سال ۲۸ جون کو ڈاکٹر توبربیک کے ہمراہ امسٹرڈام پہونچے۔ لندن سے امسٹرڈام تک کی مسافت جٹ طیارے سے ۳۵ منٹ کی تھی۔ ڈاکٹر ملمہ نے بتایا کہ آجکل بین الاقوامی کیمونسٹ پارٹی کے سالانہ اجلاس ہو رہے ہیں اس لئے شہر کے تمام ہوٹل بھرے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے ہم لوگوں کے لئے دو کمرے قلب شہر سے کافی فاصلہ پر ایک ہوٹل میں حاصل کئے ہیں۔ ہوٹل درجۂ اول کا تھا، بہت پرشکوہ اور عالی شان۔ کمرے بھی وسیع اور آرام دہ تھے۔ لیکن نئی چیز یہ نظر آئی کہ ملازم کو بلانے کے لئے کوئی سوئچ نہیں تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں "ان ڈور سروس" ممنوع ہے۔ ضرورت کے لئے استقبالیہ (RECEPTION) کو فون کیجئے۔

ناشتہ کے لئے مجبوراً ڈائننگ ہال میں جانا پڑا۔ وہاں بھانت بھانت کے کامریڈ اور کامریڈائن (قواعد جمع تانیث سے معذرت کے ساتھ) نظر آئیں۔ سب کے سینوں پر ایک بلّہ لگا ہوا تھا جس میں ان کے ملکوں کے نام تھے۔ ایک صاحب کو دیکھا کہ سر گھٹائے ہوئے اپنے اوپر خورشیف کا حلیہ طاری کئے ہوئے تھے۔ بری نمائندے کارل مارکس کی سنت میں داڑھی رکھے ہوئے تھے، فلپین کے نمائندے نہ معلوم کس کی تقلید میں گیروے رنگ کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اپنے ہندوستانی نمائندے تو نظر نہیں آئے مگر ایک

فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے لیے بطور یادگار اسی دن اور اسی تاریخ میں عرس کی تقریب منائی جاتی ہے تاکہ عوام و خواص کسب فیض کر [illegible] اور [illegible] کے نقش قدم پر چل کر دین و دنیا کی صلاح و فلاح سے آراستہ ہوں، اور انہی جیسی بے لوث اور پاکیزہ زندگی گزار کر خدا اور [illegible] کی [illegible] رضا حاصل کریں۔

پس [illegible] یہ دونوں امرکن از روئے نقل صحیح و عقل سلیم جائز و مستحب ہیں تو ان کا مجموعہ عرس بھی بالکل جائز و مستحسن ہی ہوگا کما صرح بہ الشیخ فی ماثبت بالسنۃ اور نفس تقریب عرس میں کسی قسم کی شرعی قباحت نہ ہوگی۔

علاوہ ازیں عرس کے مستحسن تقریب کے منانے سے ہم کو بہت سے اہم دینی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں علماء کاملین و صلحاء امت کے اجتماع سے دینی اور روحانی برکتوں کے حاصل کرنے کے زریں مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اصلاح الرسوم میں تحریر فرمایا ہے کہ بزرگان دین کا عرس ان کی پاک ارواح کو ایصال کرنے کے لیے اور صلحاء امت کے اجتماع سے برکت حاصل کرنے کے لیے مشروع و جائز ہوا ہے۔ حضرت شیخؒ نے ماثبت میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ، صلحاء، و مشائخ طریقت کا عرس کرنا جائز و مستحب ہے کیونکہ ان کی وفات کے دن خیر و برکت۔ فیض و نورانیت زیادہ ہوتی ہے اس لیے اولیاء اللہ کے فیوض و برکات حاصل کرنے کیلئے اہل عقیدت کا خلوص نیت اور پاک ارادے کے ساتھ مزارات پر حاضر ہونا اور عرس کی تقریبات منانا جائز و مستحسن ہے، کیونکہ عرس کی تقریبات میں جزوی اور مقامی خصوصیات و تفاوت سے قطع نظر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور سب جگہ مشترک طریقہ پر عمل میں لائے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کی جاتی ہے۔

(۲) دعاء استغفار کے لیے اور روحانی مدارج کی ترقی و تربیت کیلئے مجالس ذکر و مراقبہ منعقد کی جاتی ہے۔

(۳) مشائخ کرام و صلحاء عظام کی پاکیزہ صحبتوں سے روحانی تعلیمات حاصل کی جاتی ہیں۔

(۴) علماء اسلام کے مواعظ حسنہ سے دینی بصارت و ہدایت کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

(۵) مسائل شریعت و طریقت کی تعلیم و تعلم کے لیے نہایت اہم مذاکرات و حلقہائے ذکر ہوتے رہتے ہیں۔

(۶) خیرات و صدقات کی کثرت ہوتی ہے۔ دینی و مذہبی مدارس و یتیم خانوں کے لیے چندے ہوتے ہیں اور اہل خیر مزارات کی زیارت کے فیوض سے متاثر و مستفیض ہو کر ان نیک کاموں میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں۔

اسی قسم کے بیسوں دینی و مذہبی امور اعراس کی مبارک تقریبات کے موقع پر عام طور سے کثرت سے مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ انہیں امور حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء حق نے بزرگان دین کے اعراس کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے جس کی اصل سند مذکورہ بالا حدیث ہے۔ البتہ خلاف شرع کاموں کا کرنا نہ تو کسی عرس کے اجتماع میں جائز ہے نہ عرس کے علاوہ کسی دوسرے اجتماع میں جائز ہے اور نہ ہی ایسے خلاف شرع کاموں کا کرنا تنہائی میں جائز ہے۔ اس لیے ان سے پرہیز کرنا ہر مسلمان مرد و زن کا فرض ہے کیونکہ خلاف شریعت کاموں کا کرنا ہر حالت میں گناہ عظیم ہے۔

(باقی)

چند دن دیارِ غیر میں

از جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کھلواردی۔ مکہ مکرمہ

(۵)

ہولینڈ کا سفر

لندن کے دوران قیام ہی میں ہولینڈ یونیورسٹی کے نومسلم پروفیسر ڈاکٹر ملمہ (Dr. MOLLIMA) کا دعوت نامہ ملا۔ یہ دعوت نامہ شعبۂ ثقافت اسلامی کی طرف سے انہوں نے بھیجا تھا۔ ہولینڈ سے میری واقفیت اسی قدر تھی کہ یہ یورپ کا ایک زراعتی ملک ہے اس کا شمار ان چند ممالک میں ہے جن کا تسلط مشرق بعید اور افریقہ کے بعض ممالک میں عرصہ تک رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء تک انڈونیشیا پر اسی کی حکمرانی تھی۔ حجاز میں جو جاوی خاندان آباد ہیں ان میں چند لوگوں سے میری یاد اللہ رہی ہے۔ وہ لوگ ہولینڈیوں کے مظالم کی داستانیں سنایا کرتے تھے۔ یہاں کی اور مصنوعات کا تو زیادہ علم نہیں البتہ یہاں کے پیک کئے ہوئے دودھ کے سفوف، مکھن اور پنیر حجاز میں کثرت سے فروخت ہوتے ہیں۔

گزشتہ سال ۲۸ جون کو ڈاکٹر توبربیک کے ہمراہ امسٹرڈام پہونچے۔ لندن سے امسٹرڈام تک کی مسافت جٹ طیارے سے ۳۵ منٹ کی تھی۔ ڈاکٹر ملمہ نے بتایا کہ آجکل بین الاقوامی کمیونسٹ پارٹی کے سالانہ اجلاس ہو رہے ہیں اس لئے شہر کے تمام ہوٹل بھرے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے ہم لوگوں کے لئے دو کمرے قلب شہر سے کافی فاصلہ پر ایک ہوٹل میں حاصل کئے ہیں۔ ہوٹل درجۂ اول کا تھا، بہت پرشکوہ اور عالی شان۔ کمرے بھی وسیع اور آرام دہ تھے۔ لیکن نئی چیز یہ نظر آئی کہ ملازم کو بلانے کے لئے کوئی سوئچ نہیں تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں "ان ڈور سروس" ممنوع ہے۔ ضرورت کے لئے استقبالیہ (RECEPTION) کو فون کیجئے۔

ناشتہ کے لئے مجبوراً ڈائننگ ہال میں جانا پڑا۔ وہاں بھانت بھانت کے کامریڈ اور کامریڈیائن (قواعد جمع تانیث سے معذرت کے ساتھ) نظر آئیں۔ سب کے سینوں پر ایک بلّہ لگا ہوا تھا جس میں ان کے ملکوں کے نام تھے۔ ایک صاحب کو دیکھا کہ سر گھٹائے ہوئے اپنے ادھیڑ عمر شیف کا حلیہ طاری کئے ہوئے تھے۔ بری نمائندے کارل مارکس کی سنت میں داڑھی رکھے ہوئے تھے، فلپین کے نمائندے نہ معلوم کس کی تقلید میں گیروے رنگ کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اپنے ہندوستانی نمائندے تو نظر نہیں آئے مگر ایک

کامریڈ پڑھیں، آنجہانی سروجنی نائیڈو کے وضع قطع کی تھیں۔

اس کانفرنس کا اخبارات میں کافی چرچہ تھا، اس دن کے گارجین میں گزشتہ روز کے اجلاس کی کاروائی چھپی تھی جس میں برطانیہ کی لیبر پارٹی کے نائب صدر کی تقریر ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ آئندہ انتخاب میں لیبر پارٹی کا برسر اقتدار آنا اسی قدر یقینی ہے جس قدر صبح آفتاب کا طلوع ہونا اور آئندہ پانچ برسوں کے اندر اندر یورپ کے تمام ممالک میں مزدوروں (بہ الفاظ دیگر کمیونسٹوں) کی حکومت قائم ہوکر رہے گی۔ انہیں خبروں میں بعض حوالوں کے ذریعہ ایک نئے مسئلہ کا علم ہوا مسئلہ شاید پرانا ہو مگر میں نے پہلے نہیں سنا تھا اس لئے میرے لئے نیا تھا اور وہ یہ کہ یورپ کے متعدد ممالک جن میں آئرلینڈ (جو چند سال پہلے تک برطانیہ کا ایک صوبہ تھا) پیش پیش ہے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ برطانیہ کو یورپی ممالک میں شمار نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا جزیرہ ہے جس کے آداب و اخلاق دوسرے یورپین ممالک سے میل نہیں کھاتے۔ یہ سوال دراصل اس وقت سے اٹھا ہے جب سے یورپین کامن مارکٹ میں برطانیہ کی شمولیت یا عدم شمولیت پر بحث ہو رہی تھی، معلوم نہیں یہ مسئلہ اب سرد پڑ گیا یا بحث جاری ہے۔ جہاں تک ہم ہندوستانیوں کا تعلق ہے ہم لوگوں نے تو یورپ کے "رذائل و فضائل" سے تعارف برطانیہ ہی کے ذریعہ حاصل کیا ہے اس لئے میرے جیسے کم واقفیت والے لوگوں کے لئے یہ بات تعجب کی ضرور تھی۔

ڈاکٹر تمہ کے ساتھ ہم لوگ "مدرسہ علوم شرقیہ" (اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز) پہونچے۔ عربی اور اسلامیات کے اساتذہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں ایک جونیر لکچرار فلسطینی مسلمان بھی تھے جنہیں ندوی کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی۔ وہ سمجھے کہ یہ خاندانی نام ہے۔ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین لہ کے وہ بڑے مداح تھے۔ ایک استاد ڈاکٹر کیشیا تھے جنہوں نے قرآن مجید کی پانچ سورتوں کا ڈچ زبان میں ترجمہ کیا ہے اور تفسیروں پر تبصرہ کیا ہے۔ ان کے ترجمے و تبصرہ پر نہ اس وقت کوئی رائے دے سکا اور اب نہ کچھ کہہ سکتا ہوں کیونکہ ڈچ اور اردو میں بڑا فرق ہے۔ جیسا کہ میں نے ان سے کہا بھی تھا کہ کاش آپ اردو میں یہ کتاب لکھے ہوتے یا میں ڈچ جانتا ہوتا تو آپ کی بیش قیمت تالیفات سے مستفید ہوتا فلسطینی استاد نے اس مزاح سے لطف لیتے ہوئے کہا کہ عربی یا انگریزی جیسی مشترک زبانوں میں کوئی علمی کام کیا جائے تو اس کے افادہ کا حلقہ یقینی بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ مقامی زبان میں لکھتے تو اپنی زبان کی خدمت تو ضرور ہو جاتی ہے لیکن کاوش فکر و تحقیق کے نتائج عمر اور رقبہ کے لحاظ سے محدود ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر کیشیا نے کہا کہ غیر زبان میں علمی کام لوگوں نے کئے ہیں اور کرتے ہیں مگر وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوتے کیونکہ ان کی ذہنی قوت کا ایک بڑا حصہ زبان غیر کے نوک پلک برابر کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ پھر بھی وہ اہل زبان کے معیار سے کمتر ہوا کرتے ہیں۔ مزید یہ دنیا کے نامور مصنفین اور ادباء نے ہمیشہ اپنی ہی زبان میں لکھا ہے کوئی علمی شہرت رکھنے والا ادیب آپ ایسا نہیں پیش کر سکتے جس نے غیر ملکی زبان میں اپنی

لہ مولانا سید ابوالحسن ندوی کی شہرہ آفاق تصنیف جس کے پانچ اڈیشن مصر سے شائع ہو چکے ہیں اور سعودی عرب میں نصاب تعلیم میں اور جامعہ ازہر کے ضروری مطالعہ کی کتابوں میں داخل ہے۔

تخلیق کا دینی یا فکری سرمایہ کو پیش کیا ہو۔ البتہ دوسری زبانوں نے اس کے ترجمے کئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بات صحیح ہے مگر اس حد تک جہاں تک آزاد ممالک کا تعلق ہے۔ لیکن وہ مشرقی ممالک جن پر آپ کے مغربی ممالک کا تسلط رہا ہو وہاں کی مقامی زبانوں کو بار آور ہونے کا موقع کب دیا گیا۔ وہاں تو حکمراں قوم نے اپنی زبان مسلط کردی اور اس ملک کی اچھی ذہانتیں طبعی جولانیاں اور انتاج[۵] صلاحیتیں حاکم زبان کو ہضم کرنے میں صرف ہوگئیں اس کے مخالف ذہانتوں نے جو علمی کارنامے انجام دیئے وہ عالمی شہرت نہ پا سکے۔ مثال کے طور پر سید امیر علی کا نام آپ تمام حضرات کی زبان پر ہے کہ انہوں نے اسلام پر معرکۃ الآرا تصنیف پیش کی لیکن آپ نے شبلی، سید سلیمان ندوی اکو جانا جن کے علمی کارنامے وسعت اور گہرائی دونوں میں سید امیر علی کے کام سے کہیں بلند ہیں؟ ممکن ہے یہ مباحثہ طول کھینچتا مگر شاید مہمان کی پذیرائی میں لوگوں نے تائید کی اور چائے پر مجلس برخاست ہوتی۔ اس کے بعد ہم لوگ ڈاکٹر تمہ کی رفاقت میں شعبہ ثقافت اسلامیہ کا میوزیم دیکھنے گئے۔ سب سے پہلے ایک کمرہ میں دکھایا گیا جس کے اندر قدم رکھتے ہی محسوس ہوا کہ کسی مسجد میں آگئے۔ قبلہ کے رخ پر ایک محراب ہے جس پر قرآن کریم کی آیات خط کوفی میں نقش ہیں اور ایک خوبصورت وبیش قیمت جائے نماز رکھی ہے اس کے پہلو میں ایک ۸ زینوں کا چوبی منبر رکھا ہے اس کے پیچھے قالین بچھی ہوئی ہے جس پر تین آدمی نماز پڑھ رہے ہیں ایک سجدہ کی حالت میں، دوسرا رکوع میں، اور تیسرا قیام کی حالت میں۔ ان کے لباس افریقی ہیں ان کے جوتے بھی تین قسم کے ہیں۔ جو دروازے پر رکھے ہیں اور قالین پر بھیگے ہوئے پاؤں کے نشان ثبت ہیں۔ اچانک جو اس منظر کو دیکھا تو ایک لمحہ کے لئے وہم ہوا کہ یہ سب واقعی انسان ہیں۔ مگر دوسرے ہی لمحہ میں معلوم ہوگیا کہ یہ سب مورتیاں ہیں۔ دیواروں پر قرآنی آیات کے کتبے نصب ہیں جو عربی کے جدید و قدیم تمام خطوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کوفی، نسخ، دیوانی، رقع، مصحفی وغیرہ۔ اس سے متصل کمرے میں کعبہ شریفہ کا موڈل ہے جو آٹھ فٹ اونچا بنایا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی مورتیاں عالم طواف میں دکھائی گئی ہیں۔ البتہ دو بڑے اسٹیچو ایک مرد اور ایک عورت کی حالت احرام میں ہیں۔ اسی کمرے میں ایک جانب بڑے بڑے تین شوکیس ہیں جن میں قرآن مجید کے متعدد نسخے رکھے ہیں، جن میں افریقی خط اور مصری خط کے زیادہ ہیں ایک عکسی تصویر اس قرآن کریم کی بھی ہے جو پیرس کے کتب خانے سے حاصل کی گئی ہے اور اس کی نسبت حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قلم سے کی جاتی ہے۔ تعجب ہوا کہ کوئی نسخہ ہندوستانی مطابع کا نہیں دیکھا۔ حالانکہ یہاں صدیوں سے قرآن کریم کی طباعت جاری ہے۔ اس کے بعد والے کمرے میں اسلحہ اور لباس وغیرہ کی نمائش کا سامان ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لباسوں میں انگرکھا اور چوڑی دار پائجامہ مردوں کے لباس میں اور غرارہ شلوار وغیرہ زنانہ لباسوں میں دکھایا گیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر تمہ کو نوٹ کرایا کہ ہندوستانی یا پاکستانی مطابع کے چھپے ہوئے قرآن کریم کے نسخے اور ثقافتی نمائش میں۔ پاندان حقہ وغیرہ ظروف ہونا چاہئے۔ آخری کمرے میں تین طرح کی .... تین قبریں ہیں (ملا مقبروں کے) جن کا مقصد صرف مسلم ثقافت کو اجاگر کرنا ہے۔

---

۵ انتاج عربی کا لفظ ہے جس کا ترجمہ (PRODUCTION) ہے۔ اُردو کے نئے ادیب اس کو "تخلیق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو اگرچہ لفظاً صحیح ہوسکتا ہے لیکن ہمارا دینی ذوق اس کو ایک شرعی اصطلاح سمجھتا ہے۔

اس میوزیم کو دیکھ کر مجھ پر یہ تاثر ہوا کہ یورپ کی یونیورسٹیاں ایک ایک شعبہ پر اتنا خرچ کرتی ہیں جو ہماری بڑی درسگاہوں میں اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کی خدمت کیلئے خرچ نہیں کیا جاتا۔ ان ہولینڈ یوں کو اسلام سے کیا ہمدردی! مسلم ثقافت سے ان کا کیا واسطہ لیکن فقط ایک چیز کو اچھی طرح سمجھنے کی خاطر یہ سب انتظامات کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تمہ جو ہمارے میزبان اور رہنما تھے ان سے برابر باتیں ہوتی جاتی تھیں انہوں نے بتایا کہ وہ پانچ سال ہوا کہ اسلام لائے ہیں۔ یہ فیصلہ انہوں نے ۲۰ سال کے مطالعہ کے بعد کیا۔ انہیں قرآن کریم اور سیرت نبوی نے متاثر کیا۔ یہ میوزیم انہیں کی ذاتی دلچسپی کی بنا پر اتنا شاندار بنا ہوا ہے۔ اس میں جو محراب ہے یا کعبہ کا موڈل سب انہوں نے تصویروں کو پھیلا کر (انلارج کرکے) تیار کیا ہے۔

مدرسہ[۵] سے نکلنے کے بعد دوپہر کے کھانے کے لئے ڈاکٹر تمہ اپنی کار پر شہر سے باہر لے گئے۔ نہروں کے کنارے ایک دیہات تھا جس کا نام یاد نہیں، کہنے کو وہ دیہات تھا مگر ہمارے یہاں کے شہروں سے زیادہ صاف ستھرا، مکانات زیادہ سے زیادہ دو منزلہ مگر زیادہ تر خوشنما اور سطح زمین کے بنگلے نظر آئے۔ جو معلوم ہوا کہ مچھلی کا کاروبار کرنے والے افراد کی ملکیت ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہاں کے مچھوارے بھی ایسے خوشنما بنگلوں میں رہتے ہیں! جو ہمارے غریب ملک کے بہتیرے آفیسروں کو نصیب نہ ہوگا۔ آخر میں ہم لوگ ایک بازار میں پہنچے جس میں دو دو بیرے تنا ملا کر کھانے کے ہوٹل تھے اور مختلف دکانیں تھیں جن میں تحائف کے سامان تھے۔ ہوٹل کے بیرے (جن میں زیادہ تر عورتیں تھیں) اپنے ملک کے کئی سو سال پہلے کا قدیم روایتی لباس پہنے ہوئے تھے۔ ایک لمبی قمیص جس پر چادر وں کی جھالر سی لٹکتی ہے ایک جاپانی انداز کا کالا صدری اور سر پر جھل نما ٹوپی، پیر میں لکڑی کا جوتا اور بعض لاٹھی ساتھ ہوتا، لطف یہ کہ امریکی سیاح جو کثرت سے وہاں موجود تھے یہی لباس پہن پہن کر اپنی تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ ہوٹلوں میں عام طور سے لوگ یہاں مچھلی کھانے آیا کرتے ہیں مجھے بتایا گیا کہ یہاں کی مچھلی پیک کرکے ساری دنیا میں برآمد کی جاتی ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کی مچھلی (HILL) بہت مرغوب ہے ہم لوگوں کے کھانے میں بھی یہی قسم لائی گئی۔ صورت بالکل سانپوں کی طرح معلوم ہوتی تھی، مجھ کو تو دیکھ کر ہی ذرا کراہت سی محسوس ہوئی۔ لیکن عجیب مجبوری کا عالم تھا میزبان ہم کو بڑے شوق سے یہی مچھلی کھلانے کے لئے لائے تھے۔ مہمان اگر اخلاقی جرات سے کام لے کر انکار کرتا تو ڈاکٹر قدیر بیگ بھی شرم محسوس کرتے کہ انہوں نے کس دیہاتی کو ان "مہذب لوگوں" سے متعارف کرایا ہے، شرعاً تو کوئی قباحت نہیں تھی صرف اس کی مہمل شکل اور سانپ کی سی شباہت سے ذرا گھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ بہرحال ناچار دو چار لقمے فرو کئے اور باقی سلاد کے پتوں سے ڈھک کر کانٹا چھری برابر کر دیا۔

شام کو ڈاکٹر تمہ کے یہاں چائے کی دعوت تھی۔ میں نے سمجھا تھا کہ شاید دو چار احباب وہی جو صبح یونیورسٹی میں ملے تھے وہاں ہوں گے لیکن وہاں پہنچے تو خاصہ مجمع تھا۔ انداز سے بھانپ لیا کہ صرف طعام ہی نہیں بلکہ کلام بھی ہے اور ہوا بھی ایسا ہی، پہلے ڈاکٹر تمہ نے خطبہ

---

[۵] یعنی اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز۔ ہم لوگ اسکول صرف ثانوی مدرسہ کو کہتے ہیں۔ مگر یورپ میں اسکول اس درسگاہ کو کہا جاتا ہے جہاں پوسٹ گریجویٹ تعلیم ہوتی ہے۔ ریسرچ وغیرہ سب یہی اسکول کراتے ہیں۔

تعارف کرایا۔ رابطہ عالم اسلامی کا ذکر خیر کیا۔ دوسری تقریر فلسطینی استاذ نے کی مگر غیر سے عربی میں۔ چلئے اللہ نے مہمان کی عزت رکھ لی۔ اور اس نے انکا عربی میں جوابی تقریر کی، رابطہ کا تعارف مکمل کرایا گیا کیونکہ یہ فرائض منصبی میں داخل تھا۔ فلسطینی استاذ نے ندوہ کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ اس واسطے موقع مل گیا کہ اپنی مادر درسگاہ کا بھی خاص طور سے تعارف کرا دیا جائے۔ ندوہ کا تعارف کراتے ہوئے مسافر کو یہ احساس ہوا کہ وہ کسی قدر اس درسگاہ کا حق ادا کر رہا ہے۔ جس کی چٹائیوں پر بیٹھنے ہی نے در اصل اس لائق بنایا کہ وہ آج یورپ کی ایک مشہور یونیورسٹی میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے پوچھا جائے۔

دوسرے دن امسٹرڈام شہر دیکھنے کا پروگرام تھا، یہ پورا شہر ایک دریا کے کنارے واقع ہے جس کی نہریں بل کھاتی ہوئی پورے شہر کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ آپ جس سڑک سے بھی گذریں نہر آپ کے دائیں یا بائیں ہوں گی یعنی بیچ میں سڑک اور دائیں بائیں نہریں، یا اس کے برعکس وغیرہ۔ لندن اور پیرس کو دیکھنے سے بالکل معمولی معلوم ہوئے۔ سیاحوں کے لئے جس طرح دوسرے شہروں میں بسیں ہوتی ہیں۔ یہاں یہ انتظام کشتیوں کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ خوبصورت موٹر لانچ جس پر آرام دہ ہوائی جہاز کے انداز کی کرسیاں ہیں۔ پورے شہر کا سیر کرا دیتی ہیں۔ لاؤڈ سپیکر فٹ رہتا ہے۔ گائیڈ بیک وقت تین زبانوں "پہلے فرنچ پھر جرمن اور آخر میں انگریزی" میں مقامات کو بتاتا ہے۔ چونکہ ان کو بار بار (یہ گائیڈس) کو رات دن یہی کام پیشہ کے طور پر کرنا ہوتا ہے اس لئے شاید پوری گفتگو رٹ لیتے ہیں۔ میری کشتی پر ایک نوعمر گائیڈ تھا جو درمیان میں ایک جگہ انگریزی بولتے وقت بھول گیا تو پھر اس نے ذرا پیچھے سے دہرانا شروع کیا اور تمام مسافر ہنسنے لگے۔

امسٹرڈام میں تقریباً ۸ سو مسلمان ہیں جو اکثر عرب ممالک کے باشندے ہیں۔ چند افریقی مسلمانوں نے ایک لائبریری کھولی ہے جس میں اسلامی کتابیں رکھتے ہیں اور اتوار کو اتوار کو نماز جمعہ پڑھا کرتے ہیں۔ انھوں نے رابطہ عالم اسلامی سے مالی و اخلاقی امداد طلب کی تھی، ان کی لائبریری جا کر دیکھی۔ ایک خاتون لائبریرین تھیں جو سوائے ڈچ کے کوئی اور زبان نہیں جانتی تھیں بلکہ بلا تیاری کے اچانک وہاں جانا ہوا اس لئے طبیعت بہت منقبض ہوئی۔ لائبریری میں کتابیں بہت کم کھیلنے کا سامان زیادہ تھا۔ ایک عرب نوجوان شاید عراق کے تھے وہاں ملے، انھوں نے یہ سنکر کہ میں ہندوستانی ہوں السید نہرو کی خیریت معلوم کرنے لگے میں نے ان سے اس کلب کے حالات اور خدمات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ اتوار کو دس پندرہ مسلمان آکر با جماعت ظہر کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بہر حال جس نے بھی یہ کام شروع کیا ہے اس کی نیت اچھی ہی رہی ہوگی، میں نے ملاحظات کی کتاب پر تین صفحے کا نوٹ لکھ ڈالا کہ نماز روزانہ پانچ وقت تو جو ہر جگہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اتوار کو اتوار ہی کے ظہر کی نماز ہوگی جمعہ کی نہیں اس میں خطبہ وغیرہ نہیں ہوتا مسلمانوں کو تبلیغی جماعت سے ربط قائم کرکے پہلے اسلام کو سمجھنا اور شریعت کے مسائل معلوم کرنا ضروری ہے میرے نوٹ کا خلاصہ یہی ہے لیکن اس کو ذرا تمہید کے ساتھ اور ان کی تالیف قلب کے لئے ہمت افزائی اور تحسین کے اظہار کے بعد لکھا، مرزا قدیر بیگ صاحب نے اس کا انگریزی میں ترجمہ لکھ دیا۔ کیونکہ میری تحریر عربی میں تھی۔ (باقی)

* میرا ارادہ تھا کہ ہالینڈ کے سفر پر ہی اس یادداشت کو ختم کر دوں۔ لیکن المجیب کے لائق ایڈیٹر عزیزی ظفر حسنین صاحب کی خواہش ہے کہ ابھی یہ سلسلہ باقی رکھوں لہذا آئندہ قسطیں بہ پاس خاطر آں عزیز ہوں گی۔

تحریکِ آزادی میں اُردو ادب کا حصہ

(از جناب ش۔ م عارف ماہر آروی)

(۲)

کانگریسی رہنماؤں کو جنگی قیادت میں "ہندوستان چھوڑ دو" کی یہ تحریک اٹھی تھی مقید کر دیا گیا اور عوام کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ یہ رہنما آخر نظر بند کہاں ہیں۔ وہ تو کیفی اعظمی تھے جنہوں نے یہ بتلایا کہ ؎

ہیں اسی ایوان بے در میں یقیناً رہنما
آکے کیوں دیوار تک نقشِ قدم گم ہوگئے

ایوان بے در سے مراد قلعہ احمد نگر ہے،

رہنماؤں کی نظر بندی اور ان کی قیادت کی محرومی اور سب سے بڑھ کر انگریزوں کی بے لگام فوجوں نے عوام کے سارے ولولے ہی پست کر دیئے اور اس طرح سارا جوش و خروش چند ہی دنوں میں ڈر اور خوف، بے بسی اور بے چارگی میں تبدیل ہو گیا۔

اس تحریک کو ابھی چند ہی دن ہوئے تھے کہ ۱۹۴۳ء میں بنگال کا ہنگامہ خیز قحط رونما ہوا۔ جس میں بقول سردار جعفری ؎

چند ٹکڑوں کے لئے جھانسی کی رانی بک گئی آبرو مریم کی، سیتا کی جوانی بک گئی!

حرص و ہوس کے بندوں اور سرمایہ داروں نے دل کھول کر آدم اور حوا کا مذاق اڑایا۔ یہ دیکھ کر جگر مرادآبادی، ساحر لدھیانوی وامق جونپوری اور نہ جانے کتنوں کے دلوں میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس روح فرسا ماحول سے ہمارے افسانہ نویس بھی متاثر ہوئے۔ خصوصاً دیویندر ناتھ ستیارتھی نے "نئے دھان سے پہلے" خواجہ احمد عباس نے "ایک پائلی چاول" اور کرشن چندر نے "ان داتا" جیسے افسانے تخلیق کئے اور یہ ثابت کر دیا کہ ادب زندگی کا آئینہ دار ہے۔

جنگ کی ہولناکی، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکٹ، گرانی اور کنٹرول نے ہندوستانیوں کا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا۔ انگریزوں نے ہوائے موسم کا اندازہ لگا کر ۱۹۴۲ء کے نظر بند رہنماؤں کو قلعہ احمد نگر سے آزاد کر دیا اور ہندوستانی عوام کو عنانِ حکومت

سوچنے کی غرض سے اپنے نمائندے دوران جنگ ہی میں ۲۰ر جون ۱۹۴۵ء کو ہندوستان بھیجے مگر سیاسی پارٹیوں کی یک جہتی نہ ہونے کے سبب یہ وفد آخر انگلستان واپس چلا گیا۔

۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما اور ۹ر اگست ۱۹۴۵ء کو ناگاساکی پر ایٹم بم برسا کر جنگ کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا۔ ساری دنیا میں سامراجیوں نے جشن فتح منائی اور جشن فتح کی حقیقت کا راز کیفی اعظمی نے یہ کہہ کر بتایا کہ ؎

جشن یہ حوا کا ہے، یہ سرخوشی آدم کی ہے   کارنامہ روس کا ہے فتح اک عالم کی ہے

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر آزادی کی نوعیت ہندوستان کے لئے بالکل ہی بدل گئی۔ ہندوستانی عوام اب انگریزوں کی ماتحتی میں ایک لمحہ بھی رہنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ سلطنتِ برطانیہ نے ہندوستانیوں کے تیور اور اپنی کمزوری محسوس کرکے ۲۴ر مئی ۱۹۴۶ء کو کرپس کی سرکردگی میں اپنے چند نمائندے ہندوستان بھیجے جو "کرپس مشن" کے نام سے مشہور ہیں۔ اس مشن نے ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے شملہ میں گفتگو کا آغاز ہی کیا گیا تھا کہ پریم دھون نے انھیں صاف صاف بتا دیا کہ ؎

نیتا رک سکتے ہیں پر جنتا نہ آج رکے گی
نیتا جھک سکتے ہیں پر جنتا نہ آج جھکے گی
ایک مشن کیا، چاہے ایسے لاکھوں ڈھونگ رچاؤ
اب بھاگو لندن جاؤ!

اور جوش ملیح آبادی نے ان کے فریب کا پردہ یہ کہہ کر چاک کر دیا کہ ؎

چھری دبائے ہوئے ہیں بغل میں اہلِ رسن   شفیق بن کے مگر مسکرائے جاتے ہیں!

اتنا واضح اور صاف اعلان کے باوجود بھی ہمارے رہنما ان کی مکاریوں کے دام میں آ ہی گئے۔ صوبائی وزارتیں قائم ہوئیں اور کیفی اعظمی نے اپنی نظم "قومی رہنما" لکھ کر ان کی اس وزارت سازی پر ان سے سوال کیا کہ ؎

جہد و قربانی و ایثار کا حاصل ہے یہی!
کب جہاں دوڑ کے تم بیٹھے ہو منزل ہے یہی؟

صوبائی وزارتوں کے قائم ہوتے ہی سارے ملک میں فساد برپا ہو گیا۔ بمبئی میں ۱ر جولائی ۱۹۴۶ء کو اور کلکتہ میں ۱۶ر اگست ۱۹۴۶ء کو جی کھول کر خون کی ہولی ہوئی۔ انگریزوں نے اپنی بدنامی پر پردہ ڈالنے کے لئے ۲ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو مرکز میں کانگریس کو وزارت کا عہدہ دیدیا۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مرکزی وزارت میں کانگریس نے مسلم لیگ کو بھی شامل کر لیا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے مرکزی وزرا فساد زدہ علاقوں کے دورے پر روانہ ہوئے۔ گاندھی جی نواکھالی گئے۔ راج گوپال اچاریہ کو کلکتہ بھیجا گیا اور وزیر اعظم پنڈت نہرو اور لیاقت علی خاں مرحوم بہار آئے۔ مصیبت زدہ لوگوں کے آنسو پوچھے اور ٹوٹے دلوں کو از سر نو جوڑنے کی انتہائی کوشش کی مگر سب بے سود کیونکہ دلی اور پنجاب میں ۴ر مارچ ۱۹۴۷ء کو انسانیت نے ایک بار پھر اپنے بدن سے سارے کپڑے اتار پھینکے اور ظلم و فساد کی تمام پچھلی روایات تازہ واقعات کے سامنے ہیچ ہو گئیں۔ زندگی کے اس تلخ حقیقت کی عکاسی ہمارے شاعروں نے اپنے افسانوں، ناولوں، اور نظموں میں

خوب خوب کی۔ عصمت چغتائی نے "دھانی بانکپن"، شاہد احمد لطیف نے "دلی کی بپتا"، ممتاز حسین نے "سودھا سنگھ"، اور سعادت حسن منٹو نے "ٹھنڈا گوشت" لکھ کر انسانیت کی اس ننگی تصویر پر غم و افسوس کا اظہار کیا۔ شاعروں میں محترمہ سیدہ اختر حیدرآبادی نے اپنی غزل کے مطلع میں اس بربریت کی سچی تصویر ان الفاظ میں کھینچ دی کہ ؎

خبر ہے تجھکو اے ساقی کہ مستانوں پہ کیا گذری
سبو پر کیا بلا ٹوٹی ہے پیمانوں پہ کیا گذری

محترمہ شکیلہ اختر نے بھی اس انسانیت سوز مظالم کی تصویر کشی اپنی نظم "سوز نہاں" میں کی۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

؎ چمن والوں نے خود ہی آشیانوں کو پھونک ڈالا تھا
مری جاں جل رہی ہے قلبِ سوزاں لے کے آئی ہوں

چمن اپنا بہار اپنی یہ پھر کیوں شعلہ ساماں کیوں
یہ نیرنگ نظر! میں چشم حیراں لے کے آئی ہوں

جگر مرادآبادی نے فرمایا کہ ؎

آنکھیں تمام مشہدِ عشق و جمال ہیں
سینہ تمام گنج شہیداں ہے آجکل

راقم الحروف نے بھی اپنی غزل کے ایک شعر میں کہا کہ

جو پیکرِ خلوص و محبت بنے تھے کبھی
ہیں آدمی وہ آج کچھ انسان نئے نئے

عبدالمجید بھٹی نے اپنے گیت میں ارشاد فرمایا ؎

بیٹی گاؤں بھر کی بیٹی
بیٹی سب کی لاج
نگر نگر کوڑی کوڑی بیٹی بک گئی آج
آیا اپنا راج!

حفیظ جالندھری نے "خطبۂ صدارت" میں کہا کہ ؎

برچھوں پہ چڑھائے ہوئے اجسام کے پرچم
ہر سینے پہ دوشیزۂ معصوم کا سر خم

اس جسم برہنہ پہ بھی ہر زخمِ آدم
آتی ہے نظر اوڑھے ہوئے دامنِ مریم

خاموش نگاہوں کی حیا دیکھ رہے ہو!!
کاٹے ہوئے ہاتھوں کی دعا دیکھ رہے ہو!!

تم دیکھ رہے ہو یہ محبت بھری مائیں
نسلِ بنی آدم کی جو لیتی ہیں بلائیں

صد حیف، یہ جن چھاتیوں سے دودھ پلائیں
فرزند، انہیں کاٹ لیں اور مسکرائیں

یہ چھاتیاں اب کٹتی ہوئی دیکھ رہے ہو!
مائیں کے لئے مٹتی ہوئی دیکھ رہے ہو!!

شکیل جالوی نے مرکزی حکومت ہند کی کابینہ سے استعفیٰ کرتے ہوئے خاوند کے متعلق فرمایا کہ ؎

کیا خبر تھی بہاروں اب کے　　چاک ہوں گے دلوں کے پیراہن

کنول پرشاد کنول کے گیت "پھول"، عبدالمتین عارف کی نظم "وداع" اور ثاقب زیروی کی نظم "بارہ دوانی" سب فسادات میں کشتی ہوئی صالح اور بلند اخلاق قدروں کی ماتم کناں ہیں۔ محمود جالندھری کی نظم "روز خبر ٹوٹتی ہے" تو گویا استعمار پرستوں کو ایک وارننگ ہی ہے۔

آخر ش ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک عظیم بر اعظم کے تین ٹکڑے کر دیے گئے —— مغربی پاکستان، ہندوستان، مشرقی پاکستان اور اس بربادی کا نام آزادی پڑا۔ بقول سردار جعفری ؎ لوگ چلائے کہ فریاد کے دن بیت گئے

راہزن ہار گئے

رام دو زوہ بیت گئے!

آزادی کے کچھ متوالوں نے اسے "شاخِ نبات" سمجھ لیا۔ جوش ملیح آبادی نے اپنی نظم "نو بہار" میں فرمایا کہ ؎

بنا ہیوں سیا ہیوں میں صبح زرنگار ہے　　بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

سرشار مونگیری نے کہا کہ ؎

خزاں کی یاد بڑی حسرتوں سے آتی ہے　　یہ ہے بہار اسی کو بہار کہتے ہیں۔

مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اس آزادی کو "برگ حشیش" ہی سمجھا۔ چنانچہ کیفی اعظمی نے "مصالحت" میں فرمایا کہ

؎ کبھی جیسے منہ پہ مل کے نکلے کبھی خوب خوب اچھالا　　وہ خون شہیدوں کا آخر کار رہنماؤں نے بیچ ڈالا

منا چکے جشن کامرانی تو یہ حقیقت ہوئی نمایاں　　فریب دے کر نجات کا لے لیا غلامی نے اک سنبھالا

سردار جعفری نے اس آزادی کو "فریب" سے موسوم کرتے ہوئے کہا کہ ؎ تم نے فردوس کے بدلے میں جہنم لے کر

کہہ دیا ہم سے گلستاں میں بہار آئی ہے

چند سکوں کے عوض چند ملوں کی خاطر

تم نے ناموسِ شہیدانِ وطن بیچ دیا!

باغباں بن کے اٹھے اور چمن بیچ دیا!!

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آزادی کے بعد خوشحالی کے حسین خواب میں محو تھے۔ سید اختر اختر پیامی (راج گیر، ضلع پٹنہ) نے ایسے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی نظم "پندرہ اگست" میں کہا کہ ؎ کیا یہی سچ ہے کہ آزاد ہیں صدیوں کے غلام

اب مشینیں نہ خریدیں گی لہو کی بوندیں

بھوک سے آنتوں میں بھی اب پڑیں گی گرہیں

اب بکیں گی سر بازار نہ مریم زادیں

زندگی جھک کے کرے گی نہ مزاروں کو سلام

گر یہی سچ ہے تو میں ساز اٹھا لیتا ہوں !

لوٹ تو اپنے حسین گیت لٹا دیتا ہوں !!

فیض احمد فیض نے خوشحالی کے حسین خواب سے یہ کہہ کر چونکایا کہ ؎

گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی نجاتِ دیدۂ و دل کی گھڑی نہیں آئی

چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی !

ملک کی تقسیم کے ساتھ ساتھ انسانوں کے دل بھی بٹ گئے حتیٰ کہ خاندان تک بٹ گیا۔ ہندو مسلم فساد نے انسانوں کو بالکل جذباتی بنا دیا اور ان سے سوچنے اور سمجھنے کی طاقتیں بھی سلب کر لیں۔ لوگ جوق در جوق ہندوستان سے پاکستان اور پاکستان سے ہندوستان کی طرف بھاگنے لگے۔ انسان انسانوں سے ڈرنے لگا۔ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں نے اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کے تحفظ کی خاطر ترک وطن کر ڈالا۔ یہ جنون ہندوستان میں روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے مسلمانوں سے ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اس طرح خطاب کیا۔

"یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر بھی غور کرو، تمہیں محسوس ہوگا کہ یہ غلط ہے۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ، اپنے دماغ کو سوچنے کی عادت ڈالو اور پھر دیکھو کہ تمہارے فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔ آخر کہاں جا رہے ہو؟ اور کیوں جا رہے ہو؟ یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے .... میں کہتا ہوں جو اجلے نقش و نگار اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آ رہے ہیں وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا، انہیں بھلاؤ نہیں، انہیں چھوڑو نہیں، ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت بھی بھگا نہیں سکتی .... آؤ عہد کرو ملک ہمارا ہے، ہم اس کے لئے ہیں اور اسکی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے۔"

اس خطاب کا اثر یہ ہوا کہ بھگدڑ ایک حد تک کم ہو گئی۔ مگر پھر بھی جانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔ اس اپیل کے باوجود بھی کتنے ہی چلے گئے۔ فکر تونسوی نے اپنی نظم "قافلے" میں ان مہاجروں کی تصویر کشی کی جو پاکستان چلے گئے۔ کتنے گئے اور چلے آئے اور کتنے آئے اور چلے گئے۔ ان شرنارتھیوں اور مہاجروں کا نقشہ اور ان کے احساسات کی ترجمانی سردار جعفری نے اپنی نظم "خون کی لکیر" میں کی۔ دن گذرتے گئے اور لوگ اپنے زخموں کو بھولتے گئے۔ راقم الحروف نے اسکی طرف اپنی غزل کے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

یہ اپنی خانہ بربادی و خستہ حالی

کوئی آج بھی بے نیاز وطن ہے !

'ہجرت' کا سلسلہ آج بھی باقاعدہ جاری ہے مگر جنون کی حد تک نہیں بلکہ تجارت کی حد میں۔ ابھی حال ہی میں جوش ملیح آبادی نے ہجرت کی ہوران کے ترک وطن پر جگن ناتھ آزاد نے "ترک وطن" کے عنوان سے ایک نظم لکھی اور جوش ہی سے نہیں بلکہ ہر "تاجر" سے یہ

سوال کیا کہ۔ وطن کو چھوڑنے والے ذرا مجھ کو بتاتا جا ۔۔۔ ہوائے صبحدم یاد وطن لائی تو کیا ہوگا؟

دعا یہ ہے نئی دنیا مبارک ہو تجھے لیکن ۔۔۔ وہاں کی بھی فضا تجھ کو نہ راس آئی تو کیا ہوگا؟؟

یوں کہنے کو تو انگریزوں نے ہندوستان و پاکستان کی دو مملکتیں بنا دیں اور تمام اختیارات عوام کو سونپ دیئے مگر انھوں نے ریاستوں کا فتنہ بھی چھوڑ دیا۔ ہندوستان میں تقسیم سے قبل ۲۹ ۵ ریاستیں تھیں۔ انگریزوں کے اختیارات سونپ دینے کے بعد ان ریاستوں کو یہ حقوق مل گئے کہ جس ملک کے ساتھ وہ چاہیں اپنا الحاق کرلیں یا خود مختار رہیں۔ بعض ریاستوں نے برضا و رغبت ہندوستان و پاکستان کے ساتھ الحاق کرلیا ۔۔۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر کے راجہ نے بھی ہندوستان کے ساتھ اپنے الحاق کی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ لیکن پاکستان کا دعویٰ کشمیر کے سلسلہ میں برقرار رہا۔ نتیجہ کے طور پر کشمیر کی جنت نظیر سرزمین کشت و خون کا بازار بن گئی۔ جب وہاں کی سرزمین انسانی خون سے اپنی پیاس بجھا چکی تو یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش ہوا اور سلامتی کونسل بڑی تگ و دو کے بعد ا جنوری ۱۹۴۹ء کو کشمیر میں جنگ بندی کرانے میں کامیاب ہو گئی۔ ہمارے شاعروں نے کشمیر پر نظمیں لکھیں اور کشمیر کے دکھ درد سے سارے عالم کو آشنا کرایا۔ سردار جعفری کی نظم "کشمیر" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

زلزلوں سے دہل رہی ہے زمیں
لے رہے ہیں پہاڑ انگڑائی
مجھ سے کیوں پوچھتا ہے اے سیاح!
باغِ کشمیر کا ہے تحفہ کیا؟
اس دہکتے ہوئے گلستاں سے
ایک دو سرخ پھول لیتا جا!

پروفیسر آل احمد سرور کی نظم "کشمیر" کا آخری بند ملاحظہ ہو ؎

جس سے دنیا میں بہاروں کا بھرم قائم ہے ۔۔۔ مختصر کیوں ہے اُسی گھر میں بہاروں کا قیام
کاش! انسان بھی فطرت کے برابر ہو جائے ۔۔۔ تری قسمت ترے کہسار کے ہمسر ہو جائے

رام کرشن مضطر نے فرمایا کہ ؎

نظر میں جنت کشمیر کی بربادیاں بھی ہیں ۔۔۔ کہ میرے سامنے تقدیر کی بربادیاں بھی ہیں
ابھی یہ قافلہ ہے بے نشاں بے راہ بے منزل ۔۔۔ ابھی تاریکیوں میں قید ہے تنویر مستقبل

جناب رمز عظیم آبادی نے بھی "کشمیر" کے عنوان سے نظم لکھی۔

ابھی کشمیر کی جنگ شباب پر ہی تھی کہ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو مہاتما گاندھی ہلاک کر دیئے گئے، ہندوستان کا بچہ بچہ رو پڑا۔ مجاز، عبد المتین عارف، وامق جونپوری، منیب الرحمٰن، جگن ناتھ آزاد اور سید بہاء الدین احمد (بیانواں ضلع گیا صوبہ بہار) سبھوں نے

ہوگ منایا اور مہاتما گاندھی کے حادثہ پر نظمیں لکھیں اور خوب خوب لکھیں۔

رفتہ رفتہ دن گذرتے گئے اور ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء آگیا۔ سارے ہندوستان میں آزادی کی پہلی سالگرہ منائی گئی۔ سید امیر رضا کاظمی رضا مظہری (حسن پورا ضلع سارن صوبہ بہار) نے اپنی نظم "آزادی کی پہلی سالگرہ" میں اپنے محسوسات کی یوں عکاسی کی ؎

آج ہے سالگرہ دیس کی آزادی کی — ہیں مئے عیش سے ارباب وطن متوالے
چاہتا ہوں کہ کوئی گیت خوشی کا گاؤں — لب پہ بے ساختہ آجاتے ہیں لیکن نالے
کاش اس جام میں اک زہر نہ گھولا ہوتا — کاش اس جشن کے پیچھے نہ کراہیں ہوتیں

اور وہ کراہیں کیا ہیں اُسے جگر مرادآبادی کی زبان سے سنیئے۔

اگرچہ آزادیٔ وطن کو گذر چکا ایک سال کامل — مگر خود اہل وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناساز گار اب بھی
ستمگروں ظالموں کے حق میں پیام رحمت بنی ہوئی ہیں — نہیں ہے شائستہ سماعت دکھی دلوں کی پکار اب بھی
یہ جشن آزادیٔ وطن ہے مگر ایسی جشن و سرخوشی میں — بہت ہیں سینہ فگار اب بھی بہت ہیں بے روزگار اب بھی
یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندوزیوں کی لعنت — وہ خود ہی انصاف سے یہ کہہ دیں، نہیں ہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی

یا پھر پٹنہ کے ایک نوجوان شاعر سید ہاشم رضا کی نظم "امتحان" کے چند اشعار کے مطابق وہ کراہیں یہ ہیں کہ

کہاں کی صبح بہار آئی، کہاں کا دور سکون آیا — مچل رہے ہیں دلوں میں اپنے وہ نالۂ بیقرار اب بھی
روایت و رسم قوم و مذہب یہ امتیاز گدا و شاہی — ہزار فتنے کھڑے ہوئے ہیں قطار اندر قطار اب بھی
ہزاروں مفلس کے خون ناحق سے ہاتھ جنکے رنگے ہوئے ہیں — بلند عہدوں کی کرسیوں پر وہی ہیں سرمایہ دار اب بھی

یہ الفاظ دیگر ان کراہوں کو نازش پرتاب گڈھی کی نظم "شہیدوں کی آواز" میں سنیئے ؎

افق دار سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں — جو کرن اٹھتی ہے تاریکی میں کھو جاتی ہے
آدمی کوڑے کے ڈھیروں پر ابھی پلتا ہے — زندگی ہانپ کے فٹ پاتھ پہ سو جاتی ہے
روٹیاں اب بھی وہی خواب کا شہزادہ ہیں — جاگتی آنکھوں کو ملتا بھی نہیں جنکا نشاں
اب بھی محنت کے عوض داغ جگر ملتا ہے — اب بھی کھلیان جلا جاتا ہے بنئے کے یہاں

اور یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ بقول مجاز

؎ یہ انقلاب کا مژدہ ہے، انقلاب نہیں — یہ آفتاب کا پرتو ہے آفتاب نہیں

(باقی آئندہ)

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ اور ان کے فضائل و مناقب

از جناب مولانا محمد زکریا قالب آمروی قادری (فاضل مجیبی)

پوچھتے ہو شہ جیلاں کے فضائل اے سی؟
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

اسم گرامی محی الدین آپ کا لقب، ابو محمد آپ کی کنیت اور عبدالقادر آپ کا اسم شریف ہے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ابو صالح جنگی دوست تھا۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ کا اصلی نام فاطمہ تھا۔ کنیت ام الخیر اور لقب امۃ الجبار تھا۔ بڑی پاک دامن بی بی تھیں۔ آپ حضرت عبداللہ صومعی الزاہد الحسینی کی صاحبزادی تھیں۔

نسب نامہ حضرت غوث الثقلین سید السادات الحسنی الحسینی ہیں۔ نسب پدری آپ کا حضرت امام حسن مجتبیٰ سے اور نسب مادری حضرت امام حسین سید الشہدا علیہما السلام سے ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب پدری یہ ہے:۔ شیخ ابی صالح موسیٰ بن ابی عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ (ثانی) بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی علیہم السلام۔ سلسلۂ نسب مادری یہ ہے:— ام الخیر بی بی فاطمہ بنت حضرت عبداللہ صومعی الزاہد بن سید ابو الجمال بن سید محمد بن سید ابو محمود طاہر بن سید ابو عطا عبداللہ بن سید ابو الکمال عیسیٰ بن سید علاء الدین بن سید علی العریضی بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین علیہم السلام۔ علاوہ اس کے حضرت عبداللہ محض کی والدہ صاحبہ بی بی فاطمہ دختر نیک اختر حضرت امام حسین علیہ السلام کی تھیں۔ اس وجہ سے بھی آپ حسنی الحسینی ہیں۔

حلیہ شریف حضرت غوث الاعظم کا رنگ گندم گوں تھا۔ نحیف البدن، میانہ قد تھے۔ بھنویں باریک اور ملی ہوئی تھیں۔ سینہ چوڑا تھا۔ لب شگفتہ۔ رخسارے نورانی تھے۔ ریش مبارک بڑی اور چوڑی گولائی لئے ہوئے تھی۔ آواز نہایت بلند اور قوت سماعت و بصارت تیز تھی۔

ولادت باسعادت غوث پاک کے سن ولادت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ علامہ شیخ شمس الدین بن ناصر الدین محدث دمشقی کے بیان سے اور ابو نصر صالح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی ولادت پاک مقام گیلان میں ۴۷۱ھ

میں واقع ہوئی۔ لیکن مؤلف بہجۃ الاسرار نے شیخ ابو الفضل احمد بن شافع کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت کی ولادت باسعادت رمضان کے مہینہ میں بوقت شب ۴۷۱ھ میں بمقام نیف ہوئی۔ نیف جیلان سے قریب ایک قصبہ کا نام ہے۔

تمام اقوال کو مدنظر رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی ولادت کی تاریخ یقینی نہیں[1]۔ خود شیخ جیلانی کے قول سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ جب آپ سے آپ کا مقام پیدائش دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حال ٹھیک طور پر معلوم نہیں۔ البتہ مجھے اپنا بغداد آنا یاد ہے کہ جس سال تمیمی کا انتقال ہوا اسی سال میں بغداد آیا اور اس وقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی اور تمیمی نے ۴۸۸ھ میں وفات پائی۔

تعلیم و تربیت

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

ابھی عہد طفولیت ہی میں تھے کہ والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور دنیائے فانی سے رخصت ہو کر اجل کو لبیک کہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب صرف والدہ مشفقہ کا سایۂ کرم سایہ فگن تھا جو صرف گھر کی چہار دیواری ہی میں تربیت دے سکتی تھیں۔ لیکن گھر کے باہر کسی سرپرست کی سخت ضرورت تھی تو آپ کے نانا جان جو بقید حیات تھے لیکن بہت ہی ضعیف العمر و سن رسیدہ تھے انہوں نے آپ کو اپنی سرپرستی و نگرانی میں لے لیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل اور اس صالحہ اللہ والی والدہ کے سایۂ کرم و تربیت نے آپ کی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر دنیا والوں کے لئے ایک نمونہ بنا دیا۔ زندگی نہایت سادگی کی۔ زبان پر کوئی لغو بات نہیں۔ گرد و غبار میں بچوں کی طرح کھیل کود نہیں۔ چہرے پر متانت و سنجیدگی کے آثار۔ صفائی و ستھرائی کا خاص خیال۔ شر سے قطعی اجتناب، خیر کی طلب۔ احکام الٰہیہ کی پابندی کا کمال شوق۔ ہمہ دم اتباع سنت نبوی کا ذوق تھا۔ اگر مشفقہ والدہ کو آپ نماز پڑھتے دیکھتے تو آپ بھی نماز کے لئے تیار ہو جاتے۔ اور ایک پہلو میں کھڑے ہو کر معبود حقیقی کی بارگاہ رحمت میں ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ بڑوں کی تعظیم و توقیر کا بھی لحاظ و پاس رکھتے۔

جب آپ نے شباب میں قدم رکھا تو سارا شباب سراپا تقدس و پیکر اخلاص و تقویٰ کا مجسمہ بن گیا۔ اور آپ میں علوم و فنون، عبادات و ریاضات۔ ایثار و خلوص، تہذیب و تمدن بھر گیا۔ صداقت، امانت، سخاوت، دیانت، شجاعت، عدالت آپ کا شیوہ اور مشغلہ بن گیا۔

پانچ برس کی عمر میں آپ کی بسم اللہ ہوئی، اور والدہ ماجدہ کے زیر سایہ جیلان ہی میں عربی فارسی کی تعلیم حاصل کر لی اس زمانہ میں

---

[1] سال ولادت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ دونوں میں سے ایک ہے اس کو غیر یقینی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ (ادارہ)

بغداد مرکز علوم و فنون تھا۔ آپ نے جب اس کی شہرت سنی تو طلب علم کے شوق میں والدہ مشفقہ سے اجازت طلب کر کے علم کے لیے
تیار ہوئے اور بغداد کی راہ اختیار کی۔ وہاں پہونچکر آپ نے مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لیا۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اصول کی تعلیم
شروع ہوئی۔ قلیل عرصہ میں آپ نے سند فضیلت حاصل کر لی اور علوم دینیہ میں ایک نمایاں امتیازی شان حاصل کر لی۔

چونکہ آپ کو حصول علم کا کافی ذوق اور کمال شوق تھا۔ آپ جانتے تھے کہ علم حاصل کرنا ایک مسلمان پر فرض ہی نہیں بلکہ
روحانی مریضوں کے لیے شفا اور پرہیزگاری کا صراط مستقیم ہے۔ آپ علم کو ایک نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے اس لیے اس کی تحصیل میں
سعی پیہم اور کوشش بلیغ سے کام لیا اور جلد ہی کامیابی حاصل کر لی۔ آپ مدت دراز تک ابوالخیر حماد بن مسلم بن دردۃ الدباس
کی خدمت بابرکت میں حاضر رہے۔ انہیں سے بیعت کر کے علم طریقہ و ادب حاصل کی اور ان کو اپنا روحانی راہبر اور پیر و
مرشد تسلیم کر لیا۔

سنہ ۵۲۱ھ میں آپ اہل زمانہ سے متمیز ہو کر منبر پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول ہو گئے اور تمام فصحا و ادبا آپ کے
کلام کے مشتاق اور آپ کی تعلیم سے مستفید ہونے لگے۔ آپ کے کسب علمی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ بھوک اور فاقہ کی شدت سے
جب ان پر سختیاں گذرا کرتی تھیں تو زمین پر لیٹ کر آیۂ کریمہ "فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا" پڑھا کرتے
تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علمی کرتے ہوئے مشائخ و اساتذہ سے علم فقہ پڑھتا تھا تو بعد سبق میں جنگل کی طرف نکل جاتا
اور بغداد میں نہ رہتا۔ جنگل کے ویران اور خراب مقامات میں شب و روز بسر کرتا اور صوف کا جبہ پہنتا اور سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ
باندھتا تھا۔ ننگے پیر کانٹوں اور بے کانٹوں کی جگہوں پر میں پھرتا تھا۔ کاہو کا ساگ اور دجلہ کے کنارے سے ترکاریوں کو چین
کھایا کرتا تھا۔

عبادت و ریاضت

طالب علمی کے زمانے میں فراغت پا کر وعظ و تدریس کا سلسلہ شروع کرنے
کے درمیانی وقت میں محبوب سبحانیؒ نے مجاہدہ، ریاضت، سیاحت، عبادت اور نفس کشی میں اپنی عمر کا بہت حصہ صرف کیا۔

چنانچہ شیخ عبداللہ سلمی کا بیان ہے کہ حضرت نے اپنی نسبت فرمایا "میرے اوپر خواہ کوئی مصیبت گزرتی میں اسے برداشت
کرتا اور اپنے نفس کو بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں میں ڈالتا تھا جنگلوں میں دور تک نکل جاتا تھا شور و غل مچاتا لوگ مجھے مجنون
اور دیوانہ سمجھتے اور شفا خانے لے جاتے۔"

شیخ ابو مسعود الحریمی کا قول ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے سنا آپ نے فرمایا میں پچیس برس تک عراق کے بیابانوں میں
تنہا پھرتا رہا۔ اس زمانہ میں آپ عبادت، طاعت، قرآن خوانی، ورد و وظائف، ذکر و اذکار میں مشغول و مصروف رہتے اور بہت کم
آرام فرماتے۔ آپ اس بات کی بالکل پرواہ نہ کرتے کہ لوگ ان کی نسبت کیا خیال کریں گے۔ کوئی دیوانہ مجنون بنائے گا تو بلا سے
غرض جو کچھ مصائب و آلام گذرتے تھے اس کو برداشت کرتے۔ نفس کو کبھی ابھرنے نہ دیتے جس کی وجہ سے دنیاوی زیب و زینت
کبھی لبھا نہ سکی۔

وعظ و تدریس

نہ کالج سے نہ کتابوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ابن کثیر کا بیان ہے کہ حضرت شیخ علوم حقائق و وعظ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے تھے اور دوسرے امور میں کلام نہ فرماتے خلفاء، وزراء، امراء، رؤساء و سلاطین خاص و عام کو اوامر کا حکم دیتے اور نواہی سے منع کرتے۔ عرصہ دراز تک آپ کے وعظ و پند کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کی مجلس میں کافی اژدہام ہوتا۔

تحفۂ قادریہ میں مذکور ہے کہ وعظ و نصیحت کی کل مدت چالیس سال ہے۔ اس کی ابتدا ۵۲۱ھ اور انتہا ۵۶۱ھ ہے۔ کتنے لوگ دست حق پرست پر تائب ہو کر نور ایمانی سے پُر ہوئے اور مومن کامل ہوئے۔ کتنے یہود و نصاریٰ مشرف باسلام ہوئے اور کتنے لٹیروں اور ڈاکوؤں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی۔ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آئے۔ دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہوئے۔ تحفۂ قادریہ میں شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی العنائم الازہر بغدادی کی روایت کی بنا پر تحریر ہے کہ ۵۵۵ھ میں حضرت کی مجلس میں قریباً دس ہزار کا مجمع تھا۔

حضرت غوث الثقلین ایک طویل مدت تک بغداد کے مدرسہ میں درس و تدریس کا کام انجام بحسن و خوبی دیتے رہے۔ شیخ عبد الوہاب سے منقول ہے کہ تدریس اور فتویٰ کی مدت اپنے مدرسہ میں ۵۲۹ھ تا ۵۶۱ھ قریب تیس سال کے حضرت نے انجام دیا۔

آپ ان کو جو آپ کی خدمت میں فیض علمی سے بہرہ اندوز اور سیراب ہونے کے لئے آتے تھے نہایت توجہ سے تعلیم دیا کرتے تھے اور ایک ایک مسئلہ کے کئی کئی وجوہات بیان فرماتے۔ متعلمین کے سوا جو لوگ صرف آپ کی تقریر اور طریقہ تعلیم سننے آتے تھے وہ آپ کی طاقت لسانی، وسعت علمی پر اظہار تعجب کیا کرتے تھے۔ ایک نہایت کند ذہن طالب علم اُبی نامی کو بھی حسب معمول توجہ اور جانفشانی کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے۔ مگر قدرت کردگار سے یہ شخص تھوڑے دنوں میں وفات پا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اخلاق و صفات

حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مجمع البرکات اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ سے پُر تھی۔ آپ خوش خو، مہربان، فراخ حوصلہ، سیر چشم، فیاض، وعدہ وفا، ضعفاء، غریب نواز، کریم النفس اور حد درجہ خلیق تھے۔ باوجود اس بلندی مرتبہ اور کثرت علم اور علو درجات کے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت کیا کرتے تھے۔ اور کسی صاحب مرتبہ اور امیر کی تعظیم کے لئے قیام نہ فرماتے اور نہ بادشاہ اور وزیر کے دروازے پر جاتے۔ آپ ظاہری دنیاوی جاہ و جلال سے ڈرنے والے نہ تھے۔ آپ مہمانوں، مسکینوں کے ساتھ ہم نشیں ہوتے۔ ان کی بدخوئی برداشت کرتے۔ ان کی برائیوں سے چشم پوشی کرتے۔ ہم جلیسوں میں سے اگر کوئی حاضر نہ ہوتا تو اس کی خیریت دریافت کرتے۔ جس سے ہر شخص یہی سمجھتا کہ حضرت کو وہ سب سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے۔

آپ علماء، فقراء، خواص و عوام سب میں ہردلعزیز تھے ان میں سے ہر ایک آپ سے مستفید ہوا کرتا تھا۔ آپ ہمیشہ ہر لحظہ ذکر و فکر میں منہمک رہتے۔ عبادت کی محنت و مشقت برداشت کرنے میں نہایت مستقل مزاجی اور راسخ القدمی سے کام لیتے تھے۔ آپ نہایت صابر و شاکر اور ذاکر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام اعمال کی تفتیش کی تو کھانے کھلانے اور حسن اخلاق سے افضل و اعلیٰ کسی کو نہ پایا۔ اگر میرے ہاتھ میں دنیا ہوتی تو یہی کام کرتا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا رہتا۔ علامہ ابن نجار سے آپ نے فرمایا کہ اگر صبح کو میرے پاس ہزار دینار آئیں تو شام تک ان میں سے ایک پیسہ نہ بچے۔

تعلیمات

حضرت غوث الاعظمؒ کی ساری زندگی خدمت خلق اور تعلیم جمہور میں صرف ہوئی۔ آپ کی تعلیمات سے دفتر بھرے پڑے ہیں جن کا کچھ حصہ اخذ کر کے قارئین کرام کے افادہ کے لئے درج کرتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں:-

(۱) ہر حالت میں خدا اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو، فرمانبردار رہو۔

(۲) صبر کو اپنا شیوہ بناؤ۔

(۳) سختی کے بعد راحت کا آنا لازمی ہے۔ مصائب و تکالیف میں مایوس و ناامید نہ ہو۔

(۴) خدا کے ذکر پر جمع ہو جایا کرو۔

(۵) پراگندگی اور افتراق کی زندگی بسر نہ کرو۔

(۶) اجتماعی زندگی گزارو اور یکجہتی کو قائم و دائم رکھو۔

(۷) اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

(۸) معاصی کے داغوں کو توبہ کے پانی سے برابر دھوتے رہو۔

(۹) اپنے مولا کے دروازے سے کبھی نہ ہٹو۔

(۱۰) اپنے نفس کے دربان بنے رہو۔ دوست سے مل کر دشمن سے محافظت رکھو۔

(۱۱) دلوں کی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

(۱۲) کسی کی محبت میں عجلت سے کام نہ لو۔

(۱۳) عداوت و نفرت میں بھی جلدی نہ کرو۔

(۱۴) تم شرارت نفس سے کسی پر بدگمانی نہ کر بیٹھو کہ یہ گناہ ہے۔

(۱۵) تکبر سے بچو کہ یہ قہر الٰہی کا باعث ہوتا ہے۔

(۱۶) دنیا کو دل سے نکال دو تاکہ تم کو دھوکا اور فریب نہ دینے پائے۔

(۱۷) مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ حلال روزی کی تلاش میں لگا رہے اور قسمت پر بھروسہ کر کے بیکار نہ بیٹھا رہے۔

اگر تلاش میں کامیاب ہوا تو روزی بھی ملی اور ثواب تلاش بھی۔ ورنہ صرف تلاش کا ثواب حاصل کرتا ہے۔

سرکار غوث الثقلین نے اپنے کردار اور تعلیم سے اس بات کا عملی ثبوت دیا کہ ایک مسلمان کی اصلی دولت خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی ہے اور جب کوئی بندہ اپنے کو اپنے مولیٰ کی اطاعت میں وقف کر دیتا ہے تو دینی فلاح اور سربلندی کے ساتھ ساتھ دنیاوی عزت وجاہ بھی اس کا قدم چومتی ہے۔ اس ذریعہ حصول دنیا کا تلاش دنیا نہیں بلکہ حصول دین ہے چنانچہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہ العزیز کے سامنے بڑے بڑے شاہان دنیا، تجار، اہل دول اور خود خلیفۃ المسلمین اجازت لے کر حاضر ہوتے اور شرف باریابی کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے مَن کان للہ کان اللہ لہ

اگر کوئی شخص دنیاوی و مادی فلاح و بہبودی کا طلبگار ہو تو اس کے لئے بھی ایک ہی نسخہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پیغام سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنائے اور صدق دل سے ان کی اطاعت کرے بقول علامہ اقبالؒ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تلخیص القلائد میں حضرت شیخ ابو زکریا سے منقول ہے کہ فرمایا غوث پاکؓ نے کہ میں نے ایک شب عالم خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تخت مرصع پر سوار تشریف لائے اور مجھے نہایت الفت و محبت سے اپنے پاس بٹھایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا اور جسم اقدس سے اپنا پیرہن مبارک اتار کر مجھ کو پہنایا اور فرمایا ھٰذہٖ خلعۃ الغوثیۃ علی الاقطاب والابدال والاوتاد۔

صاحب نفحات لکھا چاہر تحریر فرماتے ہیں حضرت غوث الثقلینؒ ایک بار ایک مجلس میں وعظ فرما رہے تھے جس میں بہت سے مشائخ کرام، علماء عظام موجود تھے حضرت نے اپنی تقریر میں فرمایا "قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ" میرا یہ قدم ہر ایک ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ یہ سن کر شیخ علی بن الہیتی اٹھے اور تخت کے پاس جا کر آپ کا قدم اپنی گردن پر رکھ لیا۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے آگے بڑھ کر اپنی گردنیں جھکا دیا اور تمام اولیاء اللہ نے مبارکبادیاں پیش کیں ؎

خوباں کہ ز خوبی چو گل و لالہ نمودند
نازاں ہمہ را زیر قدم کرد و عجب کرد

حضرت شیخ عدی بن ابقا بن بطو سے اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ اس کلمہ کے فرمانے پر مامور منجانب اللہ تھے۔

وفات

آپ کی عمر شریف کا اکثر حصہ اشرف البلاد بغداد میں بسر ہوا تینتیس برس عالم تجرید، درس و تدریس و فتویٰ و فن الفقہ میں اور چالیس برس کامل دعوت و ارشاد خلق، وعظ و نصیحت اور حقائق و معارف سے آگاہ کرنے میں مشغول و مصروف رہے۔ اور جب آپ کی عمر شریف اکانوے برس کی ہوئی تو اشرف البلاد بغداد میں بقول ابن نجار شنبہ کی شب بعد نماز عشاء بتاریخ دہم

ف ۱ صحیح روایت کی بنا پر حضرت کی وفات شب شنبہ ۹ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو ہوئی حضرت شیخ عبدالحق محدث نے یہی لکھا ہے اور بہجۃ الاسرار میں بھی یہی ہے۔ (ادارہ)

ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے حضرت سیدنا عبدالوہاب قادری نے پڑھائی۔ ہجوم خلائق کی وجہ سے آپ بوقت شب اپنے مدرسہ باب الازج کے سائبان میں مدفون ہوئے۔

نصر المنیری نے اس کی صبح کو آپ کے مرثیہ میں ایک قصیدہ کہا جس کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے:۔

یہ صبح کا جدید سانحہ نہایت مشکل ہے — اس سے صبح کی مقررہ روشنی بالکل نہیں رہی

التجاء — بزبان حسرت موہانی

دستگیری کا طلب گار ہوں شیئاً للہ — میر بغداد میں لاچار ہوں شیئاً للہ

کرم خاص کے لائق تو میں نہیں پھر بھی — آپ کا غاشیہ بردار ہوں شیئاً للہ

آپ ہی سُنئے کہ اب جا کہیں ہم کس سے

بستۂ دامن سرکار ہوں شیئاً للہ

بقیہ لمعات

وہ لوگ تجارت اور صنعت میں اور بھی نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں اور اپنی قابلیت سے اسے اور فروغ دے سکتے ہیں۔ جو لوگ ان راستوں کو پہلے سے اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اسے فروغ دینے کی کوشش کریں۔ ساتھ ہی بیکاری کا شکار اور نوکری سے مایوس مسلمانوں سے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ نوکری جیسی لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالنے کی بجائے، تجارت کو اپنائیں، بغیر اس کا خیال کئے ہوئے کہ ان کے پاس سرمایہ کی کمی ہے۔ تھوڑے ہی سرمایہ سے چھوٹے پیمانہ پر کام شروع کر کے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ تجارت کی کامیابی کے لئے سرمایہ کبھی بنیاد نہیں بنتا، بلکہ ایمانداری، جد و جہد، اور ذہانت اس راہ میں ترقی کے زینے ہیں۔

(ادارہ)

ضروری اعلان

:۔ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اسکو معلوم کرنے کیلئے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔

باربار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر پر صاف طور پر لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبدالدیان قادری مہتمم دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

افادات

لمعاتِ بدریہ

(از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور اللہ مرقدہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ)

سوال

ایک ہندو صاحب (جن کا نام ہندو کا سا ہے اور اطوار و افعال و عادات ہنود کے ہیں۔ ہنود کے مذہبی مراسم و تہوار وغیرہ سب بکمال بشاشت کرتے ہیں) مدعی ہیں کہ مجھ کو فلاں بزرگ صاحب سلسلہ سے بیعت و اجازت و خلافت ہے۔ اسی بنا پر لوگوں کو مرید بھی کرتے ہیں۔ باطن کا خدا علیم ہے ظاہر میں ساری باتیں ہنود کی پائی جاتی ہیں ایسے شخص سے مسلمانوں کو مرید ہونا چاہیئے یا نہیں۔ ان کی بیعت طریقت میں جائز ہوگی؟ جواب مدلل سے سرفراز یں۔

جواب

الحمد للہ وحدہ۔ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی لا نبی بعدہ وعلی آلہ واصحابہ۔

جو صاحب کہ ہندو ہیں، اور ہنود کے مذہبی مراسم و تہوار وغیرہ کرتے ہیں اور ان کے اطوار و افعال عادات سب ہنود کے ہیں۔ ان سے مرید ہونا مسلمانوں کو جائز نہیں۔ اگرچہ وہ کسی صاحبِ سلسلہ سے اپنی بیعت اور اجازت و خلافت پانے کے مدعی ہوں۔ اس لیے کہ ہنود کے مذہبی رسوم میں شرک کے کام سب ہیں۔ ان کے تہوار کے اندر بھی بعض کام کفر اور شرک کے ہوتے ہیں ان کاموں کا کرنے والا مشرک ہے اور مشرک کسی مسلمان کا پیر نہیں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا۔	پس جو لوگ اپنے پروردگار کے دیدار کی امید رکھتے ہیں انہیں چاہیئے کہ عمل نیک کریں اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

جب لقاء رب عزوجل کی اس شرط پر رکھی گئی ہے کہ خدائے عزوجل کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے تو شرک کرنے والے کو نہ دنیا کی زندگی میں تجلیات الٰہی نصیب ہو سکتی ہے نہ عالم آخرت میں۔ شرک کے کاموں کا کرنے والا جب قرب خداوندی سے محروم ہے تو اس محرومی کی وجہ سے مسلمانوں کا پیر نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ خود صراط مستقیم سے دور۔ راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ دوسروں کو کیا راہ بتائے گا

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے۔

کونوا مع الصادقین ۰	صادقوں کے ساتھ رہو۔

اس آیۂ شریفہ میں صادقین سے مراد پیغمبران علیہم السلام ہیں۔ اور ان کی امت میں سے جن لوگوں نے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہو۔ یہ لوگ ایمان اور توحید کامل رکھنے والے۔ شرک سے بچنے والے ہیں۔ شرک کی نسبت ارشاد خداوندی ہے

ان الشرک لظلم عظیم	بے شک شرک بڑا گناہ ہے۔

اور مومن و مشرک کے درمیان فیصلہ فرمایا ہے

لعبد مومن خیر من مشرک ولو اعجبکم	ہر آئینہ ایمان والا غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک تمہیں بھلا معلوم ہو۔

پیر کیسا ہونا چاہیئے۔ اس کو آپ لوگ تو جانتے ہوں گے لیکن جو لوگ نہیں جانتے ہیں ان کے لئے لکھ دیا جاتا ہے۔ کہ پیر جن صفتوں کا شخص ہونا چاہیئے وہ یہ ہے۔ صحیح عقیدہ اہل سنّت کا رکھنے والا ایمان اور توحید خالق عزوجل میں کامل۔ متشرع۔ متقی، بے نفس، بے ریا۔ گناہوں سے بچنے والا۔ اخلاق حمیدہ سے موصوف مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کا شخص مانا گیا ہو۔

جب پیر کی صفت ہے گناہوں سے بچنا تو مسلمان اور ایمان والوں کا پیر یا مرشد شرک کرنے والا شخص کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے کہ شرک تمامی گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذٰلک	اللہ بے شک شرک کو نہ بخشے گا اور بخش دے گا جو کچھ اس کے سوا ہے۔

جس شخص کی حالت سوال میں ظاہر کی گئی ہے اس کے ہاتھ پر جن لوگوں نے بیعت کی ہے ان کی بیعت صحیح نہیں ہوئی۔ وہ لوگ دوسرا پیر موصوف بصفات مرقومہ بالا جس کو پائیں اور اس کے ساتھ ان کا عقیدہ ہو کہ یہ مجھے خدائے عزوجل کی راہ بتائے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

پیر کی صفات کے متعلق بزرگوں کا قول بھی لکھ دیا جاتا ہے تاکہ آپ لوگوں کو پورا اطمینان خاطر ہو جائے۔

حضرت غوث اعظم سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ ونفعنا بروحہ کتاب غنیۃ الطالبین میں صفات پیر کے متعلق فرماتے ہیں:—

فان اخشن الخلق والقول معھم وافشا اسرارھم واغتابھم وثلبھم وذکر مساویھم نفرت قلوبھم عن قصدہ ومصاحبتہ وصار ذٰلک تھمۃ عندھم فی اھل الطریقۃ وفیما قد عرس	پس اگر پیر بدخلقی اور بدگوئی مریدوں کے ساتھ کرے اور ان کے اسرار کو ظاہر کرے اور ان کی غیبت اور عیب جوئی کرے اور ان کی برائیوں کو ظاہر کرے تو ان مریدوں کے دل نفرت کریں گے اس کے قصد اور مصاحبت سے اور یہ ان کے نزدیک تہمت

فی قلوبھم من حب اولیاء اللہ فلیحذر من ذلک جدا فان غلب ھذا علیہ ولا یمکنہ تدارکہ فلیعزل نفسہ عن ھذہ المنصبۃ والولایۃ وعن المریدین ویشتغل بمجاھدۃ نفسہ وریاضتھا وطلب شیخ یؤدبہ ویقومہ ویھذبہ فلا یصلح ان یکون شیخا مع ھذہ الادواء فلا یقطع علی مریدین طریقتھم الی اللہ عز وجل ۔

. . . .

ہوگی۔ اہل طریقت میں اور اس میں کہ جو محبت ان کے دل میں اولیاء اللہ کی بیٹھ چکی ہے۔ پس ایسے بُرے صفات کے پیر کو چاہیے کہ کوشش کرکے ان بری صفات سے بچے۔ پس اگر یہ بری صفات اس پر غالب آگئی ہو اور اس کا تدارک ممکن نہ ہو تو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو اس منصب اور سرداری سے معزول کرے اور مریدوں سے جدا ہو جائے اور اپنے نفس مجاہدہ اور ریاضت میں اور پیر کی طلب میں مشغول ہو کہ جو اس کو ادب دے کیونکہ ان آفات کے ساتھ وہ پیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مریدوں کی راہ کو نہ کاٹے جو خدائے عزوجل کی طرف ہے۔

جب مرید کے ساتھ بدخلقی ان کی عیب جوئی اور غیبت ان کے رازوں کو ظاہر کرنے سے پیر اپنے منصب پیری سے معزولی کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو شرک کرنے والا بدرجہ اولیٰ معزولی کے قابل ہے۔ حضرت مخدوم شرف الدین بہاری قدس اللہ سرہ ونفعنا بہ مکتوبات صدی کے مکتوب سی و ہفتم میں لکھتے ہیں :—

اگر مرید از پیر منکرے بیند قولاً و فعلاً در پناہ عجز خود شود۔ تا برگشتہ نگردد۔ چوں جمال معاملہ او با شرع آراستہ بود آن یک زلت بر سبیل امتحان بر آں مرید نماید۔ روزگار خود را جز باں راست نکند۔

. . . .

اگر مرید قولی و فعلی گناہ پیر کا دیکھے تو (اس کے سمجھنے میں) اپنے (علم و فہم) عاجز جانے تاکہ مارا نہ پڑے۔ جب پیر کے معاملہ کا احکام شریعت سے آراستہ ہو تو ممکن ہے کہ وہ ایک لغزش پیر کی مرید کے امتحان کی نظر سے ہوئی ہو۔ شب و روز پیر گناہ میں نہ رہتا ہو۔

دو ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں :—

وگر کسے را ہمہ روزگار بخلاف شرع بیند یا بیشترے از انجا باید گریخت کہ صحبت ان چناں کس درد و سوز را فرو نشاند و ایمان را پے کند و رہ بر وبزند۔

اور اگر کسی پیر کو برابر خلاف شرع کاموں میں دیکھے یا اکثر تو وہاں سے بھاگ جانا چاہیے کہ ایسے شخص کی صحبت درد اور سوز کو بجھا دے گی اور ایمان منقطع کر دے گی اور راہ زنی کرے گی۔

جس پیر کو برابر خلاف شرع کاموں کو کرتے ہوئے دیکھے پر اس کے پاس سے بھاگ جانے یعنی اس کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کی صحبت میں رہنے کے اندیشے سے جس قدر محبت حق اور سوز و درد طلب حق کی مریدوں کے دل میں پیدا ہو چکا اور موجود ہے، ان سب کے مٹ جانے کا خوف ہے۔ جب برابر گناہ کرتے رہنے کا یہ اثر ہے تو جو پیر شرک کا کام برابر کرتا رہے اس کے مرید او صحبت یافتہ کے دل کی خرابی کا خوف کس قدر زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں جو لوگ پہلے سے مرید اس شخص سے

ہو گئے ہیں ان کو چاہئے کہ اس شرک کرنے والے شخص سے جلد جدا ہو جائیں بعد اس کے اگر مرید ہونے کی خواہش رکھتے ہوں تو کسی متشرع موصوف باوصاف حمیدہ شخص سے جیسے کہ اوصاف اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ مرید ہوں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ کیونکہ شرک کرنے والے کے ہاتھ پر جو بیعت طریقت کی گئی تھی وہ بیعت ہی صحیح نہ ہوئی تھی۔ والسلام

محمد بدر الدین قادری پھلواروی

دیگر

سوال

کوئی شخص اگر چاہے کہ طریقہ قادریہ چشتیہ وسہروردیہ و فردوسیہ چاروں سلاسل میں مرید ہو تو، ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک تو نہیں ہو سکتا ہے۔ حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

جواب

نحمد اللہ ونستعین ونصلی ونسلم علی رسولہ وحبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔ سوال کا مطلب شاید یہ ہے کہ مرید یک وقت کسی ایک پیر کے ہاتھ پر چاروں سلاسل میں بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور پیر کسی ایک مرید کو بیک وقت چاروں سلاسل میں داخل اور مرید کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ مرید کے ہاتھ پر جب پیر اپنا ہاتھ رکھتا ہے تو بعد اس کے اپنے پھر پیر کے پیر اور اس کے پیر اسی طرح مسلسل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد ید اللہ فوق ایدیہم ہے۔ تو بیعت کے وقت بظاہر مرید کے ہاتھ پر اس کے پیر کا ہاتھ ہوتا ہے لیکن باطن میں اس کے پیر کے پیر اور اس کے پیر یہاں تک کہ مسلسل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ید اللہ عزوجل تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اس طرح بیعت کا سلسلہ بیعت لینے والے ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ آگے بڑھتا ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم کی بیعت کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے محدود نہ فرمایا بلکہ اپنے ید قدرت تک اس بیعت کے پہنچنے کو فرمایا۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم (اے پیغمبر) بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر۔

تو جس سلسلہ میں بیعت لی جاتی ہے مسلسل اس سلسلے کے پیران کے واسطے سے اوپر تک پہنچایا جاتا ہے۔ جب دوسرے سلسلے کے بزرگوں کے نام بھی اس میں داخل اور شامل کیا جائے گا تو نہ پہلے سلسلہ کے بزرگوں کا تعلق باقی رہے گا نہ دوسرے تیسرے کا سب آپس میں خلط ہو جائیں گے۔

بزرگوں کے سلاسل طریقت، لقاء و صحبت کی حیثیت سے مثل سند احادیث کے اتصال رکھتے ہیں۔ جب ایک ہی حدیث کی سندیں کئی طرق سے ہوتی ہیں تو کیا ایک سند کے اندر دوسری سند داخل ہو سکتی ہے؟ اور جو کوئی اس طرح سندوں کا خلط کرے

اس کی روایت میں اتصال باقی نہ رہے گا اور جب اتصال نہ رہے گا تو اس طرح کی منقطع اور مخلوط روایت کو محدثین صحیح نہیں کہہ سکتے اسی طرح جو سلسلۂ طریقت اپنے شیوخ سے منقطع اور دوسرے سے مخلوط ہو جائے گا اہل طریقت کے نزدیک وہ ساقط الاعتبار ہو جائے گا۔ خلاصہ مرام یہ کہ بیعت کے وقت سوائے ایک سلسلہ کے دوسرے سلسلہ کے بزرگوں کو داخل اور شامل کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس لئے چاروں سلاسل میں بیک دفعہ مرید کر لینا صحیح نہیں اور جو شخص چاروں سلاسل میں بیک دفعہ مرید کر لیتا ہے میرے نزدیک یہ فعل اس کا درست نہیں ہے

محمد بدر الدین قادری پھلواروی

دیگر

جواب

شریعت اسلامی کے پیرو جس طرح کسی ایک امام کی تقلید میں صراط مستقیم پر اللہ تعالیٰ کے چلتے اور ایمان و اسلام کو قبر تک سلامت لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ طریقت اسلامی کے رہرو بھی کسی ایک سلسلہ میں اپنے کو منسلک اور متوسل کر کے طریقہ سلوک الی اللہ کو قطع اور طے کرتے علم و عرفان حق تعالیٰ کا حاصل کرتے اور واصل بھی ہوتے اور اس کے قرب و قبول کی بارگاہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

جس طرح سے ایک ہی وقت کوئی شخص اپنے کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نہیں بنا سکتا ہے اسی طرح سے ایک ہی وقت قادری، سہروردی، فردوسی، چشتی، نقشبندی، شاذلی، احمدی میں بیعت نہیں کر سکتا ہے تو میں آپ کو چودہ سلسلہ میں مجموعہ کیونکر مرید کر لوں۔ بیشک مجھے سلاسل قادریہ[1]، سہروردیہ[2]، فردوسیہ[3]، چشتیہ[4]، طیفوریہ[5]، مداریہ[6]، قلندریہ[7]، نقشبندیہ[8]، مجددیہ[9]، ابوالعلائیہ[10]، شاذلیہ[11]، احمدیہ[12]، خلوتیہ[13]، خضرویہ[14]، اویسیہ[15] میں بیعت لینے کی اجازت حاصل ہے۔ پھر قادریہ سلسلہ پانچ چھ طریقوں سے ہے، اور چشتیہ بھی اسی طرح یعنی چشتیہ، نظامیہ، وصابریہ، وخضرویہ پھر نظامیہ بھی حامیہ اشرفیہ و نجمیہ لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک شخص کی بیعت کل طریقوں سے لے لوں۔

جس شخص کو کسی ایک ہی طریقہ میں بیعت لینے کی اجازت ہے وہ اس طریقہ کے سوائے کسی دوسرے میں بیعت لے ہی نہیں سکتا ہے وہ طالب و مرید سے پوچھتا نہیں کہ تم کس طریقہ میں بیعت کا ارادہ رکھتے ہو بلکہ جس طریقہ کا مجاز ہوتا ہے اس میں مرید کرتا ہے۔ اور جس کو کئی طریقوں میں بیعت لینے کی اجازت ہوتی ہے وہ مرید سے پوچھتا ہے کہ کس طریقہ میں بیعت کرنی چاہتے ہو۔ وہ جس طریقہ میں اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کو مرید کرتا ہے اور اگر وہ ایسے طریقہ کی خواہش ظاہر کرتا ہے جس کی اس شیخ کو اجازت نہیں تو کہہ دیتا ہے کہ اس طریقہ کی اجازت مجھے نہیں ہے۔ میں اس طریقہ میں مرید نہیں کر سکتا ہوں۔ جس طرح مجھے شطاریہ رفاعیہ نوشاہیہ سلسلوں کی اجازت نہیں ہے اس لئے میں ان سلاسل میں کسی کی بیعت نہیں لے سکتا۔

اب اگر آپ کو کسی خاص ایک طریقہ میں بیعت کرنا ہو تو اس سے مطلع فرمائیں یا نہیں تو ایسے آدمی کو تلاش کیجئے جو معجون مرکب والی بیعت لیتے ہوں۔ میں اس میں قاصر ہوں۔

واضح رہے کہ جملہ اولیاء اللہ کی محبت رکھنی اور سب کو بزرگ جاننا ضروری ہے لیکن بیعت ایک ہی سلسلہ میں ہوتی ہے اور ایک ہی بار ہوتی ہے۔ مکرر بیعت بھی نہیں ہوتی۔

اتنی تفصیل کی ضرورت ہوتی اس سبب سے کہ آپ کی تحریر سے میں نے سمجھا کہ آپ اس کی حقیقت سے ناواقف ہوں گے اس سبب سے ایسی درخواست فرماتے ہیں۔ والسلام

محمد بدرالدین قادری پھلواروی

دیگر

جواب

پیر طریقت جس کے ہاتھ پر بیعت کی ہو یا پیر کی وفات کے بعد جس سے ارشاد لیا ہو اس سے برگردہ ہونا بیعت طریقت یا بیعت ارشاد کو توڑنا ہے۔ اور یہ گناہ ہے۔

بیعت کے توڑنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں فرمایا ہے۔

فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ — تو جو عہد توڑے تو اپنے نفس کے (نقصان) کے لئے عہد توڑتا ہے۔

یعنی بیعت عہد ہے اس کا توڑنا گناہ ہے۔ اور بیعت کو برقرار رکھنے کی نسبت فرمایا

ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسوف یؤتیہ اجرا عظیما ط — اور جو پورا کرے جس کا عہد اس نے خدا سے کیا ہے تو قریب میں خدا اس کو اجر عظیم دے گا۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اعرابی بیعت کرنے کے بعد بیمار ہو گیا اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت توڑ دینے کی فرمائش کی آپ نے انکار فرمایا وہ مکرر تین بار آیا اور بیعت توڑنے کو کہا گیا۔ ہر بار آپ نے انکار فرمایا۔ حضرت مخدوم الملک بہاری اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ پیر سے بدعقیدت نہ ہونا چاہئے جو ایسا کرے وہ مرتد طریقت ہے۔

بغیر کسی صاحب سلسلہ کی اجازت کے مرید نہ کرنا چاہئے۔ خواب کی اجازت صحیح نہیں جس طرح اہل علم میں قرآن شریف اور حدیث کی سند و اجازت تحریری و تقریری ملتی ہے اور زندہ کی اجازت مستند ہے خواب کی نہیں۔ ایسا ہی طریقت میں مرید کرنے کی اجازت جاگنے میں زندہ کسی صاحب سلسلہ سے ہونی چاہئے۔ خواب کی اجازت کا اعتبار نہیں۔

تصویر پرستی شریعت و طریقت دونوں میں گناہ ہے۔ والسلام

محمد بدرالدین قادری پھلواروی

باب التفسیر

تفسیر سورہ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محل لکھنو)

(۳۷)

اس کے علاوہ دوسری حدیث ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں :-

ان رجلا من المسلمین رای فی النوم انہ لقی رجلا من اھل الکتاب فقال نعم القوم انتم لولا انکم تشرکون تقولون ماشاء اللہ وشاء محمد وذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اما واللہ ان کنت لاعرفها لکم قولوا ماشاء اللہ ثم شاء محمد

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اہل کتاب میں سے ملا اور اس نے کہا کہ تم بہترین قوم ہوتے اگر تم شرک نہ کرتے تم کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور محمد چاہیں، اور اس نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، تو آپ نے فرمایا کہ سن رکھو بخدا میں اس بات (کی برائی) کو تمہارے حق میں خوب جانتا ہوں۔ تم لوگ۔ جو اللہ چاہے، پھر محمد چاہیں، کہا کرو۔

ان دو حدیثوں کے علاوہ ابن ماجہ نے بھی کوئی حدیث ذکر نہیں کی ہے۔ سوائے ایک حدیث طفیل بن سخبرہ کے جو حدیث حذیفہ کے مثل ہے اور مسند دارمی میں حضرت عائشہ کے مادر زاد بھائی طفیل بن سخبرہ سے مروی حدیث پوری ذکر کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال رجل من المشرکین لرجل من المسلمین نعم القوم انتم لولا انکم تقولون ماشاء اللہ وشاء محمد فسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا تقولوا ماشاء اللہ وشاء محمد ولکن قولوا ماشاء اللہ ثم شاء محمد

مشرکوں میں سے ایک شخص نے کسی مسلمان سے کہا کہ تم بہتر قوم ہوتے اگر تم یہ نہ کہتے کہ جو اللہ چاہے اور محمد چاہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا کہ تم لوگ یہ نہ کہا کرو کہ جو اللہ چاہے اور محمد چاہیں۔ لیکن تم لوگ کہا کرو کہ جو اللہ چاہے پھر

محمد چاہیں۔

ہاں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

ان رجل قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ماشاء اللہ وشئت فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلتنی واللہ عدلا بل ماشاء اللہ وحدہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے مجھ کو اللہ کو برابر کر دیا (یہ نہ کہا) بلکہ جو اللہ تنہا چاہے (کہا کر)

اس حدیث میں بھی اجعلتنی للہ ندا کے الفاظ نہیں ہیں اور یہی ایک حدیث ایسی ہے جس میں ماشاء اللہ وحدہ کہنے کی ہدایت ہے۔ باقی جملہ مرویات مذکورہ میں ماشاء اللہ ثم شئت کہنے کی ہدایت فرمائی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس عنوان پر ایک باب قائم کیا اور فرمایا باب لا یقول ماشاء اللہ وشئت۔ لیکن اس کے تحت میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی، جو اس مضمون پر صریحی دلالت کرتی ہو۔ صاحب توضیح فرماتے ہیں کہ اس مضمون پر دلالت کرنے والی حدیث حضرت قتیلہ کی ہے۔ لیکن وہ حضرت امام بخاری کی شرط پر پوری نہیں اترتی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس حدیث پر نظر کرتے ہوئے باب تو اس عنوان کا قائم کر دیا اور اس پر ایک دوسری) حدیث ابو ہریرہ رض کی ذکر کر کے اس سے استدلال کیا جو (اگرچہ صراحۃً اس مضمون پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ لیکن اس کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے (۱)۔ مہلب فرماتے ہیں کہ امام بخاری حدیث ابو ہریرہ سے استدلال کرتے ہوئے اس طرح (ماشاء اللہ ثم شئت) کہنا جائز سمجھتے ہیں اور ماشاء اللہ وشئت (جو خدا چاہے اور تو چاہے) کہنا جائز نہیں قرار دیتے ہیں اور ابو جعفر کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ وشئت کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ امام بخاری نے اس عنوان کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اس میں ماشاء اللہ و شئت کہنے سے ممانعت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ وغیرہ فرمایا ہے (یعنی ان آیتوں میں غنی کر دینے اور احسان و انعام کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یکساں فرمائی گئی ہے۔ پس اس پر نظر کرتے ہوئے یہاں بھی مشیئت کی اسناد خدا اور رسول کی طرف کرنا درست ہوگا لیکن ابن التین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ماشاء اللہ وشئت میں اللہ کی مشیئت میں غیر خدا کو شریک کرنا پایا جاتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ برخلاف ان آیات کے کہ غنی کرنا دراصل اللہ ہی کی طرف سے ہے اور مال و دولت عطا فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہو رہا تھا۔ اس لئے اس فعل کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی حقیقی ہے۔ اسی طرح حضرت زید پر اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اور آزاد کرنے کے ذریعہ آنحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرمایا۔ اس لئے احسان کی اسناد دونوں کی طرف حقیقی ہے اور یہاں ماشاء اللہ میں اسناد حقیقی ہے اور شئت میں اسناد مجازی ہے۔ پھر واؤ کے ذریعہ سے حقیقت و مجاز کا جمع کرنا لازم ہے۔ جو درست نہیں ہے (۲) کرمانی فرماتے ہیں کہ جو خدا چاہے اور تو چاہے۔ ان دونوں کو جمع نہ کرنا چاہیے اور دونوں کو الگ الگ رکھنا جائز ہے

(۱) عمدۃ القاری (۲) فتح الباری

اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ واؤ دونوں معنے کے درمیان شرکت ثابت کرتا ہے اور یہ خلاف ادب ہے اور واؤ کی جگہ ثُمَّ (پھر) لے آنا جائز ہے۔ کیونکہ مشیت الٰہی مخلوق کی مشیت پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما تشاءون الا ان یشاء اللہ (تم نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو خدا چاہے) پس یہ کہنا کہ جو خدا چاہے، پھر آپ چاہیں، مطابق ادب ہوگا اور حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ ثم شئت کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ ماشاء اللہ وشئت کہنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ اس سے مشیت الٰہی میں شریک کرنا مفہوم ہوتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت مشیت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ومنفرد ہے اور جب غیر خدا کی طرف نسبت کی جائے تو مشیت مجازی مراد ہوتی ہے (اور حقیقت ومجاز کا جمع کرنا درست نہیں۔ اس لئے ایسا نہیں کہا جا سکتا ہے) ہاں ثُمَّ کے ساتھ کہنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ اس بات کو مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت غیر خدا کی مشیت پر مقدم وسابق ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ ادب کی طرف لوگوں کی رہنمائی فرمائی کہ مشیت الٰہی کو غیر کی مشیت پر مقدم ظاہر کریں اور اس موقع پر ثُمَّ اختیار کیا، کیونکہ وہ ترتیب وتاخیر پر دلالت کرتا ہے (پس ثُمَّ کہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر کی مشیت اللہ کی مشیت سے مؤخر ہے اور یہ صورت درست ہے) برخلاف واؤ کے کہ وہ مشیت کے مشترک ہونے پر دلالت کرتا ہے[1]۔

احادیث مذکورہ اور اقوال شارحین سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مقام عموم مشیت وقدرت میں اللہ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کرنا جائز ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ کی مشیت کا مشیت الٰہی سے مؤخر ہونا سمجھا جا سکے اور نہ مطلقاً جمع کرنے سے ممانعت ہے نہ مطلقاً جمع کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ مشیت رسالت کا مؤخر ہونا ظاہر کرتے ہوئے احترام نبوی اور ادب رسالت کا تقاضا پورا کرنے کے لئے اللہ کے ساتھ جمع کرنے کی اباحت وہدایت ہے۔ واللہ الهادی الی سواء السبیل۔

یہاں تک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اصناف شرک کی تفصیل میں اختصار سے کام لیتے ہوئے ضروری توضیحات کردی گئیں اور شرک حقیقی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے رب کریم کا وہ حق واضح کردیا گیا، جو بندوں پر واجب ہے اور جس کی رعایت کرنے والا ہی قیامت کے دن اللہ کی رحمت ومغفرت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ عبادت الٰہی جو دوسرے لوگوں کو دکھانے اور سنانے اور ان پر اپنا عبادت گزار ہونا جتانے اور اپنے زہد وتقویٰ کے اعلان اور اسکے ذریعہ اپنا وقار جمانے کے لئے کیجائے اسکو عمل ریا وسمعہ کہا جاتا ہے اور زبان رسالت نے اسکو شرک اصغر فرمایا ہے پس بندے پر اللہ کا جو حق واجب ہوتا ہے وہ شرک سے بچنے تک محدود نہیں رہ جاتا بلکہ اخلاص فی العمل بھی چاہتا ہے اور جب تک اپنے اعمال میں خلوص اور اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے ساتھ اختصاص نہ پایا جائے حقوق الٰہی کمل نہیں ہو سکتے، اس کی مزید تشریح

---

(۱) ارشاد الساری۔

اور عبادت میں ریا و سمعہ، کبر و غرور، اپنے اعمال عبادت پر نخوت و ناز کی مذمت کے سلسلہ میں تفصیلات سے کلام اور بھی طویل ہو جائیگا اور یہ طوالت نا قابل برداشت ہو جائے گی اس لئے اس سے گریز کرتے ہوئے صرف دو باتیں اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس مقام حمد میں اللہ تعالے نے رب العالمین فرماکر اپنے تمام صفات ایجابیہ و سلبیہ کیطرف اشارہ فرما دیا ہے اس لئے کہ تربیت اسوقت تک ممکن نہیں ہوسکتی جب تک کہ تربیت کرنے والا موجود قائم نہ رہے۔ اور جس کی تربیت کرنا مقصود ہے اس کے تمام امور کا علم اور کامل قدرت اور مشیت و ارادہ میں کمال اختیار حاصل نہ ہو بنابریں رب کے لئے حی و قیوم، علیم و خبیر، قادر و قوی، فعال و مرید ہونا لازمی ٹھہرا یہ بیان ہے بعض صفات ایجابیہ کا اسی طرح اس کا عاجز و غافل اور ظالم نہ ہونا بھی ضروری ہے یہ بیان ہے بعض صفات سلبیہ کا پس رب العالمین ایک ایسی صفت ذکر فرمائی گئی ہے جو تمام صفات کمالیہ کو جامع اور جملہ صفات سلبیہ سے تنزیہ کو حاوی ہے اور اس صفت سے اس کو یاد کرنیوالا گویا کہ تمام صفات الٰہیہ کے احاطے کے ساتھ اسکو یاد کرنے والا ٹھہرا (۲) ربوبیت چاہتی ہے کمال رافت و رحمت کو جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے ان اللہ بالناس لرءوف رحیم. یعنی یقینی اللہ تمام انسانوں کے حق میں رافت و رحمت فرمانے والا ہے اس میں موحد و مشرک، مومن و کافر، صدیق و زندیق سب ہی داخل ہیں یہ ربوبیت قہر و غضب کو بھی مقتضی ہوتی ہے اور تم مجازی تربیت میں بھی اسکے آثار کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو دیکھتے ہو کہ اولاد کی تربیت باپ سے متعلق ہے جو اپنی اولاد کی اصلاح نفس اور فلاح و بہبودی کے لئے جو ندابیر اختیار کرتا ہے ان میں اگر ایک وقت کامل رحمت، نرم دلی و شفقت پائی جاتی ہے تو دوسرے وقت انتہائی سختی و شدت بھی دیکھی جاتی ہے، ادب سکھانے، تعلیم دینے، بری عادتوں سے بچانے کے لئے کیسی کیسی زجر و توبیخ اور کیسی کیسی شدت و سختی نہیں برتتا ہے حالانکہ اس سے زیادہ شفیق و ہمدرد کوئی دوسرا نہیں اور اس کی جیسی شفقت و محبت اور لطف و رحمت کا برتاؤ کون کرسکتا ہے اور اس سے زیادہ اولاد کا درد و دکھ کسے محسوس ہوسکتا ہے لیکن باعتبار حالات تربیت کا تقاضا ہی یہ شدت و سختی ہے اس لئے اگر وہ اس کام نہ لے تو اولاد کی تربیت ہی پوری نہیں ہوسکتی، اسی طرح تربیت حقیقی بھی مکمل نہیں ہوسکتی جب تک قہاریت و رحمانیت دونوں نہ پائی جائیں پس اللہ تعالے کا رب ہونا جسطرح اس کے رحیم ہونے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اس کے قاہر ہونے پر بھی کیونکہ تربیت کبھی برحمت ہوتی ہے اور کبھی بقہر چنانچہ آسمان و زمین کی تخلیق فرماتے ہوئے انسے ان دونوں سے ارشاد فرمایا ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ تم دونوں رضا و رغبت کے ساتھ آجاؤ (جو اثر رحمت ہے) یا ناخوشی کے ساتھ (جو اثر قہر ہے) دونوں نے عرض کیا کہ ہم رضا و رغبت سے حاضر ہوئے جاتے ہیں، اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آثار تربیت میں اگر ایک طرف فضل و کرم اور رافت و رحمت کا ظہور ہے تو دوسری طرف استیلا و قہر کا بھی،

ابوالبشر کی تخلیق اور جنت کی نعمتوں سے سرفرازی اگر رب کریم کی رحمت کا اثر تھی تو خطائے ناگہانی پر جملہ نعمتوں کا سلب فرمالیا جانا اسکے قہر و غضب کا کرشمہ تھا اسوقت سے اب تک ربوبیت کی شانوں میں اگرچہ دونوں طرح کے آثار کا مطالعہ کیا جاتا رہا لیکن انسانوں کی شامت اعمال کے باعث آثار قہر و غضب کا غلبہ پایا جاتا رہا اور ہر گزرنے والی قوم اپنی ہلاکت کے آثار آنیوالی قوم کے لئے نمونہ عبرت چھوڑ کر اللہ کی شان قہاری یاد دلاتی رہی۔ اور ہر تشریف لانے والے پیغمبر گرامی مرتبت نے اللہ کی قہاریت کا دبدبہ قائم کیا اور اس کے غضب و جلال سے

مرعوب بنایا یہاں تک کہ حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ کا مظہر کامل ہونے کے باوجود ربوبیت باری تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے اسکی شان قہاری کا اظہار فرمانے پر مجبور ہوئے اور شان جلالی کیطرف توجہ فرمائی کرنا ہی پڑا چنانچہ ارشاد ہے

وانہٗ اھلک عادن الاولیٰ وثمودا فما ابقیٰ وقوم نوح من قبل انھم کانوا ھم اظلم واطغیٰ (سورۂ نجم)

(رب العالمین) وہ ہے جس نے اگلی قوم عاد کو ہلاک فرمادیا اور ثمود کو بھی پھر ان میں سے کسیکو باقی نہیں چھوڑا اور اس سے پیشتر قوم نوح کو بھی کہ وہ تھے ہی سخت ظالم وسرکش

اور حضرت سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی صفت قہاری ہی کے ذریعہ اس کی وحدانیت کیطرف دعوت دی اور قیدخانہ کے ساتھیوں سے یو جملہ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار کیا جداگانہ پالنے والے مالک بہتر ہیں یا وہ اللہ جو یکتا ہے اور زبردست قہر والا ہے۔

بنا بریں اہل عالم اسکو اسی صفت سے یاد کرتے اور اسی سے جانتے پہچانتے تھے اور باوجودیکہ سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی رحمانیت پر کافی زور دیا لیکن بنی اسرائیل نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی کیونکہ اگرچہ ان پر انعامات خداوندی کی انتہا نہ تھی مگر وہ شان قہاری کا غلبہ پاتے رہے بالخصوص جبکہ کوہ طور اکھاڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا گیا اور قہر وغضب الٰہی کی شدت کا انہیں اذعان ویقین دلاکر احکام توریت کی تعمیل واتباع پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے اللہ کی رحمانیت پر اسکی قہاریت کو غالب پایا اسلئے رحمانیت پر زیادہ دھیان وہ بھی نہ دے سکے بلکہ کسی حد تک اس سے غافل ہوگئے یہی حال دوسری قوموں کا بھی تھا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ صلح حدیبیہ میں جب آں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحنامہ لکھواتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن لکھنے کا امر فرمایا تو اعدائے دین نے قطعاً انکار کردیا اس کے لکھے جانے سے اور کہہ اٹھے لا نعرف الرحمان ہم رحمان کو پہچانتے ہی نہیں اس لئے آج مجسمۂ رحمت پیغمبر معظم المرتبت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے بہلی آواز میں رب العالمین کی رحمانیت کا اعلان فرماکر غافلین کو ہوشیار اور بے خبروں کو خبردار بناکر اہل عالم کو دعوت دی کہ اب اس رحمت کاملہ سے سرفرازی حاصل کریں جو ربوبیت کا خاصہ ہونے کے باوجود اب تک کامل ظہور نہ پاسکی تھی اور نبی آخر الزماں سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختصاص رکھتی تھی۔

(باقی آئندہ)

منقبت حضرت غوث اعظم سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

(از حضرت قاضی محمد مخدوم عالم منہاجی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ)

ذات پاک غوث الاعظم از شراب یار مست
جسم مست و قلب مست و روح مست و اسرار مست

چوں سقانی الحبّ کاسات الوصال از دوست یافت
چشم مست و گوش مست و زلف عنبر بار مست

فخر فرزندی نماید از وجود پاک او
مصطفیٰؐ و حسنینؓ مست و حیدرؓ کرار مست

اللہ اللہ ایں چہ مستی دارد آں ساقی و جام
کعبہ مست و دیر مست و کفر با زنّار مست

از وفور مستی او مست شد بغداد ہم
خانہ مست و صحن مست و کوچہ و بازار مست

از گدایان درش را ایں چہ مستیہا کنند
فقر مست و زہد مست و صوفی سرشار مست

قند پارسی

از حضرت فرد الاولیا مخدوم شاہ محمد ابوالحسن فردؔ، قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ

مطرب غزلے برخواں کامشب طربے دارم ‖ از طلعتِ روئے او فرخندہ شبے دارم

ساقی قدحے کامشب ماہ عجبے دارم ‖ بزم طرب آرائی ترک عربے دارم

زیباست اگر کلکم از نیشکرے باشد ‖ چوں من سخنِ شیریں زاں قند لبے دارم

گو خاکِ درت گردم عشق تو ہماں باشد ‖ در خاک نہ دل ہم حسنِ طلبے دارم

با لیلی و عذرائش نسبت نتواں دادن ‖ من پیش نظر یار عالی نسبے دارم

عشقم اثرے دارد تا بر لب ہر عاقل ‖ چوں قیس بہ سودایت مجنوں لقبے دارم

بازم دو سہ ساغر دہ کز ہوش برد مارا ‖ کز محتسب اے ساقی اندک ادبے دارم

فردؔ عجمی ہستم در خود عجبے دارم ‖ دل در گروِ یار شوخِ عربے دارم

قندِ پارسی

(از حسان الہند مولانا تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی - پاکستان)

از چشمِ تنگ آں قدِ موزوں نمی رود ۔۔۔ در خانہ مردے است کہ بیروں نمی رود
یادِ رخِ تو از دلِ محزوں نمی رود ۔۔۔ واز سر خیالِ زلف ہمیدوں نمی رود
دل نیست در لفافہ اگر نامہ را چہ سود ۔۔۔ گر نامہ شد روانہ و مضموں نمی رود
یک جرعۂ ز شربتِ دیدار بایدم ۔۔۔ دردِ دل از خمیرہ و معجوں نمی رود
ہر جا کہ ذکرِ گریۂ شبہائے ہجر ماست ۔۔۔ آنجا سخن ز قلزم و جیحوں نمی رود
بدرنگ گشت لالہ و گل بعد یک دو روز ۔۔۔ گلگونۂ است، کز رخِ گلگوں نمی رود
اے فلسفی بگو ز خمستانِ میکشاں ۔۔۔ اکنوں حدیثِ خُمِّ فلاطوں نمی رود
خونِ وفا ز رنگِ حنا ہست پائیدار ۔۔۔ ایں از کفت بصد کفِ صابوں نمی رود
یا بد چہ جائیکہ بدلت حُبِّ اہلِ بیت ۔۔۔ چوں بغضِ اندرونِ تو بیروں نمی رود

گفتند "بردرِ تو تمنّا نشستہ است"
گفتا "چساں بدرکنمش، چوں نمی رود"

ادبیات

غزل

(از حسان الہند مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواروی — پاکستانی)

دیر شب کے گریے سے کوئی بھی نہیں واقف
وہ بھی سوکھ کر بھولی، تھی جو آستیں واقف

سر سے آستاں واقف، سجدے سے جبیں واقف
کیف بندگی سے ہیں خود ہمیں نہیں واقف

کون ہے جو دنیا میں، آپ سے نہیں واقف
خوش قدانِ ردم آگاہ، لعبتانِ چیں واقف

غم نہیں، نہیں ہو گر کوئی بھی کہیں واقف
غم یہ ہے، مرے غم سے آپ بھی نہیں واقف

مُبتسم اداؤں سے خندہ جبیں واقف
سرمگیں نگاہوں سے چشم سرمگیں واقف

چپکے چپکے اٹھتا ہے درد عشق جب دل میں
دل کے بیٹھنے سے ہے کون ہمنشیں واقف

ان کا سنگ در، اللہ! اس کی قدر سے ہمدم
یا ہیں میرے لب آگاہ - یا مری جبیں واقف

موت کہتے ہیں کس کو، نزعِ روح کیا شے ہے
ہو ہی جاؤں گا اس سے وقتِ واپسیں واقف

کچھ دنوں اٹھائے تو زحمت جگر کاوی
نام سے تمہارے ہو جب کہیں نگیں واقف

پُر غضب نگاہوں میں، رحم کی جھلک بھی ہے
رسم درگذر سے ہے چشم خشمگیں واقف

راز عشق کا ہر سو ہے یہ غلغلہ کیسا
جانتے ہمیں تھے اک، یا تھے بس تمہیں واقف

بیخودی میں خودداری کس طرح نبھتی ہے
رہ گئے ہیں اب تو بس اس سے اک ہمیں واقف

حُسن ہو، لطافت ہو، ناز ہو، نزاکت ہو
شان دلبری سے کب ہوں گی حور عیں واقف

ہضم کرلے کچھ دانے، کس کا ظرف ہے اتنا
ہو نہ میرے خرمن سے کوئی خوشہ چیں واقف

شکوہ سنج محزونی ہو نہ بخت سے ہرگز
ذوق حزن سے ہو جائے گر دل حزیں واقف

کہتے ہیں بدل تو دی ہیں نے رہ گذر اپنی ہو نہ جائے دوانہ اس سے بھی کہیں واقف
جانے حال عقبیٰ کیا کوئی خاک دنیا میں کیا رحم میں دنیا سے تھا کوئی جنیں واقف
عرض حال دل تو تھی واپسیں نظر ہی میں کیسے ہو گئی ان کی پُرشکن جبیں واقف
مجھ سے پوچھئے اگر کتنے عیب ہیں مجھ میں مجھ سے بڑھ کے کب ہوگا کوئی نکتہ چیں واقف
انتہائے دانائی ، اعترافِ نادانی لاکھ واقفیت ہو آپ کچھ نہیں واقف
پہلے خود تو واقف ہو اپنے راز قسمت سے رسم خطِّ قسمت سے ہو جو دست بیں واقف
دلربا بھی دلجو بھی دلستاں بھی دلبر بھی میرے دل کی حالت سے آپ اور نہیں واقف
چارہ گر عزیزوں سے چپکے چپکے کیا بولے خود ہماری ہی حالت اور ہمیں نہیں واقف
کس قدر جنوں کی ہے دستگاہ وحشت میں اس سے ہیں تو کچھ میرے جیب و آستیں واقف
ان کے آستانے کی رفعت و بلندی سے ہو اگر تو ہو شاید چرخ ہفتمیں واقف
تم نے جیسے ہی چکھا ، کیسے پڑ گئے پھیکے ہو کے لعل شیریں سے قند و انگبیں واقف
گر اندھیں دواس کو بڑھ کے خود مرے منہ میں اپنی قدر سے ہو جائے دُردِ تہ نشیں واقف
دم نہیں لبوں میں اب حلق بھی پڑا ہے خشک گھٹ کے رہ گئی ہو کر آہ واپسیں واقف
حسن و عشق میں کیا کیا ، داؤ گھات چلتی ہے تم بھی کم نہیں آگاہ ـ ہم بھی کم نہیں واقف
لیجئے سبق موتو اقبل ان تموتوا سے موت سے تو سب ہوں گے وقتِ واپسیں واقف
کوئی بھی غذا اب تو لگتی ہی نہیں منہ کو ذوقِ طبع سے اک ہے سُستیٔ جویں واقف
کیسی ہوتی ہے دنیا لطفِ زندگی کیا ہے کیا رحم میں رہ کر تھا اس سے کچھ جنیں واقف
آستیں گریباں تک کس طرح پہنچتی ہے اس سے خوب ہوتا ہے مارِ آستیں واقف
کیا مٹھاس ہے ان کی میٹھی میٹھی باتوں میں زہر ہی تو کھا جائے ہو جو انگبیں واقف
دین کی حقیقت وہ کیا بتائیں اوروں کو جب نہیں رہے اس سے خود ہی اہلِ دیں واقف
جب وہ ہیں مرے دلدار ، دلربا بھی دلبر بھی میرے دل کی حالت سے ہونگے بالیقیں واقف
علم دیں ہے اب پنہاں ـ بس یہی غنیمت ہے ملتے ہیں ابھی اس سے کچھ کہیں کہیں واقف
خضر بھی یہیں سے آئے پوچھنے پتا ان کا شاید اس سے لے دے کر رہ گئے ہمیں واقف
غنچۂ دہن ان کا کیسے کیسے مسکراتا ہے منہ بس اتنا سا ہو جائے ، ہو جو یاسمیں واقف
بھائی ہی کام آئی ہے اپنی زندہ در گوری ہم وہاں کی حالت سے ہو گئے یہیں واقف

دعویٰ تقابل اور اہل جاہ و منصب سے
اپنی کمتری سے ہے یہ کمتریں واقف

دل پہ جو گزرتی ہے، دل پہ کیوں گزرتی ہے
دلربا کو کیا معلوم؛ دل بھی تو نہیں واقف

ان کو کیا بتاؤں میں، کس پہ کس پہ مرتا ہوں
اپنی بعض اداؤں سے خود بھی وہ نہیں واقف

کہہ رہے ہیں وہ سُن کر تذکرہ تمنّا کا
کون ہیں، کہاں کے ہیں، ان سے میں نہیں واقف

نعت

(از جناب قاری محمد داؤد طالب پھلواروی)

نبی کی بزم کے دلکش نظارے یاد آتے ہیں
حجازی چاند کے روشن ستارے یاد آتے ہیں

نظر میں گلشن فردوس کی نُزہت مچلتی ہے
جب آقا دستِ قدرت کے سنوارے یاد آتے ہیں

گنہگاروں کی بگڑی جب نہیں بنتی ہے محشر میں
توسّل وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ کے سہارے یاد آتے ہیں

کوئی جب واقعہ شق القمر کا ذکر کرتا ہے
شہِ عالم کی اُنگلی کے اشارے یاد آتے ہیں

وہ ہلچل لشکرِ اسلام میں پانی نہ رہنے پر
وہ انگشتِ شہِ کوثر کے دھارے یاد آتے ہیں

ابوجہل لعیں کے ہاتھ میں فخرِ رسالت کی
گواہی دینے والے سنگ پارے یاد آتے ہیں

شبِ معراج بھی جشنِ مسرت میں شہِ دیں کو
گنہگارانِ امت غم کے مارے یاد آتے ہیں

خوشا اسوہ، حیاتِ پاک کے حسنِ طہارت پر
کلامِ کبریا کے تیس پارے یاد آتے ہیں

سناتا ہے کوئی جب سربلندی عرش کی طالب
تو مجھ کو سبز گنبد کے منارے یاد آتے ہیں

غزل

(رخشاں ابدالی، از کراچی)

فکرِ فردا نہ رہے، دل میں غمِ دوش نہ ہو
ایسا مدہوش بھی یارب! کوئی ذی ہوش نہ ہو

جلوۂ طور کی کرتے ہیں تمنّا تو کلیم
یہی جلوہ کہیں خود راہزنِ ہوش نہ ہو

ضبط و تمکین تو ہے خوب، مگر کون ہے جو
چشمِ پُرکیف تری دیکھ کے، مئے نوش نہ ہو

اک تمنا ہی ہے موقوفِ حیاتِ دل ہے
دل وہ کیا جس میں بھری یہ مئے سرجوش نہ ہو

ضبط یاری نہیں دیتا ہے، اب اے بانیِ جور
کہیں مجبورِ تکلّم لبِ خاموش نہ ہو

لختہائے دلِ خوں کردہ کی کیا کہیے بہار
ساحتِ سینہ مگر وادیِ گُل پوش نہ ہو

صدمے سے خالی ہے رخشاں! تو ہے کیا قدر اس کی
دل وہ کیا، درد و الم سے جو ہم آغوش نہ ہو

کوائف وحالات

نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم
رازونیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے

کچھ اپنی ـــــ کچھ دوسروں کی ـــــ

گرانی کا دار دورہ : ـــــ

آج پورا ملک انتہائی سنگین صورت حال سے دوچار ہے۔ یکایک پورے ملک پر شدید گرانی کا دار دورہ شروع ہوگیا ہے۔ دیکھتے دیکھتے کھانے پینے کی اشیاء بازاروں سے ناپید ہوگئی ہیں۔ اور جو موجود ہیں ان کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ حکومت کا پورا عملہ اس پر قابو پانے کے لئے میدان میں نکل گیا ہے۔ لیکن اب تک اصلاح حال کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔

جب گرانی بڑھتی ہے تو نئے نئے مسئلے بھی کھڑے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ آج فاقے سے مجبور ہوکر بعض جگہوں پر عوام قانون شکنی پر اتر آئے ہیں کتنے ہی مقامات پر بھوکے ننگے انسانوں کا گروہ بازاروں پر ٹوٹ پڑا ہے اور لوٹ مار مچا رہی ہے ـــــ سرکاری اور عوامی دوکانیں لوٹ لی گئی ہیں۔ اکثر جگہوں پر پولیس کو ہجوم پر قابو پانے کے لئے لاٹھی چارج، اشک آور گیس اور گولیوں کا استعمال کرنا پڑا ہے۔ احمدآباد میں تو کتنے انسانوں کی جانیں پولیس کی گولیوں کی نذر ہوگئیں۔ ساتھ ہی ملک کی تمام مخالف جماعتیں بھی کمر کس کر میدان میں آگئی ہیں۔ ہر جگہ جلسے، جلوس، ہڑتال، مظاہرے اور بھوک ہڑتال کرائے جارہے ہیں۔ کئی ریاستوں کی اسمبلی میں عدم اعتماد کی تجویزیں پیش ہوئی ہیں اور تقریروں کے دوران کافی طوفان بدتمیزی برپا کی گئی ہے۔

یہ تمام صورت حال اپنی جگہ ہے اور ملک کے بڑے بڑے تاجر، اور سرمایہ دار اپنی جگہ پر ہیں جو ملک کی دولت اور اناج کے ذخیروں کو دبائے بیٹھے ہیں۔ ماہروں کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گرانی جو یکایک ملک پر مسلط ہوگئی ہے وہ پیداوار کی کمی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مصنوعی ہے جو اناج اور غلہ کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ کر پیدا ہوئی ہے۔ حکومت ایسے لوگوں کے خلاف اقدام کرنے کی دھمکی بھی دے رہی ہے لیکن چونکہ اب تک کسی کے خلاف بھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا اس لئے ایسے تمام بے ایمان لوگ آرام سے [illegible] کی ایک [illegible] سے [illegible] بیٹھے ہیں۔ اس کی [illegible] ذخیرہ اندوزی کے خلاف [illegible] انسان [illegible]
[illegible] گردہ ہے
[illegible]
[illegible]

ہو چیپایا گیا تو ملک شدید بحرانی دور سے دوچار ہو جائے گا۔

جنگ کی سی صورت حال :-

گذشتہ دنوں یکایک شمالی ویٹ نام اور امریکی بحری جہازوں میں زبردست تصادم ہو گیا۔ امریکہ کے قول کے مطابق شمالی ویٹ نام کی تار پیڈو کشتیوں نے اس کے جہاز پر حملہ کر دیا اور اپنے دفاع کے لئے امریکہ نے ویٹ نام کشتیوں پر فائرنگ کی۔ ادھر شمالی ویٹ نام کا کہنا ہے کہ غلطی سراسر امریکہ کی ہے۔ وجہ جو بھی ہو اس تصادم سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کا رویہ شمالی ویٹ نام کے خلاف بہت ہی سخت ہے۔ اور وہ معمولی باتوں پر بھی عظیم فوجی کارروائی کر سکتا ہے۔ ادھر شمالی ویٹ نام کی پشت پناہی چین جیسی جنگجو طاقت اور روس کر رہا ہے۔ اس لئے صورت حال اور بھی بھیانک ہو گئی ہے۔ کسی وقت بھی اس علاقے میں جنگ چھڑ سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی کوئی جنگ محدود نہیں رہ سکتی بلکہ اس کا عالمی جنگ میں بدل جانا یقینی ہے۔

دنیا کے تمام ممالک کو اس وقت امریکہ اور دوسری طاقتوں کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ جنگ کے امکانات ختم کریں اور نسل انسانی کو روئے زمین سے نیست و نابود کرنے کی کوشش نہ کریں۔ جہاں پوری دنیا امن امن چلا رہی ہے۔ چند طاقتوں کو امن کو درہم برہم کرنے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔

دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف میں ـــ فارغین علوم عربیہ درسیہ اور حفاظ کا فاتحہ فراغ :ـــ

آستانہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ربیع الاول میں عرس کی سب سے بڑی تقریب حسن انتظام اور اپنی افادیت کے ساتھ انجام پائی۔ عرس ختم ہوتے ہی ۱۳ ربیع الاول جمعہ کو دار العلوم مجیبیہ میں جلسۂ تقسیم اسناد و فاتحۂ فراغ کا انعقاد ہوا۔ جس میں ملک کے ممتاز علمائے کرام اور خواص و عوام کا شاندار اجتماع ہوا۔

پہلی نشست دن کے دس بجے شروع ہوئی۔ جلسہ کا آغاز حافظ قاری نصیر الدین صاحب، مدرس درجۂ حفظ و قرأت دار العلوم کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اسکے بعد مولانا حافظ منصور الحسن اختر صدیقی اور حافظ صدر الحق متعلم دار العلوم نے نظم اور نعت سنائی۔ پھر محترم فاضل مولانا خورشید جمالی مدرس مدرسہ وارث العلوم چھپرہ نے نہایت سلجھی ہوئی فاضلانہ تقریر کی۔ اسکے بعد جناب مولانا شاہ عبید اللہ عباس صاحب ندوی پھلواری مقیم مکہ مکرمہ نے (جو اپنے وطن تشریف لائے ہوئے تھے۔ اپنے شگفتہ انداز بیان میں علم دین اور علوم حدیث پر نہایت پر مغز تقریر فرمائی۔ اور اہل مدرسہ اور طلبۂ دار العلوم کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کیا۔ مولانا موصوف کی تقریر کے بعد وہ تمام حافظ طلبہ جنہوں نے اس سال حفظ سے فراغت پائی ہے یکے بعد دیگرے ہر ایک نے تلاوت کلام پاک اور قرأت سنائی۔ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد جمعہ کے خیال سے اس وقت کا اجلاس ختم ہو گیا

پھر بعد نماز جمعہ دوسرا اجلاس شروع ہو گیا۔ حافظ صدر الحق متعلم دار العلوم کی تلاوت کے بعد نظم و نعت پڑھی گئی۔ اس کے

بعدہ ان چار فارغ ہونے والے طلبہ نے (جنہوں نے اس سال دورۂ حدیث تمام کیا ہے) بخاری و مسلم کی ایک ایک حدیث پڑھکر ترجمہ و تشریح بیان کی۔ پھر جناب حضور حضرت مولانا شاہ امان اللہ صاحب قادری مدظلہٗ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ نے پہلے اپنے ہاتھوں سے ان چاروں فارغین علوم عربیہ درسیہ کو دستاریں باندھیں پھر ۱۱ حفاظ کے سروں پر دستاریں باندھیں۔ اسکے بعد حضرت مولانا شاہ محمد موسیٰ صاحب پھلواروی مدظلہٗ نے تہنیت میں ایک عربی نظم پڑھی۔

آخر میں جناب مولانا محمد تقی اللہ صاحب شیخ الحدیث نے مختصر سی تقریر فرمائی جس میں فارغین طلبہ کو نصائح کئے اور بتایا کہ آپ لوگ یہاں سے کیا لے کر جا رہے ہیں اور جن علوم کے آپ حامل ہوئے ہیں ان کی آپ پر کیا ذمہ داریاں ہیں؟۔ موثر انداز میں موصوف نے طلبہ سے خطاب کیا۔ اس کے بعد جناب حضور سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ مدظلہٗ العالی نے ان طلبہ کے حق میں دعاء خیر فرمائی۔ پھر جناب مولانا حکیم سید محمد یوسف صاحب پھلواروی نے مولانا موصوف کے نصائح و ہدایات کی طرف طلبہ کو متوجہ کیا اور آخر میں تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور عصر سے پہلے نہایت کامیابی کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔

شرکاء جلسہ میں حضرت مولانا مقبول احمد صاحب ناظم دار العلوم مشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ (جن کی ہدایت و نگرانی میں کل کارروائی انجام پائی) اور حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحب قادری پھلواروی مدظلہٗ العالی۔ حضرت مولانا شاہ محمد موسیٰ صاحب پھلواروی، جناب مولانا شاہ عثمان غنی صاحب (مولانا شاہ عز الدین صاحب قادری پھلواروی اپنی علالت طبع کی وجہ سے شریک جلسہ نہ ہو سکے) مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری معتمد دار العلوم۔ مولانا حکیم شاہ عماد الدین صاحب پھلواروی۔ مولانا حفیظ الرحمن صاحب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ مولانا عبد الحفیظ صاحب قادری دربھنگوی۔ مولانا محمد داؤد صاحب مظفر پوری۔ مولانا حافظ زاہد حسین صاحب نیپالی۔ مولانا شاہ فضل احمد صاحب دربھنگوی۔ مولانا احمد رضا صاحب مظفر پوری۔ مولانا حافظ ظہیر احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ مولوی مقبول احمد صاحب فاروقی دربھنگوی وغیرہ وغیرہ ——

ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۴ھ — چاند کی خبر —

۳۰ ربیع الاول اتوار کو چاند دیکھا گیا۔ اسلئے یکم ربیع الثانی دوشنبہ مطابق ۱۰ اگست ہوئی۔ اور ۱۰، ۱۱ ربیع الثانی چہارشنبہ، پنجشنبہ مطابق ۱۹، ۲۰ اگست ہوگی —— اور ۱۳، ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ، مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اگست ہوگی۔

گیارہویں کی تقریب — اور آستانۂ بنارس کا عرس

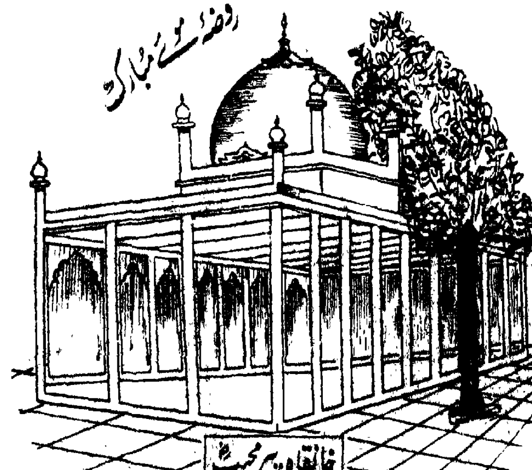
حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا سالانہ فاتحہ و عرس اور بیان سیرت وغیرہ کی تقریبات ۱۰، ۱۱ ربیع الثانی چہارشنبہ، پنجشنبہ کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوگی —— اور حضرت مولانا رسولنما بنارسی قدس اللہ سرہٗ کا سالانہ فاتحہ و عرس آستانہ بنارس میں ۱۳، ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ کو ہوگا۔

(ادارہ)

هو الله المجيب ولي النعمة

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ المجیب



مدیر مسئول سید احمد حسین ایم اے سہسرامی

سالانہ پانچ روپے ۵ر

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ ۷

فی پرچہ آٹھ آنے ۸ر

نظام نامہ و قواعد

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت۔ اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی اسمیں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کیلئے

قواعد

(الف) ممبر قسم اوّل ۔ جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دارالاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

(ب) ممبر قسم دوم ۔ جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے۔ ان حضرات کو اعیانِ وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی

(ج) ممبر قسم سوم ۔ جو صاحب پچیس روپیہ عطا فرمائیں گے۔ ان کی خدمت میں اعیانِ وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہونگی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

ہر اسلامی ماہ کی ۱۰ تاریخ کو ایک مذہبی و علمی ماہنامہ "المجیب" کی اشاعت جسکی سالانہ قیمت ۵ ۔ اور عام قیمت ۸ ۔ پاکستان و غیر ممالک سے سالانہ قیمت

مقام اشاعت

دفتر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ٹیلیفون نمبر ۲۳۲۶۹

هُوَ الفرد المجیب ولی النعمة

رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۴۷

قیمت سالانہ
۵ روپئے
فی پرچہ ۸ آنہ

ماہنامہ
المُجیب
پھلواری شریف
(پٹنہ)

پاکستان
و
غیر ممالک سے
۷ روپے

جلد ۵ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۴ء | نمبر شمارہ ۱۰

■ مدیر مسئول:-
سیّد احمد حسین سہسرامی

■ ادارۂ تحریر:-
سیّد یوسف رضوی
ظفر حسنین

■ پرنٹر و پبلشر:-
سیّد لطف احمد قادری

■ مطبع:-
یونین لیتھو پریس دینا روڈ پٹنہ ۴

■ مقامِ اشاعت:-
دار الاشاعت
خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
پٹنہ

لمعات

ابھی گذشتہ ۲ ر ۳ اور ۴ ر اکتوبر کو جے پور میں کُل ہند اردو کانفرنس انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام منعقد ہوئی ہے۔ اس کانفرنس میں اس کے صدر ملک کے مشہور قانون داں اور ادیب جسٹس آنند نرائن ملّا نے جو خطبۂ صدارت دیا ہے۔ اس میں ایک خط کا اقتباس بھی پڑھ کر سنایا ہے، جو اکثریتی طبقہ کے ایک پڑھے لکھے شخص نے انہیں لکھا ہے۔ یہ خط مسلمانانِ ہند کے لئے بڑا سبق آموز ہے۔ خط کا متن یہ ہے:-

"آپ مجھے معاف فرمائیں گے کہ میں ایک اجنبی ہوتے ہوئے بھی آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ اُردو کنونشن کی صدارت فرما رہے ہیں۔ ملک کی اس سے زیادہ اور بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی ایسی قابلیت اور کردار کا ایک فرد ان رجعت پسند طاقتوں کا ساتھ دے، جو ہندوستان کو ٹکڑے کر دینا چاہتی ہیں۔ اسلامی حکومت کے دور میں اُردو سیکھنے پر مجبور کئے گئے تھے۔ انگریزوں نے انگریزی رائج کی۔ لیکن مسلمانوں کو خوش رکھنے کے لئے اردو کو بھی جاری رکھا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ ہماری اپنی زبان اور تہذیب کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ کچھ ہندو آج بھی ہیں جو چونکہ خود ان زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس لئے اپنے بچوں کو انگریزی یا اُردو پڑھا کر ان زبانوں کو ان کی مادری زبان کی جگہ دینا چاہتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ اس طرز عمل سے وہ اپنی فطری زبان کی کتنی بڑی حق تلفی کر رہے ہیں۔ اگر ہم آزادی کے بعد بھی سنسکرت اور ہندی کو جو ہماری اصل زبانیں ہیں ترقی نہیں دے سکتے اور اُردو کو بھی پنپنے کا موقع دیتے ہیں، تو ہماری قوم زندہ نہ رہ سکیگی۔ کسی شخص نے خوب کہا ہے کہ کسی قوم کو مٹانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی زبان اور تہذیب مٹا دی جائے۔ مسلمان ابھی زندہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چاہے وہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو اپنی اولاد کو بچپنے ہی سے عربی اور اُردو کی تعلیم دیتا ہے۔ برخلاف اس کے ہندو قوم اسی وجہ سے مٹ رہی ہے کہ وہ اپنے ماضی سے بالکل ہٹ گئی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی اولاد کو اُردو پڑھا کر بڑی سخت غلطی کی تھی اور اب اس غلطی کو مٹانے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اُردو سے

نفرت نہیں کرتا، میں نے فارسی بی، اے تک پڑھی ہے۔ میں تو صرف اپنی قومی زبان کی ترقی کا حامی ہوں۔ اور میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہندی اور سنسکرت جو ہماری قومی زبانیں ہیں، وہ پھلیں اور پھولیں۔ پنڈت نہرو بدقسمتی سے ہندی اور سنسکرت دونوں کے خلاف ہیں اور ہر مغربی چیز کے دلدادہ ہیں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ خود شوق سے اُردو پڑھیں اور اردو میں لکھیں۔ لیکن اپنی طاقتور زبان سے اس کی حمایت نہ کریں کہ یہ آنے والی نسلوں کو پڑھائی جائے۔"

اب ذرا اس خط کو سامنے رکھ کر برادران وطن کے سوچنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے۔ اور پھر اسی خط کی روشنی میں ملک کے واقعات پر نظر ڈالئے مکتوب الیہ جو جاہل نہیں، بلکہ اچھا خاصا تعلیم یافتہ ہے، جو کچھ سوچ رہا ہے، آپ یقین جانیں یہ اس کا واحد ذہن نہیں ہے۔ بلکہ اس ملک میں رہنے والی اکثریت کا ایک بڑا طبقہ اسی انداز پر سوچ رہا ہے اور عمل کر رہا ہے مسلمانوں کی تہذیب وتمدن، جان ومال اور ان کی زبان کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کے منصوبے بن چکے ہیں۔ مردم کشی اور مال ودولت کی بربادی تو ایسی چیزیں ہیں، جن پر ہماری نظر بھی پڑ رہی ہے۔ لیکن تہذیب وتمدن اور زبان کو جڑ ہی سے نیست ونابود کرنے کے لئے جو حربے استعمال کئے جا رہے ہیں، ان پر ہر فرد کی نظر پڑنا بھی مشکل ہے اور اسی طرح کچھ عرصہ میں یہ قدیم تہذیب اور یہ شیریں زبان جس نے ایک زمانے تک ملک کو وحدت کی رسّی میں جکڑے رکھا ہے۔ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائے گی۔

مکتوب الیہ کا یہ جملہ کہ "مسلمان ابھی تک زندہ صرف اس وجہ سے ہیں، کہ ان میں سے ہر ایک چاہے، وہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو اپنی اولاد کو بچپنے ہی سے اردو اور عربی کی تعلیم دیتا ہے۔" کیا ہم لوگوں کے لئے ایک بھرپور طمانچہ نہیں ہے؟ وہی حربہ اور ہتھیار جس سے ہمارے مخالف خوف کھا رہے ہیں، کیا ہمارے پاس رہ کر بھی کند نہیں ہو چکے ہیں؟ آج اس ملک میں کتنے ہیں جو اپنے بچّوں کو، عربی تو دور کی بات ہے اردو ہی کی تعلیم دلوانا پسند کرتے ہیں؟ کیا اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے انگریزی اور ہندی اسکولوں میں بھیج کر ہم اپنے ہاتھوں اپنی تہذیب وتمدّن اور اپنی زبان کی قبر نہیں کھود رہے ہیں؟ حکومت اور اکثریتی طبقہ نے ہماری بربادی کا ایک راستہ متعین کر دیا ہے اور ہم اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ اسی راستے پر چلے جا رہے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ راہ اپنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہمیں تباہی کے اس دہانے پر لے جا رہی ہے۔ جہاں نام ونشان مٹ جانے کے سوا کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہ جاتی۔ دنیاوی جاہ وحشمت کی چمک دمک دیکھ کر ہم اپنے بچّوں کو اپنے ہاتھوں تباہی کے گڈھے میں گرا رہے ہیں۔ ہندی یہاں کی قومی زبان قرار پا چکی ہے۔ اسے پڑھنا نہ صرف وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ بلکہ مستقبل کو سنوارنے کے لئے ضروری بھی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنی تہذیب وتمدّن، اپنی زبان اور دین چھوڑ کر اگر کوئی بڑا سے بڑا رتبہ، کوئی اہم سے اہم حیثیت بھی حاصل کر لیتا ہے، تو وہ دین ودنیا میں سرخروئی حاصل نہیں کر سکتا۔ حکومت کے رویہ سے اسکولوں اور کالجوں سے تو اردو زبان ختم ہی ہوتی جا رہی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اس کے لئے سارے سامان مہیّا کر لئے گئے ہیں سب سے زیادہ قابل افسوس چیز ہماری اپنی غفلت اور حالات کے آگے سر ڈال دینا ہے

بجائے حکومت کے دامن میں پناہ لینے کے اگر اُردو کے تمام شیدائی اپنے ہی دامن کو اس کے لئے وسیع کرلیں تو حکومت کی لاکھ کوشش اس کی تمام جد و جہد اور اکثریتی طبقہ کے بد دماغ افراد کی لاکھ دشمنی بھی اس زبان کو نہیں مٹا سکتی، جو کشمیر راس کماری تک اپنی مٹھاس کی بہار دکھلا رہی ہے۔ آج پہلے سے کہیں زیادہ اُردو ' عمل چاہتی ہے۔

زبان سے تہذیب و تمدن اور قوموں کے عروج و زوال کا کیا تعلق ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں مکتوب الیہ نے بہت ہی گہری بات کہی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس چھوٹی سی حقیقت کو بھی ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ خط خاص کر ایک نعمت ہے جس سے وہ اپنے ذہن و دماغ کو کھلا رکھ کر بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ مکتوب الیہ نے جو بات کہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کئی صدی پہلے کے مسلمانوں کا مطالعہ کر کے کہی ہے۔ اگر آج مسلمانوں سے ذرا قریب ہو کر ان کا مطالعہ کرے تو آسانی سے وہ دیکھ سکتا ہے کہ وہ حربہ، جس سے وہ اتنا خوف زدہ ہے، کس قدر کُند ہو چکا ہے اور مسلمان اپنے ہاتھوں اس ہتھیار کو ختم کر رہے ہیں۔ عربی کا گلا تو اپنے ہاتھوں ہم گھونٹ چکے اور یہ زبان، جو ہمیشہ سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہی ہے آج ہندوستان میں مولوی مُلّا کی زبان ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ اُردو کو بھی ہم ختم ہی کر کے دم لیں گے۔ اس کے مخالفوں نے اس کے لئے دو خاص ہتھیار سوچے ہیں۔ پہلا ہتھیار یہ ہے کہ اس کا رسم الخط ہی بدل دیا جائے اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی اردو کو چاہے اس میں نوّے فی صدی عربی اور فارسی کے الفاظ ہی کیوں نہ ہوں "ہندی" کا نام دیدیا جائے۔ یہ حربے اگر کامیاب ہو گئے، تو آپ یقین جانئے کہ اس آسانی سے یہ زبان ختم ہو جائے گی کہ اس کی کسک بھی آپ محسوس نہ کر سکیں گے اور پھر آنے والی نسل صرف اسی زبان اور تہذیب سے آشنا ہوگی، جس کو اجاگر کرنے کی ہر چہار طرف سے کوششیں ہو رہی ہیں اور جس کی بنیاد حصولِ آزادی کے وقت ہی سے پڑ چکی ہے۔

ہمیں یہ بات بخوبی سمجھ لینی ہے کہ عربی کو مٹا کر ہم نے اپنے ماضی کو کھو دیا ہے۔ اپنے تیرہ سو سالہ ورثہ کو ختم کر دیا ہے۔ اور اُردو سے غفلت برت کر ہم مستقبل کو بھی ختم کر دیں گے۔



زیارت قبور

(از جناب مولنا محمد شفیع اللہ صاحب سہسرامی مجیبی)

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات پر دور دراز سے سفر کر کے جانا از روئے شریعت اسلامیہ جائز اور مستحسن و مستحب ہے، اور حدیث شد رحال کی نہی کا سفر زیارت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو لوگ اس حدیث کو سفر زیارت کے ناجائز ہونے کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں وہ لوگ حدیث مذکور کے مفہوم و مقصد کو سمجھنے سے قاصر ہیں، بلکہ مناع للخیر کے مصداق ہیں۔ کیونکہ زیارت قبور کا مشروع و مستحب ہونا بیسیوں احادیث صحیحہ اور آثار نبویہ سے ثابت ہے، ذیل میں چند ایسی حدیثیں صحیح حوالہ کے ساتھ درج کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے جن سے زیارت قبور کا مستحب ہونا واضح ہوتا ہے۔

(۱) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیتکم عن زیارۃ القبور **فزوروھا** ۔ الحدیث رواہ مسلم،

اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً زیارت قبور کا امر فرمایا ہے کہ زیارت قبور کرو۔ اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام ہے خواہ مزارات و مقابر کسی انبیاء کے ہوں، اولیاء کے ہوں یا عامۃ مومنین کے ہوں، رشتہ داروں کے ہوں یا غیروں کے ہوں سب ہی کی زیارت کرنے کا حکم ہے۔

نیز یہ حدیث عام ہے اس کے قریب سے زیارت کو جائیں یا دور سے جائیں۔ شد رحال کے ساتھ سفر کر کے جائیں یا بغیر شد رحال کے اتفاقیہ جائیں۔ ان تمام صورتوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر مبارک اور آپ کا فرمان عالیشان فزوروھا۔ سب کو شامل ہے، اور سب کے لئے قبروں کی زیارت کرنا اس امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت داخل اور مامور بہ ہے۔ اور کوئی دوسری حدیث ایسی نہیں ہے جس سے زیارت کی کوئی صورت مستثنیٰ یا الگ قرار دی جائے۔

پس جبکہ عام قبروں کی زیارت مامور بہ ہوئی جس کا ادنیٰ درجہ استحباب کا ہے تو خواص اہل اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا بدرجہ اولیٰ مستحب اور باعث اجر و ثواب ہوگا۔ کیونکہ اس سے موت کی یاد تازہ ہونے کے ساتھ عبرت و نصیحت، رقت قلب اور باری تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رغبت و میلان پیدا ہوتا ہے، لہذا اولیاء اللہ، بزرگان دین، علماء و صلحا کے مزارات کی زیارت کے لئے جانا مطلقاً جائز و مستحب اور باعث خیر و برکت ہے۔ اور قبولیت دعا کا ایک عمدہ و مستحسن وسیلہ ہے۔ اسی مضمون کو ابن ماجہ کی حدیث میں اس طرح واضح فرمایا ہے

(۲) عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تزھد

فی الدنیا وتذکر الآخرۃ ۔ رواہ ابن ماجہ ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبروں کی زیارت کرو کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور دنیا کی طرف سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے ،

(۳) مشکواۃ شریف میں ہے عن ابی ھریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن زوارات القبور رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ ــــ حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور و مزارات کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے ۔

قال القاری اقول فظاہر ہذا الحدیث فزوروہا ، العموم لان الخطاب عام للرجال والنساء مرقاۃ شرح مشکواۃ میں علامہ قاری نے فرمایا ہے کہ حدیث مذکورہ بالا فزوروہا ، عام ہے ، مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم زیارت شامل ہے ، اسی لئے تمام علماء کاملین نے لکھا ہے کہ زیارت قبور کی اجازت مرد وزن سب کے لئے عام ہے ، البتہ عورتوں کے لئے بوجہ خوف فتنہ مکروہ لکھا ہے لیکن اگر فتنہ کا خوف نہ ہو ، اور شوہر باپ ، بیٹا وغیرہ محرم ساتھ ہو تو زیارت قبور کے لئے عورتوں کے جانے میں بھی کراہت نہیں ہے ، بلکہ جس طرح زیارت قبور کے لئے مردوں کو جانا جائز مستحب اور ماموربہ ہے اسی طرح اپنے محرم کے ساتھ عورتوں کو بھی مزارات کی زیارت کے لئے جانا جائز و مندوب ہے ،

امام نووی اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ حدیث لعن زوارات القبور الخ منسوخ ہے اور اسکی ناسخ حدیث وہی حدیث مذکورہ بالا ہے جسمیں ارشاد ہے فزوروھا ۔

امام ترمذی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ زیارت قبور کی اجازت ورخصت سے پہلے عورتوں کے لئے زیارت قبور کو جانا ممنوع تھا فلما رخص دخل فی رخصۃ الرجال والنساء ، یعنی جب زیارت قبور کی عام اجازت دیدی گئی تو اس حکم رخصت میں مرد وزن سب ہی داخل ہوگئے ۔ اور یہی بات علامہ طیبی نے بھی لکھی ہے فلما رخص عمت الرخصۃ لھن فیہ ۔ یعنی زیارت قبور کی رخصت و اجازت عام ہے اور مردوں کے ساتھ عورتیں بھی اس اجازت ورخصت میں شامل ہیں ۔

جبکہ مستورات کے لئے بھی بشمولیت محرم ، مزارات کی زیارت کے لئے جانا جائز و مندوب ہے تو پھر زیارت کے دینی فوائد سے انہیں محروم رکھنے کا کسیکو اختیار نہیں ہے ۔ اور کسیکو ازروئے شریعت اسلامیہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ انہیں شرعی حکم و استحقاق سے روکنے کی جدوجہد کرے ، البتہ اگر کچھ بے اعتدالیاں ظہور پذیر ہوں یا کسی قسم کے محرمات شرعیہ کا ارتکاب کیا جائے تو پھر ہر مسلم کا عموماً اور ہر صاحب اقتدار کا بالخصوص یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے ایسے بے اہل اور غیر شرعی کاموں سے روکنے اور منع کرنے کی موثر تدابیر کو بروئے کار لائیں جن سے ہر قسم کی بے اعتدالیوں کا سدباب ہو سکے ، علامہ ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں ولا تترک لما یحصل عندھا من منکرات ومفاسد کاختلاط الرجال بالنساء وغیر ذالک لان القربات لا تترک لمثل ذالک بل علی الانسان فعلھا وانکار البدع بل وازالتھا ، یعنی چونکہ زیارت قبور ازروئے شریعت اسلامیہ جائز و درست بلکہ مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے اس لئے عورتوں کا اختلاط اور دوسری کوئی خلاف شرع باتیں مشاہدہ میں آئیں تو اس کی وجہ سے مزارات کی زیارت کو ترک

نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ایسی حالت میں اہل ایمان کا فرض ہے کہ مزارات کی زیارت کرکے حسب قاعدہ فیوض و برکات سے نفع اندوز ہوتے رہیں اور مفاسد و دیگر خلاف نا جائز باتوں سے بیزاری و نفرت کا اظہار کریں اور حتی الامکان ان تمام برائیوں کی اصلاح کرنے کی جدوجہد کریں جن سے اسلامی روح کے مضمحل ہونے کا اندیشہ ہو۔

البتہ مزارات کی زیارت کرنے والی مستورات کو ادب و حیا، ستر و پردہ پوشی کا مکمل لحاظ رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے رہنمائی ہوتی ہے۔

(۴) عن عائشۃ قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی۔ فلما دفن عمر معھم فواللہ ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاءً من عمر (رواہ احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جایا کرتی تھی تو بے چادر اوڑھے جایا کرتی اور اپنے جی میں یہ کہتی کہ یہاں کوئی اجنبی شخص تو مدفون ہے نہیں، بلکہ یہاں تو صرف میرے شوہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میرے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دفن ہوئے تو قسم خدا کی میں بے چادر وغیرہ کے کبھی زیارت شریف کے لئے نہیں گئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شرم و حیا کے باعث، لمعات میں حضرت شیخ فرماتے ہیں،

معنی احترام المیت عند زیارتہ مھما امکن لا سیما الصالحین بان یکون فی غایۃ الحیاء والادب

یعنی جہاں تک ممکن ہو زیارت قبور کیوقت عظمت و احترام کو ملحوظ رکھا جائے۔ خصوصاً صلحاء امت اور اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کیوقت تو نہایت ادب اور حیاء کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اس لئے کہ ظاہراً و باطناً جس قدر زیادہ ادب و احترام کی پابندی کی جائے گی اتنا ہی زیادہ فیوض و برکات سے مستفیض ہوں گے۔ کیونکہ زائر کے حق میں نیت کی سچائی اور اخلاص کے مطابق ہی عند اللہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔

لہذا تمام زائرین کو یہ نیت خالص پورے ادب و احترام کے ساتھ زیارت کے لئے حاضر ہونا باعث خیر و برکت ہے، خصوصاً مستورات کو ادب و حیا کے ساتھ برقع و چادر وغیرہ اوڑھ کر مزارات کی زیارت کے لئے حاضر ہونا چاہئے، اور اگر اس امر کا احترام ممکن ہو کہ مردوں کے لئے الگ اوقات زیارت متعین کر دیے جائیں اور مستورات کے لئے دوسرے اوقات مقرر کر دئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ مرد و زن کا اختلاط نہ ہونے پائے ورنہ اس امر کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ مردوں سے بچ کر اور علیحدہ رہ کر مزارات کی زیارت سے مستفیض ہوں، اور ایسے زیورات پہن کر بھی نہ آئیں جن کی آواز اونچی ہوتی ہو، عطریات و خوشبوجات سینٹ وغیرہ کا بے موقع استعمال سے بھی احتراز کیا جائے۔ اسیطرح متعدد و معتبر احادیث سے زیارت قبور کا مستحب ہونا ثابت ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہداء احد کی زیارت کے لئے ہر سال تشریف لے جانا۔

(۲) خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبر رض، فاروق اعظم رض اور حضرت عثمان غنی رض کا ہر سال ان کی زیارت کے لئے ان کے مزارات پر جانا۔

(۳) حضرت فاطمہ رض کا شہداء احد کی زیارت کے لئے جانا۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ اور ان کے اصحاب کا جو صحابۂ کرام اور تابعین عظام تھے ان سب کا مزارات شہداء احد کی زیارت کے واسطے جانا وغیرہ ایسی مستند و معتبر دلیلیں ہیں جن کے ذکر سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

فقہ حنفی کی مستند کتاب فتاویٰ عالمگیری میں زیارت قبور کے تحت لکھا ہے کہ بزرگان دین اور شہداء و صلحاء امت اور عام مومنین و دوستوں کی قبروں کی زیارت کرنا مندوب و مستحب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شہداء احد اور جنت البقیع میں عام مومنین کی زیارت کے لئے اکثر تشریف لیجایا کرتے تھے۔

یوں تو جس وقت بھی توفیق ہو صدق دل سے خلوص نیت کے ساتھ زیارت و فاتحہ خوانی کے لئے مزارات پر جانا بے شمار خیر و برکت کا وسیلہ ہے لیکن ہر ہفتہ جمعہ کے دن صبح کی نماز کے بعد یا جمعہ کی نماز کے بعد زیارت کے لئے جانا افضل ہے، اسیطرح جمعرات اور سنیچر کے دن بھی بزرگان دین کے مزارات پر زیارت کے لئے جانا یا حاضر ہونا بھی باعث خیر و برکت ہے۔

اولیاء اللہ کے مراتب و درجات چونکہ جداگانہ ہیں اس لئے زائرین کو بھی منافع و فوائد اپنی اپنی خلوص عقیدت اور صدق ارادات کے اعتبار سے الگ الگ ہوا کرتے ہیں، لہٰذا اُن کے مزارات کی زیارت خیر و برکت اور فیوض کے حاصل کرنے کا ایک مستحب اور سب سے زیادہ ذریعہ ہے،

طریقہ زیارت یہ ہے کہ مزارات کی زیارت کیوقت پہلے السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون یسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ پڑھنا چاہئے، پھر مزارات کے پائنتی جانب سے داخل ہوں، اور قبلہ کیطرف پیٹھ کرکے صاحب مزار کے سامنے ادب احترام کیساتھ کھڑے ہوں اور فاتحہ خوانی و ایصال ثواب میں مشغول ہو جائیں۔

ایصال ثواب کا یہ طریقہ ہے کہ سورہ فاتحہ ایکبار، قل ھو اللہ تین مرتبہ، یا سات مرتبہ، پڑھیں، پھر اول سورہ بقرہ سے مفلحون تک پڑھیں، آیۃ الکرسی، امن الرسول، سورہ یٰسین، سورہ ملک، سورہ تکاثر، پڑھیں۔

اور اگر فرصت نہ ہو تو صرف سورہ فاتحہ اور تین دفعہ قل ہو اللہ احد پڑھکر بھی اکتفا کر سکتے ہیں، ان تمام آیتوں اور سورتوں کو دل لگاکر پڑھنے کے بعد ایصال ثواب اسطرح کریں۔ یا اللہ اس وقت جو کچھ میں نے تیرا کلام پاک تلاوت کیا ہے اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے صاحب مزار کی روح پاک کو پہنچا دے،

پھر اپنے لئے اور اپنے اعزا و اقارب کے لئے بلکہ جمیع مومنین و مومنات کی اصلاح و فلاح کے لئے دست بدعا ہو۔ خداوند تعالےٰ ان پاک نفوس کی روحانی برکتوں سے دعا قبول فرمائے گا۔ اپنے نیک ارادے میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے گا۔ اور قلب کی بے چینی، سکون و راحت اور اطمینان میں تبدیل ہو گی، ما ذالک علی اللہ بعزیز۔)

جب خدا کا کنبہ قحط سے دوچار ہو؟

اسلامی تاریخ اور اسلام کی تعلیم

(از مولانا محمد منظور نعمانی)

اب سے تقریباً چار ہزار برس پہلے جبکہ بظاہر ایک "عجیب و غریب اتفاق" ہی کے طور پر اور فی الحقیقت خداوند قادر و قدوس کی بیچون و چگون قدرت اور "شانِ فعال لمایرید" کی جلوہ فرمائی کے نتیجہ میں حکومت مصر کی باگ سیدنا یوسف صدیق علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوات والتسلیمات کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور مصری حکومت جبکہ انہی کے تحت اقتدار تھی، تو سُنا ہو گا کہ اس زمانہ میں مصر میں ایک شدید قحط پڑا تھا، جو سات سال تک مسلسل رہا تھا۔ ان سات سالوں میں سرزمین مصر بارش اور پیداوار سے بالکل محروم رہی اور خشکی کا اثر یہاں تک پڑا کہ دودھ دینے والے جانوروں کے تھن بھی خشک ہو گئے۔ رسل و رسائل کے جو ذرائع اور حمل و نقل کے جو وسائل آج انسانوں کے ہاتھ میں ہیں، جن کے ذریعہ ہر قسم کی ضروریات زندگی اور سامان معیشت کی درآمد اور برآمد ایک ملک سے دوسرے ملک کو بآسانی ہو سکتی ہے۔ اس وقت انسان ان سے بھی تہیدست تھا۔ ایسی حالت میں جس ملک پر سات سال تک اتنا سخت قحط مسلط رہے۔ وہاں کے آدمیوں پر جو کچھ بھی نہ گزر جائے اور جتنے بھی ان میں سے بھوکوں نہ مر جائیں بعید از قیاس نہ ہو گا ــــــ لیکن سیدنا یوسف صدیق کی خداترسی مخلوق خدا کی سچی ہمدردی اور رعیت کی راحت رسانی کے متعلق اپنی حاکمانہ ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ ان کی خداداد خوش تدبیری اور مآل اندیشی نے مل جل کر ایسا نظم قائم کیا کہ نہ صرف قلمرو مصر کے رہنے والوں کو، بلکہ آس پاس کے دوسرے قحط زدہ ملکوں کے باشندوں کو بھی بلا امتیاز ملک و نسل اور بلا لحاظ مذہب و ملت خوش حالی اور رسمت کے سالوں کی طرح ہی غلّہ ملتا رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی کے دور میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا، جس نے بہت سے بندگان خدا کو فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ حضرت عثمان ذوالنورین اس وقت مدینہ کے درجہ اول کے تاجروں میں تھے اور آج کل کی اصطلاح میں گویا "اس وقت کی" چھوٹی سی اسلامی حکومت کے گویا وزیر مال بھی تھے۔ غلّہ سے لدے پھندے آپ کے ایک ہزار اونٹ شام سے آئے۔ مدینہ کے غلّہ فروشوں کو جیسے ہی اس مال کی آمد کی خبر ہوئی، وہ خریداری کے لئے حضرت عثمان کی خدمت میں

پہونچے ۔ بھاؤ تاؤ شروع ہوا ۔ سب نے اپنی اپنی بولی بولی ۔۔ لیکن حضرت عثمان برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے اس سے زیادہ ملتا ہے آخر میں مدینہ کے ان سوداگروں نے کہا کہ مدینہ کے دکاندار تو سب یہاں موجود ہیں اور سب اپنی اپنی بولی بول چکے اور اپنے اپنے اندازہ کے مطابق سب ہی قیمت لگا چکے آخر اس سے زیادہ دام کون لگا رہا ہے ۔

حضرت عثمان نے کہا کہ وہ اللہ ہے ۔ جس کا وعدہ ایک کے بدلے دس، یا اس سے بھی زیادہ دینے کا ہے ۔ تم سب گواہ رہو کہ میں نے یہ سارا غلہ اس کے لئے اور اسی کے حساب میں ناداروں، غریبوں اور حاجتمندوں کو دیدیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان کے ان ایک ہزار اونٹوں نے مدینہ کے غرباء و فقراء کی ساری پریشانی اس وقت کی دور کردی ۔

سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی ایک سال عرب میں سخت قحط پڑا تھا جس کا نام ہی تاریخ میں "عام الرمادہ" ہے ۔ حضرت عمر نے خلق خدا کو اس قحط کی مصیبت سے بچانے کے لئے ایک طرف تو شام اور مصر سے غلہ منگوانے کا انتظام کیا (چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے جو اس وقت شام کے حاکم اعلیٰ تھے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدوا کر بھیجے اور مصر کے حاکم اعلیٰ عمرو بن عاص نے غلہ کی کشتیاں بحری راستہ سے روانہ کیں) دوسری طرف آپ نے یہ کیا کہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں اس وقت جتنا کچھ روپیہ جمع تھا آپ نے وہ سب مدینہ کے ناداروں اور غریبوں میں تقسیم کرادیا اور بیت المال کو بالکل خالی کردیا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلق خدا فاقوں مرنے کی مصیبت سے بچ گئی اور اللہ کے بندے قحط کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے ۔

یہ سب کچھ تو آپ نے عام پبلک اور عام رعایا کے لئے کیا ۔ لیکن دنیا حیرت میں رہ جائے گی ۔ جب اس کو یہ معلوم ہوگا کہ خود فاروق اعظمؓ نے اس قحط کے زمانہ میں گھی، گوشت اور گیہوں تک کا استعمال قطعی ترک کردیا تھا ۔ کیونکہ اس وقت پبلک کے غریب طبقہ کو یہ چیزیں عام طور سے میسر نہ تھیں ۔ اس زمانہ میں آپ کی اپنی غذا جَو کی روٹی ہوتی تھی ۔ جس کے ساتھ بجائے گھی کے کبھی کبھی زیتون کا تیل استعمال کیا جاتا تھا ۔ طبیعت اس غذا کو آسانی سے قبول نہ کرتی تھی ۔ جس کی وجہ سے گاہ گاہ معدہ میں تکلیف بھی ہوجاتی تھی ۔ ایک دن آپ نے اپنے نفس سے خطاب کرکے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے عام بندوں سے اس قحط کو دور نہ فرمادے گا ۔ تجھ کو اس غذا کے سوا کچھ نہ مل سکے گا ۔

ناقلین آثار کا بیان ہے کہ اس قحط میں فاقوں کی کثرت اور ناموافق غذا کے استعمال ہی سے آپ کا رنگ بھی سیاہ پڑ گیا تھا ۔

بہرحال اپنے اوپر آپ نے ہر قسم کی مصیبت جھیلی اور اپنے معیار زندگی اور اپنی خوراک کو آپ نے ادنیٰ درجہ کے غریبوں اور فقیروں کے درجہ پر اتار لیا ۔ لیکن عام رعایا بالخصوص اس کے ناداروں اور غریبوں کو قحط کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے سب کچھ کیا ۔ یہاں تک کہ سارا سرکاری خزانہ ہی ان پر تقسیم فرمادیا ۔ ورنہ عرب جیسے غیر زرعی اور دنیا سے کٹے ہوئے خطہ کا

ایسے سخت قحط میں جو حال ہوتا اور وہاں کے باشندوں پر جو کچھ گزرتی اس کا اندازہ ہر ایک کر سکتا ہے۔
یہ تین مثالیں ہیں، اللہ کے صالح بندوں کے طرزِ حکومت اور ان کے طریقہ جہانبانی کی اور عوام کے غذائی مسئلہ کے بارہ میں ان کے احساس ذمہ داری کی۔

موجودہ دور میں ان مصائب کا صحیح مداوا تو جب ہی ہو سکتا تھا کہ حکومت کا نظام کسی "یوسف" کسی "ابوبکر" کسی "عمر" یا کسی "عثمان" کے ہاتھ میں ہوتا۔ لیکن اپنے اور دنیا کے موجودہ حالات میں تو اس کی آرزو کی بھی گنجائش نہیں ہے ـــــ اس لئے اب جو کچھ بھی ذمہ داری ہے، وہ ہم ہی جیسے لوگوں کی ہے، جو اللہ کی عنایت سے خود زیادہ حاجتمند نہیں ہیں اور اپنے غریب تر بھائیوں کی کچھ تھوڑی بہت مدد کسی نہ کسی طرح سے کر سکتے ہیں۔
اس گئی گزری حالت میں بھی ہم میں بہت زیادہ نہ سہی، پھر بھی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ابھی موجود ہے، جن کے ذرائع آمدنی ان کی عام ضروریات سے زیادہ ہیں اور اس نے اپنی اچھی خاصی بسر اوقات کے علاوہ ان کے پاس کم و بیش کچھ فاضل سرمایہ بھی رہتا ہے ـــــ ان کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ہم میں بحمداللہ ابھی ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اگرچہ اصطلاحی سرمایہ دار یا دولت مند تو نہیں ہیں لیکن خوش حالی کے ساتھ گزارا کرتے ہیں انسان کے حالات میں اتنی گنجائش ہے کہ اپنے مصارف میں کچھ تخفیف کر کے اپنے گزارے سے کچھ بچا بھی سکتے ہیں۔
اس نازک وقت میں حسب حیثیت ان دونوں طبقوں کا خصوصی فرض ہے کہ ان کے عزیزوں، قریبوں ان کے پڑوسیوں اور ان کی بستی میں بسنے والوں میں جو بھی حاجتمند ان کے علم میں ہوں اور جن لوگوں کے متعلق بھی وہ یہ جانتے ہوں کہ ان کی آمدنی ان کے گزارے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی جس طرح اور جتنی بن پڑے وہ ان کی مدد کریں اور ان کا کچھ بار اپنے ذمہ لیں۔
یوں تو ہر وقت اور ہر زمانہ کے صدقہ میں اللہ پاک کے یہاں بڑا اجر ہے لیکن بالخصوص ایسے سخت وقت میں تو اس کی قدر و قیمت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ سے معلوم ہوتا ہے۔
اس ناچیز کو تو یقین ہے کہ اس وقت اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے، اس کے قہر و غضب سے بچنے، آتشِ دوزخ سے رہائی اور داخلہ جنت کا استحقاق پیدا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اللہ کے حاجتمند اور نادار بندوں کی ہمدردی و غمخواری اور ان کی امداد و اعانت ہے۔ اس کارِ خیر کے لئے قرآن کریم اور احادیث نبوی کے ذخیرہ میں جو ہزاروں ترغیبات وارد ہوئی ہیں اپنے ناظرین کی ترغیب کے لئے ان میں سے چند یہاں بھی درج کی جاتی ہیں۔ اللہ کرے کہ قارئین کرام کے دل ان آیات و احادیث سے متاثر ہوں اور اس باب میں اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق ہم سب کو ملے۔

راہِ خدا میں دینے کی تاکید و ترغیب قرآن مجید میں

یا ایہا الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ۔	اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے دھن دولت میں سے (نیکی کی راہوں میں) خرچ کر لو اس یوم الفصل اور یوم الجزاء کے آنے

(بقرہ ۳۴)

سے پہلے جبکہ کسی قسم کی خرید و فروخت ممکن ہوگی اور نہ [illegible] سفارش سے ہی کام چل سکے گا۔

وانفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصلحین ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا واللہ خبیر بما تعملون ہ

(منافقون ع ۲)

اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے (نیکی کی راہوں میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ آ دبائے تم میں سے کسی کو موت پھر اس وقت وہ حسرت و افسوس سے کہنے لگے کہ خدا وندا! کیوں تو نے مجھے تھوڑی مہلت اور نہ دی کہ میں صدقہ و خیرات کرتا اور نیکوں میں ہو جاتا اور (فیصلہ ہو چکا ہے کہ) اللہ ہرگز کسی کو (ایک لمحہ کی بھی) مہلت نہ دے گا۔ جب اس کا وقت آ جائے گا اور اللہ خوب باخبر ہے تمہارے عملوں سے۔

وعدہ بشارت!

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ ط واللہ یضٰعف لمن یشاء ط واللہ واسع علیم

(بقرہ ع ۳۶)

جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان (کے اس عمل) کی مثال ایک ایسے دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوتی ہوں اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں اور اللہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ وہ گنجائش و کشایش رکھنے والا ہے اور علیم کل ہے (وہ اپنے کمال علمی سے وہ جانتا ہے کہ کون میری راہ میں صرف میرے لئے اور اخلاص سے خرچ کرتا ہے۔

اور اس کی بے پناہ وسعت و گنجایش کی وجہ سے ایک دانہ کے بدلے میں سات سو دانے دے دینا اس پر بھی اضافہ کر دینا اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔)

وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی

(لیل ع ۱)

اور دوزخ کی آگ سے وہ پاکباز اور پرہیزگار بچا لیا جائیگا جو پاکیزگی کے لئے (راہ خدا میں) اپنا مال دیتا ہے۔

صدقہ و خیرات کرنے والے گویا خدا کو قرض دیتے ہیں

راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ پاک نے ان کے صدقات کو گویا اپنے اوپر قرض قرار دیا ہے اور خود کو ان کا مقروض بتا کر ان کا درجہ بلند کیا ہے۔ یقیناً انسان کے لئے اس سے زیادہ کسی بلند مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ان المصدقین والمصدقات واقرضوا

اللہ کے جو بندے اور بندیاں صدقہ کرتے ہیں اور اللہ کو قرض

اللہ قرضاً حسناً یضاعف لھم و لھم اجر کریم

(حدید ع ۲)

دیتے ہیں ان کے لئے بہت کچھ بڑھایا جائے گا اور ان کو عزت والا عطیہ ملے گا۔

کہیں حکم کی صورت میں ارشاد فرماتا ہے :-

واقرضوا اللہ قرضاً حسناً (مزمل ع ۲)

اور اے اللہ کے بندو! اللہ کو قرض حسن دو۔

کہیں خود "سوالی" بن کر ترغیبی انداز میں صدا دی جاتی ہے :-

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرا (بقرہ ع ۳۲)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کو بہت گنا کرکے دے گا۔

راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کو نہایت دردناک اور لرزہ خیز عذاب کی وعید

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم و جنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ٥

(توبہ ع ٥)

وہ لوگ جو سونے اور چاندی (مال و دولت) کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور راہ خدا میں اس کو خرچ نہیں کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دی جائے۔ جس دن ان کی اس مایہ کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں ان کی کروٹیں ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ ہے تمہارا وہ مال جس کو تم نے اپنے ہی لئے سینت سینت کر رکھا تھا، لو اب اپنے اس اندوختہ کا مزا چکھو۔

چند احادیث نبویہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

قال اللہ تعالیٰ انفق یا ابن آدم انفق علیک

(بخاری مسلم مشکوٰۃ)

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ آدم کے فرزندو! تم میری راہ میں خرچ کرو میں تم کو وسعت سے عطا کئے جاؤں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان الصدقۃ لتطفی غضب الرب وتدفع میتۃ السوء

(ترمذی مشکوٰۃ)

صدقہ اللہ کے غضب اور اس کے قہر و جلال کی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے۔ (یعنی صدقہ و خیرات کرنے والا بندہ بری موت نہیں مرتا) موت کے وقت اس کا

رحمت ومقبولیت کے آثار ہوتے ہیں (اور یہ اس حاجت کا مطالبہ ہے)

مرثد بن عبداللہ بعض صحابۂ کرام سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا:۔

ان ظل المؤمن یوم القیمه صدقه

(مسند احمد، مشکوٰۃ)

قیامت کے دن مومن کے سر پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان الصدقه لتطفی عن اهلها حر القبور وانما یستظل المومن یوم القیمه فی ظل صدقته۔

صدقہ قبر کی گرمی کو ٹھنڈا کر دے گا اور مومنین قیامت کے دن اپنے صدقہ ہی کے سایہ میں ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ایما مسلم کسا مسلما ثوبا علی عری کساہ اللہ من خضر الجنة وایما مسلم اطعم مسلما علی جوع اطعمه اللہ من ثمار الجنة وایما مسلم سقی مسلما علی ظمأ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم

(رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کپڑا دے کر اس کا تن ڈھانکے گا اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جنت کا سبز خلعت پہنائے گا اور جو مسلمان اپنے بھوکے مسلمان بھائی کو کھانا کھلائے گا اللہ اس کو جنت کے میوے اور پھل عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی مہر بند شراب طہور سے سیراب فرمائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من کان فی حاجة اخیه کان اللہ فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج اللہ عنه کربة من کربات یوم القیمة

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ)

جو شخص اپنے کسی بھائی کی کوئی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ اس کی ضروریات کی کفالت فرماتا رہے اور جو شخص اپنے بھائی کی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی کوئی سخت ترین مصیبت اس سے دور فرما دے گا۔

ایک اور حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

(ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ)

دوسروں پر جو ترس کھانے والے اور رحم کرنے والے ہیں خدا ان پر رحم کرے گا۔ لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر رب السماء رحم فرمائے گا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے:۔

من لا یرحم لا یرحم | جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ کے بندو!

اگر چاہتے ہو کہ رب العرش تم پر رحمت فرمائے، تم اس کے غضب اور عذاب سے محفوظ رکھے جاؤ اور اس کے دار رحمت (جنت) میں تم جگہ پا سکو تو بالخصوص اس سخت وقت میں کمزوروں، غریبوں اور آفت رسیدوں پر رحم کھاؤ۔ ان کا امکانی مدد کرو یقیناً انشاء اللہ خدا کی رحمت سے نوازے جاؤ گے۔

میرا اندازہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص بھی آج تجسس کی نگاہ ڈالے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ ہمارے عزیز و قریبوں اور دائیں بائیں رہنے والے پڑوسیوں میں اس وقت کتنے ہی ایسے ہیں جو از راہ عفت و عزت نفس ہمارے سامنے دست سوال دراز نہیں کر سکتے ہیں بلکہ اپنی مصیبت اور پریشانی ہم سے چھپاتے ہیں اس لئے ہم ان کی قابل رحم حالت سے واقف بھی نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ ان کے بچوں پر مسلسل فاقے گزر جاتے ہیں ـــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبیہ (شعب الایمان مشکوٰۃ)

وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود اطمینان سے پیٹ بھر کر کھائے درآنحالیکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کے گھر میں فاقہ ہو۔

ہم میں سے جو صاحب اولاد ہوں وہ ذرا سوچیں کہ اگر خدانخواستہ ہماری اولاد پر ایسا وقت آپڑے اور کوئی اللہ کا بندہ ان پر رحم کھا کے ان کی خبر لے اور ان کو فاقوں کی مصیبت سے بچالے تو ہمارے دل میں اس کے لئے کتنی جگہ ہوگی ـــــ بلا تشبیہ ہو لوگ اللہ کے غریب اور حاجت مند بندوں فقراء و مساکین کی ایسے وقت میں خبر لیں ان پر رحم کھائیں اور ان کی مدد کریں یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی قدر کرے گا اور ان کے اس حسن عمل کا اچھا بدلہ دے گا۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے تو جو شخص اس کے کنبے (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک کرے وہی اس کو زیادہ پیارا ہے۔

اللہ کے غریب بندوں کو آج کل سب سے بڑی مصیبت بھوک کی ہے اور افضل ترین صدقہ بالخصوص ان ایام میں بھوک کے مصیبت زدوں کو غلہ یا روٹی مہیا کر دینا ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے:۔

افضل الصدقۃ ان تشبع کبدا جائعا (شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

صدقات میں سب سے افضل یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کا پیٹ بھروا دو۔

ایک ضروری ہدایت

اللہ پاک اپنے جن بندوں کو اس کار خیر کی توفیق دے ان کو یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ․․․ کی مدد اور ان کی خبر گیری کے

سب سے زیادہ مستحق وہ شرم و حیا والے لوگ ہیں جو اپنی مصیبت اور فقر و فاقہ کو عام طور سے لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے جو "فقیر" کہلانے والے گداگری کرتے ہیں اور مانگنا جن کا پیشہ ہے ان کے متعلق تجربہ یہ یقین دلا چکا ہے کہ درا صل وہ حاجتمند نہیں ہوتے ہیں اور ان کو کبھی فاقہ کی نوبت نہیں آتی ہے۔ ایک حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لیس المسکین الذی تردہ اللقمۃ واللقمتان والتمرۃ والتمرتان ولکن المسکین الذی لا یجد غنی یغنیہ ولا یفطن بہ فیتصدق علیہ ولا یقوم فیسأل الناس۔

(بخاری مسلم)

اصلی مسکین وہ نہیں ہے جو در در سے ایک لقمہ دو لقمے یا کھجور کا ایک دانہ دو دانے لے کر چلا جاتا ہے بلکہ حقیقی مسکین وہ ہیں جن کے پاس ان کی ضروریات پوری کرنے کے بقدر پیسے بھی نہیں، اور نہ ان کی ظاہری حالت ایسی ہے کہ آسانی سے کسی کو ان کی حاجتمندی معلوم ہو جائے اور ان کی مدد کر دی جائے۔ اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے مانگ ہی سکتے ہیں (تو حقیقی مسکین ایسے ہی لوگ ہیں۔ اور یہی ہماری امداد و اعانت کے اصلی مستحق ہیں)

اس لئے اپنی مدد و خبر گیری کے لئے ایسے ہی اللہ کے بندوں کی تلاش و جستجو کیجیے جو پیشہ ور سائل نہیں ہیں اور جو اپنی حاجت بھی ہر ایک سے نہیں کہہ سکتے۔

قرآن مجید میں ایسے باغیرت و باعفت اصحاب حاجت کا ذکر بڑے پیار سے کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسئلون الناس الحافاً۔

ان کے سوال نہ کرنے اور عفت کی زندگی گزارنے کی وجہ سے ناواقف ان کو ضرورت مند نہیں سمجھتا بلکہ ان کو خوشحال گمان کرتا ہے مگر تم ان کو چہروں میں افلاس و فاقہ زدگی کے آثار دیکھ کر ان کو پہچان سکتے ہو، وہ خود کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر اور اپنا حال زار بیان کر کے سوال نہیں کرتے ہیں۔

بہر حال امداد و خبر گیری کے سب سے زیادہ مستحق اللہ کے ایسے ہی بندے ہیں اور آج کل اچھے پوش شریفوں میں ایسے غریب حاجتمند بکثرت موجود ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی خبر لیں، اور اگر بالفرض ہم خود اس قابل نہیں ہیں تو کم از کم دوسروں سے ان کی امداد کرانے میں سعی کریں، حدیث پاک میں ہے :۔

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ (بخاری مسلم مشکوٰۃ)

بیوہ عورتوں اور حاجتمندوں کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ثواب میں راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے ہم رتبہ ہے۔

امید ہے ملکہ اللہ و رسول کے ارشاد ہی کی بنیاد پر یقین ہے کہ اس وقت اس سلسلہ میں جو فرض ہم آپ پر عائد ہوتا ہے اگر ہم سب نے اس کو ادا کیا اور اللہ کے کمزور و غریب بندوں کی مدد کی تو اللہ پاک ہماری آپ کی مدد کرے گا۔ آپ کے معاف

کو دور کرے گا۔ آپ پر دنیا و آخرت میں اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ پھر پڑھئے اس آیت کو اور سنئے اللہ پاک کی اس اپیل کو:۔

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ و لا خلۃ و لا شفاعۃ و الکافرون ھم الظالمون ۔

اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو دولت دی ہے اس میں سے ہماری راہ میں کچھ خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ یوم الحساب آجائے جبکہ نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئیگی اور نہ کسی کی سفارش سے ہی کام چل سکے گا اور خوب سمجھ لو کہ نہ ماننے والے ہی ظالم ہیں، جو خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں جس کا برا نتیجہ وہ بھگتیں گے۔

آخر میں اس سلسلہ کی ایک حدیث قدسی اور پڑھ لیجئے:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیمۃ یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال یا رب کیف اعودک و انت رب العلمین قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ اما علمت انک لو عدتہ لوجدتنی عندہ یا ابن آدم استطعمتک فلم تطعمنی قال یا رب کیف اطعمک و انت رب العلمین قال اما علمت انہ استطعمک عبدی فلان فلم تطعمہ اما علمت انک لو اطعمتہ لوجدت ذالک عندی یا ابن آدم استسقیتک فلم تسقنی قال یا رب کیف اسقیک وانت رب العلمین قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقہ اما انک لو سقیتہ وجدت ذالک عندی (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (بعض آدمیوں سے) فرمائیں گے: "اے ابن آدم! میں مریض ہوا تھا تو نے میری خبر نہیں لی" وہ عرض کرے گا آپ تو رب العلمین ہیں۔ آپ کی کیسی بیماری اور کیسی تیری عیادت و خبرگیری؟ ارشاد ہوگا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اس کی خبر نہ لی۔ اگر تو اسکی عیادت و دیکھ بھال کرتا، خبر لیتا تو یقیناً مجھے اس کے پاس پاتا، اور "اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانے کا سوال کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا" وہ عرض کرے گا آپ تو رب العلمین ہیں آپ کو کھانا کھلانے کی کیا ضرورت کیا؟ اور میں بھلا آپ کو کس طرح کھلا سکتا ہوں، ارشاد ہوگا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا، تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اپنے اس کھلانے کو میرے پاس پاتا اور میں تجھے اس کا بدلہ دیتا، پھر ارشاد ہوگا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔

لکھنؤ ـــ خوابوں کا شہر

(اظفر حسنین)

لکھنو اپنے شاندار ماضی، ادبی مرکز اور واجد علی شاہ کی رنگین داستانوں کا پروردہ ہوتے کی وجہ سے دور رہنے والوں کے لئے ہمیشہ سے خوابوں کا شہر رہا ہے۔ وہ شہر کتنا نازک ہوگا جہاں کے لکڑی بیچنے والے بھی اپنی لکڑی کو لیلی کی انگلیاں اور مجنوں کی پسلیاں بتاتے ہیں۔ وہ شہر کتنا خلیق ہوگا جہاں کے لوگ اجی قبلہ آپ پہلے، اجی حضرت آپ پہلے میں ٹرین چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ سرزمین کتنی ادبی ہوگی جہاں میر جیسے عظیم شاعر کو بھی اپنے تعارف کے لئے ایک قطعہ کا سہارا لینا پڑا ہے۔ اور وہ مقام کتنا مقدس اور تاریخی ہوگا جہاں فرنگی محل کی علمی و دینی یونیورسیٹی سے پورے ہندوستان بلکہ بیرون ہند نے بھی علمی استفادہ کیا اور جو قدیم علماء ہند کا علمی مرکز رہا ہے۔ اور وہ جگہ کس قدر اہم ہوگی جہاں ندوۃ العلماء جیسی درسگاہ ہے۔ جہاں چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھنے والے آج دنیائے ادب و سیاست کے روشن ستارے ہیں ـــ یہ تمام خیالات اور تصورات لکھنؤ نہ دیکھنے والوں کی نظر سے بارہا گذرتے ہیں۔

ہمارے کان بھی بچپن ہی سے...... لکھنؤ کے نام سے آشنا رہے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ہمارے بہت سے عزیز دوست بسلسلہ تعلیم وہاں مقیم رہے ہیں اور ان کی زبانی وہاں کی تہذیب و تمدن، وہاں کی رہن سہن اور وہاں کی اونچی تاریخی عمارتوں، چوڑی چکلی سڑکوں اور عجائبات کی داستانیں نمک مرچ کے ساتھ ہمارے کانوں تک پہنچتی رہی ہیں جیسے جیسے بڑھتا گیا اور لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو ان داستانوں کی رنگینی نے اور شدت اختیار کر لی۔

بہت دنوں کی گمنامی کے بعد ـــ اس طرف لکھنؤ میں جو مسلم مشاورتی اجتماع ہوا اس نے ایک بار پھر پورے ملک کے لوگوں کے سامنے لکھنؤ کو ایک اہم شہر بنا کر پیش کر دیا ہے۔ اس سرزمین پر جو تاریخی اجتماع ہوا اس نے پورے ملک اور بیرون ملک کی توجہ اس طرف مبذول کرا دی ہے۔ ہمارے دل میں بھی لکھنؤ دیکھنے کی بچپن کی دلی خواہش نے انگڑائی لی۔ گذشتہ ۱۳ ستمبر کو برادر محترم جناب مولانا نعمت اللہ عون احمد صاحب نے بتایا کہ ۱۵ ستمبر کو لکھنؤ میں مجلس تحقیقات شرعیہ کی میٹنگ ہونے والی ہے جس کے ایک رکن ہونے کی وجہ سے انہیں مدعو کیا گیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تمہیں بھی موقع ہو تو چلو۔ ان کے اس جملے کا جواب تو میں نے "ضرور چلونگا" کہکر فوراً دیدیا لیکن ان کے اس سوال سے ہمارے سامنے کتنی باتیں گھوم گئیں اور مجھے کتنی مسرت ہوئی اسے میں ہی جانتا ہوں بہرحال پروگرام مرتب ہوگیا

۱۱/۱۲ دسمبر کو ۹ بجے صبح سویرے ہی ہم لوگ داناپور اسٹیشن کی طرف رکشہ سے چلے جارہے تھے ـــــ اس شہر کے لئے جو تاریخی بھی ہے اور حسین بھی ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ کا بھاری بھرکم دارالسلطنت بھی ہے ۔ اور ایک صنف نازک کے کندھے پر ٹکا ہوا لڑکا پھلا بار بھی ۔

پنجاب اکسپریس داناپور اسٹیشن سے پونے چھ بجے چھوٹتا ہے ۔ اسٹیشن تک حافظ عبدالماجد متعلم دارالعلوم مجیبیہ ساتھ آئے اور داناپور ہی سے جناب خلیل الرحمان صاحب گارڈ بھی مدد کو آگئے تھے ۔ ان لوگوں کی مدد سے جگہ بڑے اطمینان کی مل گئی ۔ اور رواں دواں رکتی چھوٹتی بل کھاتی ، ہچکولے لیتی تیز ترین ٹرین ہم لوگوں کو لئے ہوئے تقریباً چار بجے شام کو لکھنؤ اسٹیشن پر جا لگی ۔ دور ہی سے لکھنؤ کا شاندار اسٹیشن نظر آنے لگا جیسے جیسے اسٹیشن قریب آتا گیا مسرت اور جذبات کا ملا جلا احساس بڑھتا گیا اور جب ٹرین پلیٹ فارم پر لگی تو پان بیڑی سگریٹ اور اچھے کیلے سستے کیلے کے شور و غوغا میں ہم لوگ گھر گئے ۔ سامان قلی کے حوالے کیا اور ہم لوگ باہر کی طرف بڑھے ۔ اسٹیشن کے اندر ہی کئی رکشے والوں نے گھیر لیا اور اپنے اپنے رکشے میں بیٹھنے کی دعوت دی ۔ بہرحال ایک رکشہ کا انتخاب کرکے قلی سے سامان اس پر رکھوا دیا ۔ باہر نکل کر اسٹیشن کا جائزہ لیا ۔ بڑا اور شاندار اسٹیشن ہے اور اس کی ایک نمایاں خصوصیت وہ برج اور مینارے ہیں جو اس کی عظمت اور لکھنؤ کی مسلم تہذیب و معاشرت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں شاید ہندوستان کا یہ پہلا اسٹیشن ہے جس میں اتنے مینارے اور برج ہیں ۔ پہلی ہی نظر نے دل پر اس کا اثر ڈالا جس شہر کا اسٹیشن تہذیب و تمدن اور رکھ رکھاؤ کی زندہ تصویر ہو اس کے شہریوں کا کیا کہنا ۔

رکشہ والے سے ندوہ کا کرایہ پوچھنے پر اس نے کہا "اجی حضرت صرف ایک روپیہ دینا" میں نے کہا کرایہ زیادہ معلوم ہوتا ہے ۔ در اصل مجھے کرایہ تو معلوم تھا نہیں ۔ لیکن ایک ہندوستانی ہونے کے ناتے مول تول تو ضروری ہی ہے اسی لئے اندھیرے میں ایک تیر چلایا تاکہ رکشہ والوں کی خصوصیت معلوم ہو سکے ۔ کیونکہ آئندہ رکشہ پر ہی شہر کا چکر لگانا تھا لیکن اس نے یہ کہہ مطمئن کر دیا کہ "حضرت بالکل مناسب کہہ رہا ہوں آپ اعتبار کریں" بہرحال رکشہ والے کی شگفتہ زبان اور اس کے لہجے نے لکھنؤ کی عظمت میں اضافہ کیا ۔ اپنے یہاں تو رکشہ والوں سے اچھی زبان اور شگفتہ لہجے کی کبھی امید ہی نہیں رہتی ۔ یہاں تو آپ پوچھتے ہیں "کتنا پیسہ لوگے؟" جواب ملتا ہے "بارہ آنا ہوگا" آپ کہیں گے "بہت ہے" جواب حاضر ہے "تو پیدل چلے جایئے" ۔ وہاں کا رکشہ پٹنہ کے رکشہ سے چھوٹا اور آرام دہ ہوتا ہے ۔ رکشہ والا تندرست تھا تیزی سے منزل کی طرف چلا ۔ اس نے ہم لوگوں کے لب و لہجہ اور گفتگو سے سمجھ لیا تھا کہ یہ لوگ باہر سے آئے ہیں اس لئے وہ سڑکوں ، بازاروں اور عمارتوں کے بارے میں ہلکی پھلکی باتیں بتاتا رہا ۔ محترم بھائی صاحب لکھنؤ میں تعلیمی سلسلے میں بہت دنوں تک رہ چکے ہیں اور پھر گذشتہ چند سالوں میں بھی اکثر آئے ہیں ۔ اس لئے وہ بھی بہت سی چیزیں بتاتے رہے ۔ اسٹیشن جس حصے میں ہے اسے چار باغ کہتے ہیں ۔ اسٹیشن سے نکلتے ہی دو رویہ بازار ملتی ہے ۔ بازار اچھی ہے لیکن بہت بارونق نہیں ۔ سڑک پتھریلی اور کچھ کم ہی چوڑی ہے ۔ بازار سے نکل کر رکشہ ایسے راستہ پر ہو لیا جو نسبتاً غیر آباد تھا لیکن تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بڑی عمارت نظر آجاتی جس کے بارے میں رکشہ والا کچھ بتا دیتا ۔ راہ ہی میں ایک پتلی بل کھاتی ہوئی ندی نظر آئی ۔ یہ لکھنؤ کی مشہور ندی گومتی تھی جو دیکھنے میں بالکل نہر معلوم ہوتی ہے اور جس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کبھی غضبناک ہوگی اور شہر پر ایسا غضب ڈھائے گی ۔

کئی سال ہوئے یکایک اس ندی میں طغیانی آگئی اور اس نے قرب وجوار کی تمام چیزوں کو ڈبو دیا کئی دنوں تک شہر پر اس کا راج رہا۔ گومتی نام کے ساتھ مجھے سیلاب کا تصور آیا اور پھر علی عباس حسینی کا افسانہ "چار دن چار راتیں" ذہن سے ٹکرایا جس میں تفصیل سے اس سیلاب کا نقشہ کھینچا گیا تھا لیکن جس کے پلاٹ نے منٹو کی یاد تازہ کردی تھی۔ راہ ہی میں دور سے محترم بھائی صاحب نے ایک بڑے گنبد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہی مشہور و معروف آصف الدولہ کا امام باڑہ ہے گنبد کائیوں سے بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اب اس کی عظمت اور تاریخی حیثیت اہل لکھنؤ کے دل سے کم ہو رہی ہے اور حکومت بھی اس کی طرف سے بے توجہی برت رہی ہے اس کے علاوہ جو بڑی قدیم عمارتیں نظر آئیں ان پر حکومت کے کسی نہ کسی آفس کا بورڈ جھول رہا تھا۔ رکشہ پرفضا راہوں اور صاف وشفاف پختہ سڑک پر دوڑتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد ندوۃ العلماء کی عمارت نظر آئی اور پھر رکشہ صحن کے اندر داخل ہوا۔ بڑے گیٹ پر سنگ مرمر کے ٹکڑے پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کندہ تھا۔ یہ نام اس عظیم ادارے کا تھا جو اپنے پیچھے ایک شاندار ماضی رکھتا ہے جس نے بڑے بڑے اہل قلم انشاپرداز اور مفکر پیدا کئے اور جو آج بھی اپنے طرز کا واحد ادارہ ہے۔ اس کی عمارت بھی برج اور میناروں سے آراستہ نظر آتی ہے۔ چند مزدور ایک مینار کی مرمت کر رہے تھے۔ اندر داخل ہونے پر ایک نوجوان پر نظر پڑی چہرہ پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ ہم لوگوں کو آتا دیکھ کر بڑھ کر السلام علیکم کہا۔ پوچھا گیا مہتمم صاحب کا ڈیرہ کہاں ہے؟ انہوں نے رہبری کی اور ہم لوگوں کو ان کے ڈیرے تک پہنچا دیا مہتمم صاحب جناب مولانا ابوالعرفان صاحب ہم لوگوں کے لئے نئے تھے اور ہم لوگ ان کے لئے لیکن یہ جان کر کہ یہ سواری پٹنہ سے آرہی ہے اور محترم بھائی صاحب سے متعارف ہو جانے کے بعد بہت ہی اخلاق سے پیش آئے۔ سامان رکھوایا۔ اور فوراً ہی چائے منگوائی ایک کپ گرم چائے نے تھکاوٹ میں بہت کمی کردی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے مہمان خانے کے خادم کو بلایا اور مہمان خانے میں ایک کمرہ ٹھیک کرنے کو کہا۔ یہ خادم صاحب بھی جن کا نام عبدالحمید ہے ماشاء اللہ پورے مسلمانی شکل میں تھے۔ بھرا چہرہ داڑھی اور سر پر ٹوپی انہوں نے مہمان خانے کے ایک کمرہ میں دو چارپائیاں بچھادیں۔ ان پر بستر لگائے ٹیبل فین رکھا گویا مسافروں کو گھر سے بھی زیادہ آرام پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کمرے کے سامنے ہی غسل خانہ تھا جس میں غسل کرنے کے لئے پانی تیار تھا۔ مہمان خانے کے بغل میں ہی دارالعلوم کی شاندار مسجد ہے۔ کافی بڑا پختہ صحن، دروازے کے پاس ہی وضو کرنے کے لئے کئی کل (ٹیپ) لگے ہوئے۔ مسجد کی چھت پر دونوں کنارے دو بڑے بڑے مینارے دل پر مسجد کی عظمت بیٹھاتے ہیں۔ مسجد کا اندرونی حصہ بھی بہت ہی خوبصورت اور وسیع ہے۔ ہر چار فیٹ پر چھت سے پنکھے لگے ہوئے ہیں اور ریلیا اور مرکری ٹیوب سے پوری مسجد سجی ہے۔ عصر کے نماز کی تکبیر ہوئی ہم لوگ مسجد پہنچے۔ نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد پیچھے نظر ڈالی تو پوری مسجد بھری ہوئی تھی۔ کئی صفیں صرف دارالعلوم کے طلباء کی تھیں۔ ہر صف میں تقریباً چالیس نمازی تھے اور پوری مسجد میں دس صفیں تھیں۔ اس طرح لکھنؤ کی سرزمین پر پہلی نماز اسی شاندار مسجد میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد تمام لڑکے میدان کی طرف دوڑے اور وہ تمام لڑکے جو ابھی دیکھنے میں بالکل ملا مولوی نظر آرہے تھے کھیل کے میدان میں بھی کافی چاق وچوبند کھلاڑی تھے۔ ایک طرف والی بال کا کھیل شروع ہوا جس میں کئی اساتذہ اور مہتمم صاحب بھی شریک تھے۔ وہ لوگ لڑکوں کے ساتھ مل جل کر کھیل رہے تھے۔ دوسری بائیں میدان میں فٹ بال جاری ہوئے تھی کافی دیر تک کھیل کا سلسلہ جاری رہا جب مؤذن نے مسجد سے اللہ اکبر کی صدا لگائی تو تمام لڑکے میدان چھوڑ کر

وضو کرنے کے لئے لپکے۔ جلدی جلدی وضو کیا اور پھر خدا کے حضور میں حاضر تھے۔ پڑھائی، نماز اور وقت پر کھیل سبھوں کے لئے ایک ضابطہ، ایک نظم اور ایک اصول بنا ہوا۔ اس انتظام کو دیکھ کر کوئی شخص بھی فخر کرسکتا ہے۔ تمام طلباء دے لباس میں ملبوس تھے قمیض، پیجامہ، سر پہ ٹوپی اور چہرہ پہ داڑھی گویا جس طرف سنے ٹھوک بجاکر دیکھئے پورے مولوی۔ مغرب کی نماز کے بعد تمام طلبہ ہوسٹل میں چلے گئے اور کھانے کی تیاری ہونے لگی۔ مسجد کے سامنے ہی دو منزلہ بڑا ہوسٹل ہے۔ یہ ہوسٹل ابھی زیر تعمیر ہے لیکن نیچے اور اوپر کی منزلیں بن گئی ہیں۔ ہر کمرے میں چار پانچ چارپائیاں بچھی ہیں جن پر طلباء نے اپنے بستر لگا رکھے ہیں۔ مغرب کے بعد ایک ہما ہمی رہتی ہے اور تمام لڑکے کھانا کھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں یہاں کی غذا چپاتیاں اور گوشت ہے۔ کھانے کے بعد لڑکوں نے اپنے کمروں میں مطالعہ شروع کردیا۔ بہت سے طلبہ کتابیں لے کر مسجد میں چلے گئے اور وہیں سبق یاد کرنے لگے۔ دارالعلوم کی عمارت رات میں بالکل سنسان رہتی ہے۔ چونکہ یہ شہر سے دور، آبادی سے فاصلہ پر اور بالکل الگ تھلگ ہے۔ اس لئے ہر قسم کے شور و ہنگامہ سے بالکل پاک صاف اور فضا بالکل پرسکون ہے۔ سڑک پورب پچھم جاتی ہے۔ سڑک کے شمال کی جانب ندوہ کی عمارت ہے اور جنوب میں گومتی ندی بہتی ہے۔ اس وجہ سے بھی فضا خنک اور اچھی رہتی ہے۔ بعد مغرب محترم بھائی صاحب نے کمرے میں کچھ پڑھنا شروع کیا اور میں ادھر ادھر گرد کا چکر لگانے چلا۔ نئے ہوسٹل (رواق سلیمانی) کے آگے جانب ایک پتلا راستہ جاتا ہے۔ ٹہلتا ہوا اس جانب روانہ ہوا۔ تھوڑے فاصلہ پر ایک دو منزلہ بڑی عمارت نظر آئی جو دیکھنے میں ایک ہوسٹل نظر آرہی تھی۔ چونکہ پہلے سن رکھا تھا کہ ندوہ کے بغل ہی میں لکھنؤ یونیورسیٹی کی عمارت ہے اس لئے اسے یونیورسیٹی کا ہوسٹل سمجھا۔ لیکن قریب جانے پر اس میں جو لڑکے نظر آئے اُن کے چہرہ پر ندوہ ہی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بھی ندوہ ہی کا ہوسٹل ہے۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ ندوہ کا ہوسٹل اتنا بڑا بھی ہوسکتا ہے۔ کمرے میں محترم بھائی صاحب سے ندوہ کی آمدنی دریافت کیا تو پتہ چلا کہ لڑکوں سے چارج لیا جاتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد جناب مولانا احمد قادری صاحب مجیبی کے صاحبزادے (فضل اللہ قادری) ملنے آئے یہ بھائی صاحب کے عزیز ہیں اور ایک سال سے یہیں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور گھر والوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ہر لڑکے سے تیئیس روپئے چارج یہاں لئے جاتے ہیں جس میں کھانا اور ہوسٹل چارج بھی ہیں۔ اتنی کم رقم میں اتنے بڑے ادارے کو چلانا اور نبھانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جس کے لئے منتظم حضرات کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہاں بعد مغرب فوراً کھانے کا رواج ہے۔ خادم صاحب نے آکر اطلاع دی کہ بغل کے کمرے میں کھانا چنا ہوا ہے۔ ہم لوگ وہاں گئے تو دسترخوان لگا ہوا تھا اور ایک صاحب اپنی بھت کے اوپر چہرے بشرے سے زمانہ دیکھے ہوئے تشریف فرما تھے۔ صاحب سلامت کے بعد ہم لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ کھانے میں اہتمام تھا۔ چپاتیاں گوشت اور ساتھ ہی چاول بھی۔ یوپی کا علاقہ عام طور سے روٹی خور مشہور ہے۔ لیکن دراصل یوپی دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ بنارس سے لے کر لکھنؤ تک کا یہ علاقہ ایسا ہے جہاں روٹی اور چاول دونوں دسترخوان پر رہتا ہے اور دونوں کھایا جاتا ہے۔ چاول سادہ نہیں پکتا جیسا کہ بہار میں پکتا اور بھات کہلاتا ہے۔ بلکہ گھی ڈال کر پکایا جاتا ہے جسے ہمارے یہاں "پلاؤ" کہتے ہیں۔ خیر دسترخوان پر اسے دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کبھی بھات کہنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ ورنہ ہم خواہ مخواہ ہنسے جاتے۔ کیونکہ سنا ہے بھات کہنے سے یوپی والے ہم بہاریوں پر ہنستے ہیں۔ ویسے میں سمجھتا ہوں کہ بھات کو چاول کہہ کر یوپی والے ظلم کرتے ہیں اور خواہ مخواہ اردو ادب سے ایک لفظ کی

کئی سال ہوئے یکایک اس ندی میں طغیانی آگئی اور اس نے قرب وجوار کی تمام چیزوں کو ڈبو دیا۔ کئی دنوں تک شہر پر اس کا راج رہا [illegible] نام نے ساتھ مجھے سیلاب کا تصور آیا اور پھر علی عباس حسینی کا افسانہ "چار دن چار راتیں" ذہن سے ٹکرایا جس میں تفصیل سے اس سیلاب کا نقشہ کھینچا گیا تھا لیکن حسین کے پاٹ نے منٹو کی یاد تازہ کر دی تھی۔ راہ ہی میں دور سے محترم بھائی صاحب نے ایک بڑے گنبد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہی مشہور و معروف آصف الدولہ کا امام باڑہ ہے گنبد کائیوں سے بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اب اس کی عظمت اور تاریخی حیثیت اہل لکھنؤ کے دل سے کم ہو رہی ہے اور حکومت بھی اس کی طرف سے بے توجہی برت رہی ہے اس کے علاوہ جو بڑی بڑی قدیم عمارتیں نظر آئیں ان پر حکومت کے کسی نہ کسی آفس کا بورڈ جھول رہا تھا۔ رکشہ پر فضا راہوں اور صاف و شفاف پختہ سڑک پر دوڑتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد ندوۃ العلماء کی عمارت نظر آئی اور پھر رکشہ صحن کے اندر داخل ہوا۔ بڑے گیٹ پر سنگ مرمر کے ٹکڑے پر دار العلوم ندوۃ العلماء کندہ تھا۔ یہ نام اس عظیم ادارے کا تھا جو اپنے پیچھے ایک شاندار ماضی رکھتا ہے جس نے بڑے بڑے اہل علم انشاء پرداز اور مفکر پیدا کئے اور جو آج بھی اپنے طرز کا واحد ادارہ ہے۔ اس کی عمارت بھی برج اور میناروں سے آراستہ نظر آتی ہے۔ چند مزدور ایک مینار کی مرمت کر رہے تھے۔ اندر داخل ہونے پر ایک نوجوان پر نظر پڑی چہرہ پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ ہم لوگوں کو آتا دیکھ کر بڑھ کر السلام علیکم کہا۔ پوچھا گیا مہتمم صاحب کا ڈیرہ کہاں ہے؟ انہوں نے رہبری کی اور ہم لوگوں کو ان کے ڈیرے تک پہنچا دیا مہتمم صاحب جناب مولانا ابو العرفان صاحب ہم لوگوں کے لئے نئے تھے اور ہم لوگ ان کے لئے لیکن یہ جان کر کہ یہ سواری پٹنہ سے آ رہی ہے اور محترم بھائی صاحب سے متعارف ہو جانے کے بعد بہت ہی اخلاق سے پیش آئے۔ سامان رکھوایا۔ اور فوراً ہی چائے منگوائی ایک کپ گرم چائے نے تھکاوٹ میں بہت کمی کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے مہمان خانے کے خادم کو بلایا اور مہمان خانے میں ایک کمرہ ٹھیک کرنے کو کہا۔ یہ خادم صاحب بھی جن کا نام عبد الحمید ہے ماشاء اللہ پورے مسلمانی شکل میں تھے۔ بھرا چہرہ داڑھی اور سر پر ٹوپی۔ انہوں نے مہمان خانے کے ایک کمرہ میں دو چارپائیاں بچھا دیں۔ ان پر بستر لگائے ٹیبل فین رکھا گویا مسافروں کو گھر سے بھی زیادہ آرام پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کمرے کے سامنے ہی غسل خانہ تھا جس میں غسل کرنے کے لئے پانی تیار تھا۔ مہمان خانے کے بغل میں ہی دار العلوم کی شاندار مسجد ہے۔ کافی بڑا پختہ صحن، دروازے کے پاس ہی وضو کرنے کے لئے کئی کل (ٹیپ) لگے ہوئے۔ مسجد کی چھت پر دونوں کناروں پر دو بڑے بڑے مینارے دل پر مسجد کی عظمت بیٹھاتے ہیں مسجد کا اندرونی حصہ بھی بہت ہی خوبصورت اور وسیع ہے۔ ہر چار فیٹ پر چھت سے پنکھے لگے ہوئے ہیں اور ریلیف اور مرکری ٹیوب سے پوری مسجد سجی ہے۔ عصر کے نماز کی تکبیر ہوئی ہم لوگ مسجد پہنچے۔ نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد پیچھے نظر ڈالی تو پوری مسجد بھری ہوئی تھی۔ کئی صفیں صرف دار العلوم کے طلباء کی تھیں۔ ہر صف میں تقریباً چالیس نمازی تھے اور پوری مسجد میں دس صفیں تھیں۔ اس طرح لکھنؤ کی سرزمین پر پہلی نماز اسی شاندار مسجد میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد تمام لڑکے میدان کی طرف دوڑے اور وہ تمام لڑکے جو ابھی دیکھنے میں بالکل ملا مولوی نظر آ رہے تھے کھیل کے میدان میں بھی کافی چاق و چوبند کھلاڑی تھے۔ ایک طرف والی بال کا کھیل شروع ہوا جس میں کئی اساتذہ اور مہتمم صاحب بھی شریک تھے۔ وہ لوگ لڑکوں کے ساتھ مل جل کر کھیل رہے تھے۔ دوسری جانب میدان میں فٹ بال جمائے ہوئے تھی کافی دیر تک کھیل کا سلسلہ جاری رہا جب مؤذن نے مسجد سے اللہ اکبر کی صدا لگائی تو تمام لڑکے میدان چھوڑ کر

وضو کرنے کے لئے لپکے۔ جلدی جلدی وضو کیا اور پھر خدا کے حضور میں حاضر تھے۔ پڑھائی نماز اور وقت پر کھیل سبھوں کے لئے ایک خاص ایک نظم اور ایک اصول بنا ہوا اس انتظام کو دیکھ کر کوئی شخص بھی فخر کر سکتا ہے۔ تمام طلبا سادے لباس میں ملبوس تھے قمیص، پیجامہ، سر پہ ٹوپی اور چہرہ پہ داڑھی گویا جس طرف سے سڑک بچا کر دیکھئے پورے مولوی۔ مغرب کی نماز کے بعد تمام طلبہ ہوسٹل میں چلے گئے اور کھانے کی تیاری ہونے لگی۔ مسجد کے سامنے ہی دو منزلہ بڑا ہوسٹل ہے۔ یہ ہوسٹل ابھی زیر تعمیر ہے لیکن نیچے اور اوپر کی منزلیں بن گئی ہیں۔ ہر کمرے میں چار پانچ چارپائیاں بچھی ہیں جن پر طلبا اپنے بستر لگا رکھے ہیں۔ مغرب کے بعد ایک ہماہمی رہتی ہے اور تمام لڑکے کھانا کھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہاں کی غذا چپاتیاں اور گوشت ہے۔ کھانے کے بعد لڑکوں نے اپنے کمرے میں مطالعہ شروع کر دیا۔ بہت سے طلبہ کتابیں لے کر مسجد میں چلے گئے اور وہیں سبق یاد کرنے لگے۔ دار العلوم کی عمارت رات میں بالکل سنسان رہتی ہے۔ چونکہ یہ شہر سے دور، آبادی سے فاصلہ پر اور بالکل الگ ہے۔ اس لئے ہر قسم کے شور و ہنگامہ سے بالکل پاک صاف اور فضا بالکل پر سکون ہے۔ سڑک پورب پچھم جاتی ہے۔ سڑک کے شمال کی جانب ندوہ کی عمارت ہے اور جنوب میں گومتی ندی بہتی ہے۔ اس وجہ سے بھی فضا خنک اور اچھی رہتی ہے۔ بعد مغرب محترم بھائی صاحب نے کمرے میں کچھ پڑھنا شروع کیا اور میں ارد گرد کا چکر لگانے چلا۔ نئے ہوسٹل (رواق سلیمانی) کے آگے جانب ایک پتلا راستہ جاتا ہے ٹہلتا ہوا اس جانب روانہ ہوا۔ تھوڑے فاصلہ پر ایک دو منزلہ بڑی عمارت نظر آئی جو دیکھنے میں ایک ہوسٹل نظر آ رہی تھی۔ چونکہ پہلے سن رکھا تھا کہ ندوہ کے بغل ہی میں لکھنؤ یونیورسیٹی کی عمارت ہے اس لئے اُسے یونیورسیٹی کا ہوسٹل سمجھا۔ لیکن قریب جانے پر اس میں جو لڑکے نظر آئے اُن کے چہرہ پر ندوہ ہی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بھی ندوہ ہی کا ہوسٹل ہے۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ ندوہ کا ہوسٹل اتنا بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ کمرے میں محترم بھائی صاحب سے ندوہ کی آمدنی دریافت کیا تو پتہ چلا کہ لڑکوں سے چارج لیا جاتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد جناب مولانا احمد قادری صاحب مجیبی کے صاحبزادے (فضل اللہ قادری) ملنے آئے یہ بھائی صاحب کے تزئین میں رہ ایک سال سے یہیں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور گھر والوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ہر لڑکے سے بتیس روپے چارج یہاں لئے جاتے ہیں جس میں کھانا اور ہوسٹل چارج بھی ہیں۔ اتنی کم رقم میں اتنے بڑے ادارے کو چلانا اور نبھانا بڑے دل گردے کا کام ہے جس کے لئے منتظم حضرات کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہاں بعد مغرب فوراً کھانے کا رواج ہے۔ خادم صاحب نے آ کر اطلاع دی کہ بغل کے کمرے میں کھانا چنا ہوا ہے۔ ہم لوگ وہاں گئے تو دسترخوان لگا ہوا تھا اور ایک صاحب اچھی صحت کے اور چہرے بشرے سے زمانہ دیکھے ہوئے تشریف فرما تھے۔ صاحب سلامت کے بعد ہم لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ کھانے میں اہتمام تھا۔ چپاتیاں گوشت اور ساتھ ہی چاول بھی۔ یوپی کا علاقہ عام طور سے روٹی خور مشہور ہے۔ لیکن دراصل یوپی دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ بنارس سے لے کر لکھنؤ تک کا یہ علاقہ ایسا ہے جہاں روٹی اور چاول دونوں دسترخوان پر رہتا ہے اور دونوں کھایا جاتا ہے۔ چاول سادہ نہیں پکتا جیسا کہ بہار میں پکتا اور بھات کہلاتا ہے۔ بلکہ گھی ڈال کر پکایا جاتا ہے جسے ہمارے یہاں 'پلاؤ' کہتے ہیں۔ خیر دسترخوان پر اسے دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کبھی بھات کہنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ ورنہ ہم خواہ مخواہ ہنسے جاتے۔ کیونکہ سنا ہے بھات کہنے سے یوپی والے ہم بہاریوں پر ہنستے ہیں۔ ویسے میں سمجھتا ہوں کہ بھات کو چاول کہہ کر یوپی والے ظلم کرتے ہیں اور خواہ مخواہ اردو ادب سے ایک لفظ کی

کی تخریب کرتے ہیں۔ کھانے میں مہتمم صاحب بھی شامل رہے جو میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ دوران کھانا ہی میں معلوم ہوا کہ حضرت یہاں کے سابق مہتمم جناب مولانا عمران صاحب ہیں جن کا نام ندوہ میں پڑھنے والے اپنے پرانے ساتھیوں سے بار بار سن چکا تھا۔ یہ اپنے حسن انتظام اور سختی کی وجہ سے یہاں بہت شہرت رکھتے ہیں۔ لڑکے ان کے نام سے کانپا کرتے تھے۔ بھوپال کے رہنے والے ہیں اور خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ سال ہوئے اپنی خدمت سے سبکدوش ہو کر گھر چلے گئے ہیں اور وہیں اپنے کاروبار میں مشغول ہیں۔ یہ بھی مجلس تحقیقات شرعیہ کی میٹنگ میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ کھانے کے دوران میں ان سے مختلف موضوع پر دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ انہوں نے محترم بھائی صاحب کو پہلے بھی بھوپال آنے کی دعوت دی تھی۔ یہاں اس کا پھر تذکرہ کیا اور اصرار کرتے رہے کہ جب کبھی موقع ہو بھوپال ضرور تشریف لائیے۔ دوران گفتگو ہی میں مہتمم صاحب نے بتایا کہ

مجلس مشاورت میں شرکت کے لئے جب مولانا منت اللہ صاحب امیر شریعت تشریف لائے تھے تو اسی کمرے میں ٹھہرے تھے جہاں سے رات کے وقت ان کا سامان کسی نے غائب کر دیا۔ دوسرے دن بہت تلاش جستجو کے بعد سامان کا زیادہ حصہ باغ میں پڑا مل گیا۔ یہ سن کر ایک ـــــ صاحب کے کان کھڑے ہوئے اس لئے کہ وہ اکیلے ہی اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اسی شب میں انہوں نے اپنا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا۔

دوسرے دن سویرے ہی سے مجلس تحقیقات شرعیہ کے ارکان کی آمد شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے جناب منت اللہ صاحب رحمانی تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد رکشہ سے مفتی عتیق الرحمن صاحب ورکنگ صدر جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا ابو اللیث صاحب ندوی امیر جماعت اسلامی ہند تشریف لائے۔ یہ حضرات ساتھ ہی دلی سے وارد ہوئے۔ تقریباً ۹ بجے مولانا ابو الحسن صاحب ندوی بھی شہر سے آ گئے۔ ان کے ساتھ ہی مولانا منظور نعمانی صاحب بھی تھے۔ جب تمام حضرات جمع ہو گئے تو جناب عبد الماجد صاحب دریابادی بھی تشریف لائے۔ مولانا موصوف وقت کے بہت پابند ہیں۔ اس لئے جو وقت انہیں فون پر بتلایا گیا تھا ٹھیک اسی وقت تشریف لائے۔ ادھر جلسہ کی کارروائی مولانا عبد الماجد صاحب کی صدارت میں شروع ہوئی۔ ادھر میں نے لکھنؤ یونیورسٹی دیکھنے کا پروگرام بنا لیا۔ تھوڑی دیر کے لئے یہاں سے راہیں بدل جاتی ہیں۔ جو حضرات کارروائی سے دلچسپی لینا چاہتے ہیں وہ کوائف و حالات کے اس صفحہ کو پڑھیں جس میں مجلس کی کارروائی درج کی گئی ہے اور جو حضرات سیاحی کے رسیا ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں۔

(باقی آئندہ)

شیخ سعدی شیرازی کی حیات کا اجمالی خاکہ

از مولانا محمد زکریا قالب آزادی (فاضل مجیبی)

فصیح المتکلمین شیخ سعدی شیرازی کا نام علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ۔۔۔۔۔ ان کے علمی و ادبی کارناموں سے سب اہل علم و فن بخوبی واقف ہیں ۔۔۔۔۔ جنہوں نے اپنی نگارشات سے چمنستان فارسی کی آبیاری کی ۔۔۔۔۔ وہ ایک طرف کمالات علمی میں امتیازی شان رکھتے تھے تو دوسری طرف حسن و اخلاق کے لحاظ سے بے مثل تھے ۔۔۔۔۔ ان کی شخصیت فی زمانہ مغتنمات میں سے تھی ۔۔۔۔۔ جس کی جادو بیانی اور فصاحت و بلاغت کا چرچا آپ کی زندگی ہی میں تمام ایران، ترکستان، تاتار اور ہندوستان میں اس قدر پھیل گیا تھا کہ اس زمانہ کی حالت پر غور کرنے سے اس پر مشکل سے یقین آتا ہے ۔۔۔۔۔ جس نے گلستان اور بوستان جیسی کتاب تصنیف کی۔ فارسی زبان میں کوئی کتاب اس سے زیادہ مقبول و مطبوع نہیں۔ تاتار، ایران، ترکستان، افغانستان اور ہندوستان میں ان دونوں کتابوں کی تعلیم ساڑھے چھ سو برسوں سے برابر دی جا رہی ہے بچپن میں اس کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور پیری تک شوق رہتا ہے لاکھوں اساتذہ نے ان کتابوں کا درس دیا کروڑوں متعلمین نے اسے پڑھا اور بہرہ اندوز ہوئے۔ مشرق و مغرب کی اکثر زبانوں میں ان کے تراجم ہوئے۔ علماء و مشائخ نے ان کی عزت کی۔ سلاطین نے ان کو سلطنت کا دستور العمل بنایا۔ شعراء نے ان کی فصاحت و بلاغت کے آگے سر تسلیم خم کیا ۔۔۔۔۔ ان کا نام جس طرح ایشیا میں مشہور ہے اسی طرح یورپ میں بھی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے ۔۔۔۔۔ اسی مصلح الاسلام والمسلمین شیخ سعدی شیرازی کی مختصر زندگی حیات اور طرز زندگی اہل ذوق کی دلچسپی و بہرہ یابی کی خاطر قلمبند کر رہا ہوں۔

اسم گرامی اسم شریف شرف الدین، معزز لقب مصلح اور تخلص سعدی[1] ہے۔ پورا نام شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی ہے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبداللہ شیرازی ہے۔ نہایت باخدا و متشرع آدمی تھے عبادت و ریاضت تقویٰ و طہارت آپ کا شیوہ شعار تھا

---

[1] علامہ الطاف حسین متخلص بہ حالی نے اپنی کتاب حیات سعدی میں لکھا ہے کہ چونکہ شیخ سعد زنگی کے عہد میں شعر کہنا شروع کیا تھا اس لئے شیخ نے اپنا تخلص سعدی قرار دیا۔ اور شعر العجم مصنفہ علامہ شبلی نعمانی میں لکھا ہے کہ شیخ کے والد ملک سعد زنگی کے یہاں خدمت پر مامور تھے اس لئے شیخ نے اپنا تخلص سعدی منتخب کیا اور سوانح سعدی میں بھی الساہی تحریر ہے۔

مزاج درویشی تھا۔ سلطان اتابک سعد زنگی کے یہاں خدمت پر مامور تھے، مقبول و مقرب دربار تھے۔

ولادت باسعادت آپ کا مولد فارس کا مشہور و معروف، مردم خیز شہر شیراز ہے جو صدہا سال ایران کا پایۂ تخت رہا۔ مدرعلم و فن کا گہوارہ بنا رہا۔ علماء، فضلاء، ادباء، شعراء، فصحاء، بلغاء کی جماعت کثیر پیدا ہوئی جس کو مسلمان ایرانیوں نے دارالعلوم کے لقب سے ملقب کیا۔ شیخ کا سن ولادت یقینی طور پر معلوم نہیں اور نہ شیخ کے کسی قول سے صاف پتہ چلتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ سال مذکور سے بہت پہلے اتابک مظفرالدین تکلہ بن زنگی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے[لہ]

عہد طفولیت شیخ کے والد بزرگوار نے شیخ کو عہد طفولیت ہی میں تربیت اس طرح دی کہ جس طرح عارف سالک اپنے مرید کو تزکیۂ نفس کی منزلیں طے کراتا ہے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ شیخ کو بچپن میں زہد و عبادت کی زیادہ ترغیبت تھی اور بچپن میں شب بیداری تلاوت قرآن کا بدرجۂ کمال شوق تھا۔ عید وغیرہ کے موقعوں پر ہمیشہ اپنے والد کے ہمراہ رہتے اور آوارہ نہیں پھرتے تھے۔

ایک بار شیخ رات کو نفل پڑھ رہے تھے اور دوسرے لوگ بے خبر غافل سو رہے تھے۔ آپ نے اپنے والد سے کہا کہ یہ لوگ کیسے بے خبر سو رہے ہیں۔ کاش ان کو توفیق ہوتی تو وہ اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھ لیتے۔ والد نے کہا لخت جگر ایسی غیبت کرنے سے اچھا ہے کہ اوروں کی طرح تم بھی سو جاؤ۔ محبت و تربیت کے خیال سے ہمیشہ ساتھ رکھتے اور افعال و اقوال پر کڑی نگاہ رکھتے۔ بے موقع اور فضول بات کرنے پر زجر و توبیخ کرتے

شیخ کے والد نے جب آپ کو مکتب میں پڑھنے کیلئے بٹھایا تو ایک تختی، کاغذ اور ایک طلائی انگوٹھی خرید کر دی۔ یہ اس وقت اس قدر کمسن تھے کہ کسی نے مٹھائی دیکر انگوٹھی حاصل کر لی چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

ز عہد پدر یاد دارم ہمے   کہ باران رحمت برو ہر دمے
کہ در طفلیم لوح و دفتر خرید   ز بہرم یکے خاتم زر خرید
بدر کرد ناگہ یکے مشتری   بشیرینی از دستم انگشتری

شیخ عبداللہ شیرازی پدر سعدی شیرازی شیخ کے عہد طفولیت ہی میں وفات پاگئے اور شیخ جس ناز و نعمت سے پل رہے تھے وہ سامان عیش و عشرت ہمیشہ کیلئے جاتے رہے۔ فرماتے ہیں ؎

من آنگہ سر تاجور داشتم   کہ سر در کنار پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستے مگس   پریشان شدے خاطر چند کس
کنوں دشمناں گر برندم اسیر   نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلاں خبر   کہ در طفلی از سر برفتم پدر

لہ سوانح سعدی ۱۲

پھر آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا پاس رکھا اور نہایت ہی اعلیٰ طریقہ پر تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔

تعلیم و تربیت شیخ نے ہوش سنبھالتے ہی شیراز اور اس کے قرب و جوار اطراف و اکناف، نواحی و مضافات میں علماء دستار کی ایک جمعیت کثیر نے دیکھی تو کسب علم کا شوق دامن گیر ہوا۔ اگرچہ دار العلوم شیراز میں تحصیل علم کا سامان مہیا تھا۔ مدرسہ عضدیہ جس کو عضد الدولہ دیلمی نے قائم کیا تھا۔ اس کے سوا دیگر مدارس وہاں موجود تھے لیکن شیخ کو شیراز میں امن و آسائش نصیب نہ تھا ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثے است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من آنجا زادم

چنانچہ آپ نے ترک وطن کیا اور بغداد کی طرف شد رحال فرمایا۔ وہاں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلان ۴۵۹ھ کا قائم کردہ مدرسہ نظامیہ آباد تھا۔ یہ اس دور کا سب سے بڑا مدرسہ تھا جسے یونیورسٹی کہہ سکتے ہیں۔ یہاں سے ہزاروں جلیل القدر عالم تعلیم پاکر نکلے۔ استاد الائمہ ابو حامد عماد الدین موصلی شیخ عبد القادر سہروردی امام ابو حامد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہستیاں قابل ذکر ہیں۔

شیخ نے بھی اسی مدرسہ مذکور میں داخلہ لیا اور کچھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا اور آپ حصول علم میں منہمک ہو گئے۔ شیخ کے اساتذہ میں سب سے زیادہ نامور علامہ ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی کی ذات ہے۔ جن کا لقب جمال الدین ہے۔ فن تفسیر و حدیث میں امام الوقت تھے۔

شیخ نے اپنی سعی پیہم اور کوشش بلیغ سے قلیل عرصہ میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فرائض اور دیگر درسیات کی بالاستیعاب تکمیل کرکے سند فراغت حاصل کرلی۔

شیخ نے تحصیل علم میں فلسفہ و حکمت کی طرف توجہ کم دی۔ زیادہ تر ان کی وجہ دینیات، اخلاقیات، علم سلوک، علم ادب، علم معرفت و طریقت کی طرف مائل رہی۔ بالخصوص وعظ و خطابت سے۔

شیخ سعدی کو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی خدمت بابرکت میں حاضری کا شرف حاصل ہے۔ شیخ نے انہیں سے تصوف و سلوک کی تعلیم پائی اور ان کی فیض صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس کے واسطے بیعت حاصل کی [illegible] اپنا پیر و مرشد تسلیم کرلیا۔ چنانچہ شیخ کی شان میں فیضان میں ایک قطعہ لکھا

مرا پیر دانائے فرخ شہاب
[illegible]
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش
دوم آنکہ بر [illegible]

شیخ [illegible] سے فارغ ہوئے [illegible]
[illegible]

جلوہ گر ہوئیں۔ آپ شاعر تھے، صوفی تھے، فقیہ تھے، واعظ تھے، حسن پرست تھے، شوخ طبع تھے۔ شیخ نے سیر و سیاحت کے ذریعہ تماشاگاہ عالم کو ہر پہلو سے دیکھا۔

شیخ کے سفر جس قدر گلستاں اور بوستاں سے ثابت ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ مشرق میں خراسان، ترکستان اور تاتار گئے اور کاشغر میں قیام فرمایا۔ جنوب میں سومنات کی مندر تک آئے اور سومنات سے مغربی ہندوستان میں پھر دریا کی راہ سے عرب پہنچ گئے۔ شمال اور مغرب کی طرف عراق، عجم، آذربیجان، عرب، شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک میں چند بار ان کا گذر ہوا۔ اصفہان، تبریز، بصرہ، کوفہ، واسط، بیت المقدس، طرابلس الشرق، دمشق، دیار بکر اور اقصائے روم کے بلاد اور قریوں میں مدتوں آمد و رفت رہی ہے۔ مغرب کی جانب عرب، افریقہ میں ان کا متعدد بار جانا اور قیام کرنا معلوم ہوتا ہے۔ نیز ہندوستان سے وقت مراجعت یمن میں جانا، مقام صنعا میں مقیم رہنا، حجاز پہنچنا، اسکندریہ، مصر، اور حبش کے واقعات آپ کے کلام میں ملتے ہیں اور شیخ کا چودہ بار پیادہ حج و زیارت کو جانا ثابت ہے۔ بعض مواقع میں شیخ کو نہایت سخت صعوبتوں سے دو چار ہونا پڑا۔

گلستاں میں لکھتے ہیں: میں نے زمانہ کی سختی اور آسمان کی گردش کا کبھی شکوہ نہیں کیا مگر ایک موقع پر دامن صبر و استقلال ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس وقت میرے پیر میں جوتی تھی اور نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا۔ اسی حال مغموم و محزون کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا۔ وہاں میری (نظر) ایک ایسے شخص پر پڑی جس کے پیر ہی نہ تھے اس وقت میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ننگے پیر غنیمت سمجھے۔

ایک دفعہ شیخ نے لوگوں کی صحبت سے گھبرا کر بیت المقدس کے صحرا میں بادیہ نوردی اختیار کی۔ عیسائیوں نے انہیں پکڑ لیا اور طرابلس میں خندق کھودنے پر مامور کر دیا۔ شیخ بہت پریشان ہو گئے۔ اچانک ایک قدیم دوست ادھر سے گزر رہا تھا اس نے دیکھ کر خیریت پوچھا۔ شیخ نے فرمایا۔ جو شخص آدمیوں سے بھاگتا ہو جب جانوروں میں پھنس جائے تو کیا خیریت ہو گی۔ دوست رحم دل نے فدیہ دے کر چھٹکارا دلایا اور اپنے ہمراہ حلب میں لا کر مزید عنایت سے سو اشرفی مہر پر اپنی صاحبزادی کے ساتھ شادی کر دی لیکن صاحبزادی شوخ اور زبان دراز تھی جس کے سبب شیخ سے اَن بَن رہتی۔ ایک دن کہنے لگی تم اپنے کو بھول گئے؛ تم وہی ہو میرے باپ نے دس دینار دے کر چھڑایا تھا۔ شیخ نے جواب میں کہا ہاں دس دینار دے کر چھڑایا لیکن پھر سو دینار میں گرفتار کر دیا۔

شیخ کی دوسری شادی مقام صنعا میں جو یمن کا دار السلطنت تھا کر لیا اور اولاد بھی ہوئی جن کو حیات راس نہ آئی اور بچپن ہی میں جاتے رہے۔ جس کا شیخ کو بے حد صدمہ عظیم ہوا۔ بوستاں میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے ؎

بہ صنعا درم طفلے اندر گذشت
چہ گویم کزانم چہ بر سر گذشت

ایک دفعہ جامع بعلبک میں مشغول وعظ نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے معنی اور مطلب بیان فرما رہے تھے۔ اہل مجلس افسردہ حال تھے کسی پر اثر نہ ہو رہا تھا۔ اتفاقاً ایک راہی گزرا۔ بیان سن کر ایسا پرجوش نعرہ مارا کہ دوسرے

ساتھ بیٹھ گئے، اور مجلس گرم ہوئی۔ شیخ کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ ” دوران بابصر نزدیک و نزدیکاں بے بصر دور

ایک مرتبہ شام یا عراق کے کسی شہر میں جہاں آپ کے تعلقات و آشنائی کم تھی کسی طرح قاضی بلد کی مجلس میں گذر ہوا۔ اس وقت آپ پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس شکستہ حال تھے۔ مجلس میں فقہا، علما تزک و احتشام سے جلوہ افروز تھے۔ شیخ سادگی سے سب کے برابر جا بیٹھے۔ میر دربار جو حسب مراتب لوگوں کو بٹھانے پر مامور تھا اس جگہ سے سختی کے ساتھ اٹھا دیا، اور کہا ؎

ندانی کہ برتر مقام تو نیست

فروتر نشین یا بر و یا بایست

شیخ کو بمشکل مجلس کے کنارے جگہ مل سکی۔ حسب معمول اس وقت کسی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی، مسئلہ کسی سے حل نہ ہو رہا تھا، شیخ نے جب دیکھا کہ کسی نے فیصلہ کن بات نہ کہی اور سب نے خاموشی اختیار کر لی۔ تو شیخ نے ذرا توقف کے بعد دور ہی سے آواز بلند کہا۔ اگر مجھ کو اجازت مرحمت فرمائی جائے تو اس باب میں کچھ عرض کردوں ؎

کہ برہان قوی باید و معنوی

نہ رگہائے گردن بحجت قوی

یکایک سب کی نگاہ شیخ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ شیخ نے اس مسئلہ پیچیدہ ولاینحل کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ سہل اور حل فرما دیا ہر طرف سے تحسین و آفریں ہونے لگی۔ قاضی نے مسند چھوڑ دی اور عمامہ سر سے اتار کر شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے فوراً فرمایا: یہ غرور کا اوزار مجھے نہیں چاہیئے اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ایک سال شیخ اسکندریہ میں مقیم تھے۔ قحط نہایت سخت پڑ رہا تھا جس میں لوگ آدمی کو زندہ بھون کر کھا جاتے اس زمانہ میں وہاں ایک مخنث نہایت دولت مند تھا جس نے خوان کرم کھول رکھا تھا۔ غریبوں اور پردیسیوں کو اس کے یہاں سے کھانا ملا کرتا تھا۔ شیخ کے رفقا نے اس کے یہاں دعوت میں چلنے کی تحریک کی۔ شیخ نے خودداری کا پاس رکھتے ہوئے دعوت میں چلنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا یہ کہ شیر بھوکا مرنا پسند کرتا ہے مگر کتے کا جھوٹا پسند نہیں کرتا ؎

نہ خورد شیر نیم خوردہ سگ

ور بسختی بمیرد اندر غار

(باقی آئندہ)

افادات

از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب اگر بیسوں آدمی یا جمیع المومنین والمومنات کے نام ایک جا بخشا جائے تو اس ثواب کا فائدہ ہر شخص کو برابر پہنچے گا یا جو ایک مقدار اللہ ذو الجلال والکرام نے (ان آیات مبارکہ کی جو فاتحہ میں پڑھی گئی ہیں) مقرر فرمائی ہے بحساب رسدی تقسیم ہو جائے گا؟ اس مسئلہ کا جواب از روئے قرآن مجید، حدیث شریف یا فقہ حنفی و دیگر اماموں (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے مدلل طور پر ثابت کر کے رسالہ معارف میں شائع کر کے مسلمین کو مستفید کیا جائے۔

الجواب

واللہ الملھم بالصدق والصواب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وحبیبہ سیدنا محمد والہ واصحابہ واحبابہ اجمعین۔ جس طرح کسی ایک موتی کی روح کو ہدیہ کرنے پر ثواب کامل پہنچے گا اگر ایک سے زیادہ جتنی ارواح کو شامل کر لیا جائے یا جمیع مومنین ومومنات متوفیان کے نام بخشا جائے تو بھی سب کو اسی طرح کامل پہنچے گا۔ زیادہ لوگوں کا فتویٰ یہی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کوئی شخص نماز یا صدقہ یا اس کے سوا نیک کام کرے اور اس کا نصف ثواب اپنے ماں یا باپ کی روح پر ہدیہ کرے تو کیا جائز ہو سکتا ہے۔ فرمایا ارجو میں امید کرتا ہوں اس کے پہنچ جانے کی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ثواب نصف ہی بھیجے تو بھی پہنچے گا لیکن اس رائے میں یہ تنہا ہیں دوسرے لوگ شریک نہیں۔ جو لوگ ان کی رائے کے شریک نہیں ہیں ان کی دلیل ثواب کی حقیقت ظاہر کرنے میں بیان کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بحث یہ ہے کہ ثواب ہدیہ کیا جاتا ہے۔ وہ اس عالم میں پہنچ کر زیادہ ارواح پر تقسیم ہو جائے گا۔ یا سب کو پہنچے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ کے قول سے اس کا فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ثواب کا مالک ہونے کی حیثیت سے اس کا نصف حصہ اپنے ملک میں رکھنا اور نصف حصہ باپ یا ماں کو پہنچانا ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ثواب صدقہ یا نماز وغیرہما کا اپنے باپ ماں دونوں کے نام سے بھیجے تو دونوں میں نصف تقسیم ہو جائے گا۔

اب میں ثواب کے معنی اور اس کی حقیقت بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی دلیل بیان کروں گا جو کہتے ہیں کہ کامل پہنچتا ہے میرے نزدیک صحیح تو اب یہی ہے کلام اللہ اور احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ثواب کامل پہنچے گا۔ ثواب اس کے معنی ہیں صلہ۔ جزا۔ بدلہ۔ مزدوری۔
دنیا مادی عالم ہے۔ دنیاوی کاموں کی مزدوری جو دنیا ہی میں ملتی ہے وہ بھی مادی ہوتی ہے۔

دنیاوی زندگی میں انفاق و تصدق کا بدلہ یا اس کا اجر اگر خدائے کریم کسی کو دیتا ہے تو وہ مال کی برکت اور زیادتی کی صورت میں دیتا ہے جیسا کہ لوگ بولتے ہیں دہ در دنیا۔ یعنی ایک روپیہ نفع خلائق کے کسی کام میں خرچ کیا تو اس کا بدلہ کسی ذریعہ سے خدا نے دس روپیہ دلوایا۔

دنیا کے کام کی مزدوری دنیا ہی میں مل جائے اس کے ثبوت میں خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔

ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منھا	جو دنیا کا اجر چاہتا ہے تو اس کو ہم اسی سے دیتے ہیں۔ (سورہ آل عمران ع)

یہ دنیاوی اجر جو دنیا ہی میں ملتا ہے مادی ہونے کے سبب سے جزو و تقسیم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس کو ایصال ثواب کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ثواب عالم آخرت کی نسبت ارشاد خداوندی قرآن مجید میں ہے۔

ومن یرد ثواب الاخرۃ نؤتہ منھا۔	اور جو آخرت کا ثواب چاہے تو اسے ہم اسی سے دیں گے (سورہ آل عمران ع)

عالم آخرت کے آسمان و زمین عالم دنیا کے آسمان و زمین کے سوائے کچھ اور ہوں گے۔ یہ زمین و آسمان نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے۔

یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات (سورہ ابراہیم ع۷)	جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی دوسری زمین سے اور آسمان سب سے۔

تو آخرت کا ثواب بھی ویسا نہ ہو۔ جیسا کہ دنیا کا ثواب اوپر بیان کیا گیا ہے اور ثواب آخرت قیامت کے دن کی پرسش اعمال و خیر و شر کے موازنہ کے بعد ملے گا۔ اور یہ ثواب بتفصیل قرآن مجید میں ہے۔ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک عالم اور ہے اور جس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔

عالم برزخ مادی عالم نہیں۔ اس لئے برزخ میں ملنے والا اجر بھی مادی نہیں۔ عالم برزخ کا ثواب ایک کیفیت ہے اور کیفیت جزو و تقسیم نہیں ہو سکتی۔ میت کی روح عالم برزخ میں ہے۔ ایصال ثواب یعنی ثواب کا بھیجنا اسی عالم برزخ میں ہوتا ہے اور اس عالم برزخ کا ثواب بہ سبب غیر مادی ہونے کے جزو جزو نہیں ہو سکتا تو جس طرح ایک میت کی روح کو وہ ثواب کامل پہنچے گا۔ سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں ارواح کو بھی کامل ہی پہنچے گا۔ جزو و تقسیم جس چیز کے اندر ہوگی وہ اپنی پہلی صورت میں نہیں رہ سکتی۔ اس کی اصل مقدار

درجات میں مردود کی آجائے گی اور فرق ہوجائے گا۔

اب کلام اللہ اور احادیث میں غور وتامل فرمائیے تو معلوم ہوجائے گا کہ ثواب میں کمی ہونے سے دونوں میں انکار ہے۔

کلام اللہ کی آیت شریفہ یہ ہے۔

والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم وما التناهم من عملهم من شئ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں انکی پیروی کی تو ان کی اولاد کو (درجہ میں) ہم ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے۔

(سورہ طور رکوع ۱)

اس آیت شریفہ میں التناهم من عملهم من شئ سے ثابت ہوا کہ سابقین کے عمل کو خدائے کریم کم نہیں کرتا اور لاحقین کو مثل سابقین کے عطا فرماتا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرة وان تك حسنة یضاعفها (سورہ نساء ع ۶)

خدا ذرہ بھر ظلم (یعنی کسی کے ثواب میں کم کرکے حق تلفی) نہیں کرتا۔ اگر ایک نیکی ہو تو اس کو دوگنا کردیتا ہے۔

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوا کہ کسی کے جزائے اعمال میں سے ذرہ بھر بھی کم کرنا خدا کے نزدیک ظلم ہے اور وہ ظلم نہیں کرتا۔ یعنی کسی کی نیکی میں سے کم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی ہو تو بڑھا دیتا ہے اور دوگنا کردیتا ہے۔

حدیث میں بھی کمی کے متعلق نفی ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شئ

(صحیح مسلم کتاب الزکوة)

جو کوئی اسلام میں نیک روش نکالے تو اسے اجر اس کا ہے اور جو اس کے بعد وہ کام کرے اس کا بھی اسے ثواب ہے بغیر اس کے کہ ان (بعد والوں) کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے۔

دوسری حدیث

من دعا الی الهدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ینقص ذلك من اجورهم شیئا۔ الحدیث

جو کوئی ہدایت کی طرف بلائے تو اسے ثواب ہوگا مثل ان کے ثوابوں کے جنہوں نے اس کی پیروی کی۔ یہ ان کے ثوابوں میں سے کچھ گھٹائیگا بھی نہیں۔

دونوں آیتوں کی طرح ان دونوں حدیثوں سے بھی ثواب میں کم نہ ہونا ثابت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اس میں کمی نہیں کی جاتی تو زیادہ لوگوں کو وہ بحالہ کیونکر پہنچتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے کریم کے فضل سے جو بہت وسیع ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

لیجزیھم اللہ احسن ما عملوا ویزیدھم من فضلہ ط (سورۂ نور ع)

تاکہ خدا انہیں بہتر صلہ دے اس کا کہ انہوں نے کام کیا اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ (بھی) دے

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوگونا دس گونا سات سو گونا پھر اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے جس کو چاہے اس مضمون کے آیات شریفہ یہ بھی ہیں۔

من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا (سورہ انعام ع)

جو نیک کام کرے گا تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے۔

جزا یا مزدوری کام کے موافق ہوتی ہے۔ جب اس سے بہتر دی گئی تو یہ زیادتی فضل و کرم سے ہے۔

للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ (سورہ یونس ع)

جو نیکی کرتے ہیں (ان کے لئے) نیکی ہے اور زیادہ (بھی اس سے)

یہاں بھی نیکی کے علاوہ زیادتی کا وعدہ ہے۔

اولٰئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا

یہ لوگ بدلہ پائیں گے دوبار اس بات پر کہ انہوں نے صبر کیا۔ (سورۂ قصص ع)

اس آیۃ شریفہ میں دوبارہ یا یوں کہئے کہ دوہرا اجر دینے کا ارشاد ہے۔

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا (سورہ انعام ع)

جو ایک نیکی کرے گا تو اس کے لئے اس کا دس گونا (زیادہ) ہے۔

اس آیۃ شریفہ میں دوہرے اجر سے بھی زیادہ دس گونا دینے کی خبر دی گئی ہے۔

ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللہ قرضا حسنا یضعف لھم ولھم اجر کریم (سورہ حدید ع)

تصدق کرنے والے مردوں اور عورتیں اور جو خدا کو قرض حسنہ دیتے ہیں ان کو دوگونا دیا جائے گا اور ان کے لئے بدلہ اچھا ہے۔

اس آیۃ شریفہ میں دوگونا صلہ کے علاوہ اجر کریم دینے کی بشارت ہے۔

وان تک حسنۃ یضعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما (سورۂ نساء ع)

اور اگر ایک نیکی ہو تو اس کو دوگونا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بڑی مزدوری دیتا ہے۔

اس آیۃ شریفہ میں بھی دوگونا ثواب دینے کے علاوہ خاص اجر عظیم دینے کی خدائے کریم کی طرف سے بشارت ہے۔

ان تقرضوا اللہ قرضا حسنا یضعفہ لکم ویغفر لکم (سورۂ تغابن ع)

اگر خدا کو قرض [illegible] دوگے تو وہ تمہیں اس کا دوگونا دیگا تمہیں بخش [illegible] گا۔

اس آیۂ کریمہ میں دوگنا اجر دینے پر یہ فضل ہے کہ مغفرت کا وعدہ ہے۔

لیجزیھم اللہ احسن ما عملوا ویزیدھم من فضلہ ط واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ۵ (سورۂ نور ع۵) — تاکہ خدا انہیں بہتر صلہ دے اس کا کہ انہوں نے کام کیا ہے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ (بھی) دے اور خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں عمل سے بہتر صلہ پھر اپنے فضل وکرم سے اور بھی زیادہ دینے کا وعدہ ہے۔

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء واللہ واسع علیم (سورہ بقر ع۳) — ان کی مثال جو خدا کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی مثال ہے جس کی سات بالیں اگیں ہر ایک بال میں سو سو دانہ ہوں اور خدا (جس کے مال) کو چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ اور خدا کشائش والا جاننے والا ہے۔

اس آیۂ شریفہ میں ایک ایک چیز خدا کی راہ میں دینے کا صلہ سات سو گونا دینے کی بشارت پھر جس کو چاہے اس سے بھی دو چند دینے کی بشارت ہے۔

من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ اضعافا کثیرۃ (سورہ بقر ع۳) — کون ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کو دوگونا کرکے دے کثیر دوگونا۔

اس آیۂ کریمہ میں بغیر کسی اعداد کے تعین کے بہت زیادہ بڑھا دینے کی بشارت ہے یعنی بلا حساب۔

مرقومہ بالا آیات میں دوگونا یا دس گونا یا سات سو گونا۔ اس سے بھی زیادہ کثیر در کثیر گونا زیادہ دینے کی بشارات میں طلب کرنے کی شرط نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ کہیں فرمایا یؤت من لدنہ اپنے پاس سے دیتا ہے کہیں بتایا یزیدھم من فضلہ اپنے فضل سے انہیں زیادہ بھی دیتا ہے۔ جب بلا طلب یہ فضل وکرم ہے تو طلب کرنے سے بہت زیادہ ملنے کی امید رکھنی چاہیے۔ خصوصاً اس سبب سے کہ فضل وزیادتی مانگنے کا خدائے کریم نے حکم بھی دے رکھا ہے واسئلوا اللہ من فضلہ۔ ترجمہ اور خدا سے اس کا فضل مانگا کرو۔ (سورۂ نساء ع۵)۔

{بقیہ کوائف وحالات}

عرس حضرت تاج العارفین رضی اللہ عنہ :۔

حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ کا سالانہ عرس وایصال ثواب وفاتحہ ۱۹، ۲۰ جمادی الثانی مطابق ۲۶، ۲۷ اکتوبر بروز سہ شنبہ، منگل کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوگا۔

ماہ جمادی الاخری ۱۳۸۴ھ چاند کی خبریں :۔

۲۹ جمادی الاول منگل کو چاند نہیں دیکھا گیا اس لئے یکم جمادی الثانی مطابق ۸ اکتوبر بروز جمعرات ہوئی ۱۱ جمادی الثانی

باب النبی

تفسیر سورۂ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عتیق صاحب بحرالعلومی فرنگی محل ـــــ لکھنؤ)

(۳۹)

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ مبالغہ اس اعتبار سے ہے کہ رحمان عام ہے شامل ہے رحمت دارین (دنیا و آخرت) کو اور رحیم خاص ہے رحمت دنیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیساکہ آثار میں وارد ہوا ہے یا رحمٰن الدنیا والاخرۃ یا افراد مرحومین کی قلت وکثرت کے لحاظ سے جیساکہ وارد ہوا ہے یا رحمٰن الدنیا ورحیم الاخرۃ کہ دنیا میں رحمت سے فائدہ اٹھانے والوں کی بڑی کثرت ہے اور مرحومین آخرت قلیل ہوں گے۔

یا رحمت کی جلالت وعظمت کے اعتبار سے جیساکہ وارد ہوا ہے یارحمٰن الدُّنیا والاخرۃ ورحیم نہ اس موقع پر رحمان ہے۔ جلیل الشان رحمت مراد ہے۔ پس اس صورت میں رحمان سے وہ رحمت مفہوم ہوگی جو طاقت بشری سے خارج ہو جیسے موجود فرمانا، ہدایت کرنا، نیک بختی وسعادت بخشنا وغیرہ ـ اور رحیم سے مراد وہ رحمت ہوگی، جو قوت بشری سے باہر نہیں جیسے اعانت مظلوم وغیرہ[1]۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رحمٰن کی تفسیر رقیق کے ساتھ اور رحیم کی تفسیر رفیق کے ساتھ کی ہے اور رازی فرماتے ہیں الرحمٰن بجمیع الخلق الرحیم بالمومنین یعنی تمام خلقت پر رحم کرنے والا رحمان اور ایمان والوں سے رحمت کا سلوک فرمانے والا رحیم ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ ... [illegible] سلام علی نبینا وعلیہ نے فرمایا کہ آخرت اور دنیا میں انتہائی رحم فرمانے والا رحمان ہے اور صرف آخرت میں رحمت فرمانے والا رحیم ... [illegible]

مفسر خازن کہتے ہیں کہ رحمان وہ ہے جس سے ایسی نعمتیں صادر ہوں جن کا صدور ... [illegible] نعمتیں صادر ہوں جن کا صدور ... [illegible]

(۱) مظہر العجائب

اسکے بعد اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسیلمہ کذاب کو رحمان الیمامہ کہا جاتا تھا جیسا کہ شاعر نے اس کے بارے میں کہا تھا ؎

وانت غیث الوری لازلت رحمانا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا اپنے کفر میں انتہائی تعنت اور اپنے ساتھی کی تعریف و مدحت میں شدت مبالغہ ہے۔ اعاذنا اللہ کہ اس قول کی طرف التفات نہ کیا جائے گا(۱)

جواہر التفسیر میں ہے کہ رحمت رحمان عام ہے تمام مخلوقات کو بغیر اس کے کہ خدمت سابق اور دعوت لاحق ہو اور اس کے معنی بسیار بخشائش ہیں۔ یعنی اصول نعم بخشنے والا جو حیات و قدرت، شہوت و نفرت، وغیرہ ہیں اور ایسی نعمتیں بخشنے والا جن پر ان اصول نعم کا بقا موقوف ہے۔ جیسے کھانے پینے کی چیزیں اور لباس و مکان، اور ایسی نعمتیں بخشنے والا جن پر ان نعمتوں کا حصول موقوف ہے، جیسے آلات صنائع کی تلاش اور اسباب طرق معاد و معاش اور رحمت رحیمی خاص ہے۔ بعض مخلوقات کے ساتھ اور وہ نوع انسانی ہے اور اس کے معنے بزرگ بخشش ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رحمان وہ جو تمام کائنات کی تربیت و پرورش کا سامان فرمائے اور رحیم وہ ہے، جو بنی نوع انسان پر نعمتوں کی بارش فرمائے۔

زاہدی میں ہے کہ رحمان میں معنی یہ ہیں کہ بندوں کو روزی دینے کا وعدہ فرمائے اور اُن سے خدمت لینے کا وعدہ لے پھر اگر وہ وعدہ خلافی کر کے طاعت نہ بجا لائیں تو خلاف وعدہ نہ ہو جائے کہ ان کا رزق موقوف کردے اور رحیم وہ ہے جو بندوں کو اُن کی قوت تحمل سے کم عبادت کا حکم دے اور ضرورت سے زیادہ ان کو ثواب و انعام بخشے۔

طوالع التنزیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمان ہے۔ اپنی صفت جلال و عظمت کے ساتھ کہ ہر ایک کا سر انقیاد و طاعت اس کے خط بندگی پر ہے جیسا کہ ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اتی الرحمٰن عبداً (ہر وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خدائے رحمان کے حضور بندہ بن کر حاضر ہوگا) سے واضح ہوتا ہے اور رحیم ہے۔ اپنی صفت کرم اور لطف اتم کے ساتھ کہ ہر ایک اس کے فیض اتم سے بہرہ ور ہے وسعت رحمتی کل شیٔ میں اسی کی وضاحت ہے۔

جواہر التفسیر میں ہے کہ رحمان بمعنے عیب پوش دنیا ہے تاکہ یہاں کوئی رسوا نہ ہو اور رحیم بمعنے غفر نوش عقبیٰ ہے، تاکہ آخرت میں کوئی عذاب میں مبتلا نہ ہو یا رحمٰن الدنیا ورحیم الاخرۃ اس مدعا پر شاہد ہے۔

حدیث صحیح میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ کے قبضۂ قدرت میں رحمت کے سو جزو ہیں۔ ایک جزو تمام عالم میں مقسوم ہے اور ننانوے اجزاء رحمت خزانۂ غیب میں پوشیدہ ہیں۔ اس صورت میں رحمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ رحمان ہے بیک جزو رحمت اور رحیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ رحیم ہے، ننانوے اجزاء رحمت کے ساتھ۔ پس اس دنیا میں جس قدر مہربانی و فیض رسانی لطف و کرم، عطوفت و شفقت، مودت و رحمت وغیرہ پائی جاتی ہے۔ یہ سب اسی ایک جزو رحمت کے اثر سے اور اسم رحمان سے مستفاد ہے اور قیامت کے دن اُن ننانوے اجزاء رحمت کو گنہگاروں پر نثار فرمائے گا اور بشرط ایمان الطاف کبریائی سے نوازے گا کہ یہ اسم رحیم سے مستفاد ہے۔

---

(۱) لباب التاویل

ارباب حقائق فرماتے ہیں کہ رحمان ازلیّت کا اسم ہے اور رحیم ابدیت کا نام ہے۔ پس رحمان وہ ہے، جو سب سے پہلے تھا اور رحیم وہ ہے، جو سب کے بعد رہے گا۔

عرفا کی زبان میں رحمان وہ ہے جو باقتضائے حکمت بلحاظ قابلیت جمیع موجودات پر کمال وجود کا فیض فرمائے اور رحمت رحیمی مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے وکان بالمومنین رحیما میں اسی طرف اشارہ ہے۔ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ جس طرح رحمان میں عموم وخصوص معتبر ہے اسی طرح رحیم میں بھی خصوص وعموم منتشر ہے۔ یعنی رحمت رحیمیہ باوجودیکہ اہل کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن مطیع وعاصی دونوں کو عام ہے۔ اگر اہل طاعت اپنی کثرت عبادت وشدّت ریاضت کے وسیلہ سے اس رحمت کے سزاوار ہیں، تو اہل معصیت بھی اپنی بیچارگی وآوارگی کے ذریعہ اس رحمت کے امیدوار ہیں۔

قدرت وحکمت کے مظاہر میں غور وفکر سے کام لینے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اس عالم ہست وبود میں جو حقیقت سب سے پہلے سامنے آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا نظام ربوبیت ہی ہے جس کا مقتضا تخلیق وپرورش اور سامان حیات وبقا مہیا فرماتا ہے اور آثار ربوبیت کے عموم نے ہاتھی سے لیکر چیونٹی تک تناور درختوں سے لیکر خس وخاشاک تک۔ پہاڑوں سے لیکر معدنیات تک جواہر مجردہ اور عقول سے لے کر انسان تک اور زمین سے لیکر آسمان تک ہر جنس ونوع اور ہر صنف وخرد کے لئے سامان تربیت مہیا فرمایا اور آثار تربیت کی ملکیت نے ہر جاندار مخلوق کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ آفرینش عالم کی ہر چیز اسی کے لئے سامان تربیت واسباب راحت مہیا کرنے والی ہے اور خلاق عالم کی تمام کارفرمائیاں اس کی نشو ونما، پرورش وپرداخت حفظ وبقا میں سرگرم ہیں۔ لیکن غور وفکر کا دائرہ جیسا جیسا وسیع ہوتا رہا، ویسے ویسے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی گئی کہ اس کائنات ہستی میں صرف ربوبیت ہی کے مقتضیات پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر کائنات عالم میں آراستگی، حسن وخوبی، مناسب واعتدال، زیبائی وجمال کے عجیب تر مناظر قدرت پائے جاتے ہیں۔ جو نظام ربوبیت سے یقیناً متجاوز ہو کر ایک ایسے نظام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جس کا افاضہ فیضان ربوبیت سے بالاتر ہے اور وہ خلاق عالم کا نظام رحمت ہے۔ اسی وجہ سے صفت ربوبیت ابتداً ذکر فرمائی گئی۔ پھر صفت رحمت لائی گئی اور اس طرح یہ بات واضح فرمائی گئی کہ نظام عالم صرف شان ربوبیت ہی کا کرشمہ نہیں، بلکہ اس سے بھی بالاتر شان رحمت کا رہین منت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

قل لمن ما فی السمٰوٰت والارض قل للّٰہ کتب علی نفسہ الرحمۃ

آپ فرمائیں کہ جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں (وہ) کس کے لئے ہیں۔ آپ فرمادیں کہ اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اس نے اپنی ذات پر رحمت لکھ رکھی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ تعمیر اور چیز ہے اور تحسین دوسری شئے ہے۔ تخلیق شئے اور اس کا تناسب دو مختلف امر ہیں، ایجاد کچھ اور ہے اور زیبائی کچھ اور ہے، پرورش اور تندرستی دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ حیات اور تسکین حیات دو متغائر کیفیات ہیں۔

ایجاد وابداع، پرورش وپرداخت سے زائد امر ہے۔ جمال وزیبائی، موزونیت واعتدال، تناسب واستواری۔ پھر ایجاد وپرورش جس قانون ضرورت سے متعلق ہے، وہی قانون ضرورت وجمال ورعنائی کا ہرگز موجب نہیں۔ بلکہ دونوں کی ضرورت جداگانہ ہے

اول الذکر ضرورت ربوبیت کے باعث اور آخر الذکر بضرورت رحمت ہے۔

ہوسکتا تھا کہ بتقاضائے ربوبیت آسمان ہوتا مگر اس کی نیلگونی نہ ہوتی، ستارے تو ہوتے مگر ان کی تابندگی کی یہ جلوہ آرائی نہ پائی جاتی۔ درخت پائے جاتے مگر ان کی دیدہ زیب سبزی نہ ہوتی، گردن پایا جاتا مگر نقش و نگار سے محروم ہوتا پھل پائے جاتے، لیکن حلاوت سے خالی ہوتے، پھول ہوتے تو ہوتے مگر دماغوں کو معطر کرنے والی مہک و خوشبو نہ ہوتی جسم پایا جاتا، مگر سڈول نہ ہوتا۔ قد و قامت اعتدال سے عاری پایا جاتا۔ بلبل و قمری تو ہوتی، مگر اس کا نغمہ و ترنم نہ پایا جاتا۔ زاغ و زغن تو ہوتے مگر شور و غوغا نہ ہوتا موتی و مرجان اپنے خواص و تاثیرات سے خالی پائے جاتے، سامعہ بغیر اپنی حلاوت کے، زبان بغیر اپنے ذائقہ کے دل بغیر اپنے کیف کے پایا جاتا، اس لئے کہ ان کی ضرورت محض ایجاد و ابداع سے وابستہ تھا اور وجود کو حسن و رعنائی کی ہرگز احتیاج نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہستی کی ہر چیز میں آراستگی و زیبائی بھی پائی جاتی ہے جس کو قرآن حکیم نے بھی بار بار یاد دلایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (سورہ ملک)
اور ہم نے درحقیقت آسمان دنیا کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا

وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ (سورہ حجر)
اور ہم نے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کر دیا۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا (سورہ کہف)
ہم نے ان تمام چیزوں کو جو زمین پر پائی جاتی ہیں، اسی کے لئے آرائش بنا دیا۔

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (سورہ کہف)
مال و اولاد زندگانی دنیا کی آرائش ہیں

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (سورہ نحل)
اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (اس لئے پیدا کئے) تاکہ تم ان پر سوار ہوسکو اور (آرائش بنایا)

کیا خلقت کی یہ زیبائش بتقاضائے ربوبیت ہے؟ نہیں بلکہ بمقتضائے رحمت ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:۔

ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔ (سورہ تنزیل سجدہ)

وہ (خدا) پوشیدہ و حاضر چیزوں کا جاننے والا غالب مہربان ہے۔ جس نے ہر اس چیز کو بہتری بنایا ہے جسے اس نے پیدا فرمایا اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل پانی کے ایک حقیر قطرہ کے نچوڑ (خلاصہ) سے بنائی۔ پھر اس کو درست کر دیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی اور تمہارے (فائدہ کے) لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کر دیئے (لیکن) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

اسم میں اَلرَّحِیْم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مصالح کی رعایت برنبائے تفضل واحسان فرماتا ہے، نہ کہ بتقاضائے ایجاب اور ہر چیز کو بہتر بنانے کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز بھی اس نے پیدا فرمائی اُسے بمقتضائے حکمت بہتر طریقہ پر آراستہ فرمادیا۔ دیکھو چوپایوں اور پرندوں کے پر اور گردن کو اس نے لمبا بنایا تاکہ اُن پر روزی حاصل کرنا دشوار نہ ہو اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لئے اسبابِ زندگی کی حصول ممکن نہ ہوتا۔ اسی طرح جملہ اعضائے انسانی اس کی ضروریات کے مطابق بنائے جن کی بعض تفصیلات اوپر ذکر کیجا چکی ہیں۔ یہ تناسب واعتدال اور زیبائی وجمال محض اس کی رحمانیت ہی کا کرشمہ ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فرمان کے مطابق ہر خلقت کا حسین وجمیل ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہم بظاہر یہ محسوس کرتے ہیں کہ بعض اشیاء کے مناظر قبیح بھی ہیں۔

اس کے جواب میں بقلی فرماتے ہیں کہ قبیح از روئے امتحان قبیح ہے اور اس حیثیت سے کہ خداوند رحمان سے صادر ہوا ہے حسین ہے یعنی اگرچہ وہ بظاہر قبیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن رب کریم کی حکمت ومصلحت کے ساتھ اس کی تخلیق کے باعث وہ قبیح بھی حسین ہی ہے اور شیخ یزدی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن صورت محتاج تھا ایسے کریہ المنظر جو حسن کا مدمقابل ہوتا تاکہ اس بدصورت کے مقابلہ میں دوسرے کی خوبصورتی آشکارا ہوسکتی۔ اس لئے بدصورت وبدخواہ اور کریہ المنظر کا پیدا فرمانا بھی حسین ٹھہرا(۱)

اگر ناموزوں قد، بھیانک صورت، ڈراؤنی شکل نہ پائی جاتی، تو قد رعنا اور حسن یوسفی کی قدر ومنزلت کون پہچانتا اور اگر زاغ وزغن کا شور وغوغا نہ ہوتا، تو بلبل وقمری کی نغمہ سنجی سے پورا لطف کیونکر اٹھایا جاسکتا۔ اگر ظلمت شب نہ ہوتی، تو شب ماہ کی قدر کون کرتا، اگر تلخی نہ ہوتی تو حلاوت شیریں سے کس کو لذت حاصل ہوتی۔

اس آیت میں جس طرح ربوبیت کے آثار واضح فرمائے گئے اور قدرت وحکمت آشکارا کی گئی ہے اسی طرح آلات ادراک کا عطا فرمایا جانا اس کی شان رحمت عیاں کر رہا ہے اور دوسرے موقع پر ارشاد ہوا ہے۔

ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت	تم رحمان کی آفرینش میں کوئی عیب ونقص نہ پاؤگے
فارجع البصر هل تری من فطور	پھر نظر پھیرو تو کیا تم کوئی دراڑ پاتے ہو۔

یعنی اللہ کی مخلوقات میں عیب ونقص نہیں پایا جاسکتا نہ آسمان میں کوئی دراڑ نظر آسکتی ہے، نہ خلقت میں کوئی تناقض و اضطراب پایا جاتا ہے یہ خوبی وکمال کیوں ہے۔ اس کا سبب ظاہر کرنے ہی کے لئے الرحمٰن لایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کا نقص وتفاوت سے سلامت ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ خدائے رحمٰن کی آفرینش ہے اور یہ اسی کی قدرت باہرہ کا کرشمہ ہے، جو ایسی متناسب خلقت کے پیدا فرمانے پر قدرت رکھتا ہے(۲) پس یقیناً یہ اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ خلقت میں کمال ہو، اعتدال ہو، تناسب ہو، ہمواری ہو، جمال ہو، زیبائی ہو۔ لیکن چونکہ انسانی نظر اسکے آثار رحمت پر پڑتی ہی نہ تھی اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ جس طرح وحدانیت والوہیت پر ربوبیت سے استدلال کیا گیا ہے اسی طرح رحمانیت سے بھی استدلال لایا جائے۔ چنانچہ....

(۱) روح البیان (۲) مدارک التنزیل (۳) روح البیان

نقد و نظر

(از مولانا شاہ فرید الحسن تسنیم جنیدی)

"مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش"

مغربی تہذیب اور مشرقی تمدن دو اجنبی معاشرے ہیں۔ ہر پاکیزہ مزاج نے شرقیت کی حمایت محض اس لئے کی کہ اس میں ماضی کے شائستہ اور مہذب اثرات محفوظ ہیں۔ قدامت کا ذرہ آبریز رنگ خود اپنے اندر ایک جاذبیت اور کشش رکھتا ہے۔ مغربی عریانیت نے جدید معاشرے کو حد سے زیادہ گھناؤنا کر دیا ہے۔ آخر کار ہمارا اسلامی کلچر بھی حیلۂ فرنگ کے دام میں آگیا جس کا قدرتی نتیجہ "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ہے"

مولانا سید ابوالحسن ندوی نے جنھیں اس طرح کی بے شمار تحقیقی و تنقیدی کتابوں کی تصنیف کا فخر ہے اپنی پیش نظر تصنیف کے ذریعہ تمام فرزندان اسلام کو اسلام کے اس روح فرسا حادثے سے خبردار کیا ہے۔ ملاحظہ اور مطالعہ سے کتاب کی اصل افادیت کا پتہ چلتا ہے۔

رنگین گرد پوش ـــ ۲۴۴ صفحات ـــ قیمت پانچ روپے ـ ناشر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

ماہنامہ سلسبیل

صفحات ـ ۶۴

قیمت ـ فی پرچہ ۶۵ پیسے سالانہ ۷ روپے

پتہ ـ ادارہ تصوف اردو بازار لاہور

تصوف سے دلچسپی رکھنے والے کے لئے ادارہ تصوف اردو بازار لاہور کی طرف سے ایک مخلصانہ پیش کش ہے۔ سنجیدہ مضامین صوفیانہ ٹائیٹل پیج، پاکیزہ طباعت کو دیکھنے سے تسلیم ہوتی ہے کہ پیش نظر رسالہ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے ہر تصوف پسندوں کے لئے تسکین کا سبب بنے گا۔

تصوف اخلاص فی العمل کا نام ہے اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں لیا جاتا رہا۔ متقدمین نے تصوف کے سہارے اخلاقی قدروں کی برتری کی نگہداشت کی تھی۔ پھر نئے خیالات اور عجمی اثرات سے متاثر ہونے والوں نے تصوف کو فلسفیانہ جامہ پہنا کر نظام عالم کے حقائق اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرنے کی کوشش کی تو اہل بصیرت کی رد حسنہ صدائے احتجاج بلند کیا جس کی تائید علامہ ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" اور ابن تیمیہ کے علمی نوادرات سے بھی ہوتی ہے۔ اکابرین پھلواری شریف بلا

ویسے تصوف کی مخالفت کی جو متصوفین کی تن آسانی اور محض ان کی شہرت کا ذریعہ ہے ان کے یہاں تصوف کا معیار اخلاقی برتری اور اخلاص فی العمل ہے، وہ عام صوفیوں کی طرح علانیہ کلمات تصوف کو زبان پر لانا پسند نہیں کرتے۔ ان کے یہاں ہر زمانے میں معتقدین و متوسلین کو ہدایت کی جاتی رہی ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود یا تصوف کے معارف و حقائق بیان کرتے وقت شرک و کفر کی آمیزش سے بچتے رہنے کا خیال رکھیں اسرار و حقائق کی باتیں، وجود کے مسئلے نہایت مشکل اور بعید از فہم ہیں۔ محققین کی دور بین عقلیں اسکے دریافت سے عاجز و قاصر رہی ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی نا سمجھی کی وجہ سے کفر و الحاد، فساد و زندقہ میں پڑ کر تباہ ہو گئے ہیں۔ ان کا تعلق حال سے ہے قال سے نہیں ان کی حقیقتیں کا انکشاف محض فضل و موہبت الٰہی پر موقوف ہے جس نے پایا پایا، "جس نے چکھا جانا"

الحمد للہ رسالہ سلسبیل نے اپنی پوری صحبت میں لا یعنی اور غیر مفید تصوف کو نظر انداز کر کے معیاری اور مفید تصوف کو پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ موجودہ فضا میں اس رسالہ کا مطالعہ بہت حد تک مفید ہوگا۔

"زخم تمنّا"

نئی نسل کے ممتاز شاعر

مظہر امام کا شعری مجموعہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

آپ نے "اعتراف" کے عنوان سے اپنے بارے میں جو کچھ لکھ دیا ہے، اس کے بعد نہ آپ کے، نہ آپ کے کلام کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت باقی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ترجمانی و تصدیق کرتے ہیں۔ اس کم عمری میں زبان و بیان پر اتنی قدرت تعجب و تعریف کی بات ہے۔

○ــــ رشید احمد صدیقی (ایک خط)

تفسیر سے متعلق

حضرت قدوۃ الافاضل والدی ماجد (مولانا ابو القاسم محمد علیق فرنگی محلی) امدا اللہ ظلہ العالی درس المسترشدین با فضاط تفسیر سورہ فاتحہ تحریر فرما رہے ہیں۔ جو المجیب میں مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اب یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اسے حضرت اقدس سے جلد مکمل کرا کے یکجائی کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ناظرین المجیب سے گذارش ہے کہ

(۱)۔ ارباب نقد و نظر و حضرات علماء و مشائخ اسکی افادیت اور معنویت سے متعلق اپنا تبصرہ اگرچہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ مجکو ارسال فرمادیں تو باعث تشکر کا موجب ہوگا۔

(۲) جو حضرات اسکی خریداری پسند فرمائیں وہ ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ اپنا نام فہرست خریداران میں درج کرادیں۔ ناظرین کرام سے یقین واثق ہے کہ وہ ان دونوں عرضداشتوں کو منظر قبول ملاحظ فرمائیں گے۔ اور جلد از جلد ہمارے مقاصد کی تکمیل میں اعانت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

ابوالکمال محمد حبیب الحلیم بحر العلومی فاضل
بی اے علیگ
استانہ حمیدیہ ٹکسال لکھنؤ

(بقیہ تفسیر سورہ فاتحہ)

ارشاد ہوا ہے :-

وَ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (سورہ بقرہ)	اور تمہارا معبود، معبود یکتا ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں، جو رحمان و رحیم ہے۔

یعنی وہ تمام نعمتوں کا مالک ہے، خواہ اصول ہوں یا فروع اور اس کے سوا اس صفت کا کوئی مستحق نہیں۔ کیونکہ اس کے سوا ہر چیز یا نعمت ہے، یا جس کو نعمت دی گئی ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہی رحمان و رحیم ہے، تو یہ بات خود بخود آشکارا ہوگئی کہ اس کے سوا کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ہو سکتا۔ پس الرحمٰن الرحیم گویا وحدانیت پر دلیل ہے۔ (۱)

بقیہ "حب خدا کا کنبہ"

"بندہ عرض کرے گا۔ خداوندا! آپ رب العلمین ہیں آپ کو پانی پینے کی کیا ضرورت؟ اور میں کس طرح آپ کو پلا سکتا ہوں؟ ارشاد ہوگا "میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا اگر تو اس کو پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔"

مبارک اور خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو بیماروں، آفت رسیدوں اور کھانے پینے کے حاجت مندوں کو دیکھ کر یہ حدیث پاک یاد کر لیا کریں۔ اور اس کے مطالبہ کو پورا کرکے اپنے اللہ کی رضا حاصل کریں۔

وبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب (الفرقان)

افادۂ مبارک

"یہ چند اشعار حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ آپکی تاریخ کی مناسبت سے ان کو شائع کیا جا رہا ہے۔" (ادارہ)

شد اسیر غمزۂ چشم محمد جان من لطف فرما کن تبسم اے دل و ایمان من
قدسیاں بر آستانت جبہ سائی می کنند چیست عالی رتبہ یا رب منزل سلطان من
کلبۂ احزان ما را رشک صد جنت کند
گر شود آں خسرو خوبی شبے مہمان من

○

منقبت

حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ

(از حضرت مصباح الطالبین مولانا شاہ علی حبیب نصرؔ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ)

پیر مجیب ما بیا دست غلام خویش گیر لیکہ قریب ما بیا دست غلام خویش گیر
دردِ دل مرا ببیں بہر خدا شفا طلب نیک طبیب ما بیا دست غلام خویش گیر
غم ز پئے ہزار شد تاب و تواں فرار شد بہر شکیب ما بیا دست غلام خویش گیر
نرگس چشم مست تو توبۂ زاہداں شکست غمزہ فریب ما بیا دست غلام خویش گیر
جذبۂ شوق بے ادب کرد ببارگاہ تو شاہ ادیب ما بیا دست غلام خویش گیر
نصرؔ غلام تو کنوں موئے سیہ سپید کرد
یار حبیب ما بیا دست غلام خویش گیر

قند پارسی

(از حضرت علامہ شاہ ابوتراب اشنا، قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ)

از گریباں چند تارے ماندہ است — اے جنوں دستے کہ کارے ماندہ است
بردرو دیوار او از خونِ من — سالہا نقش و نگارے ماندہ است
تند گزر اے صبا از کوے او — بر درش از ما غبارے ماندہ است
عاشقت را بعد مُردن چشم وا — تا ہنوزش انتظارے ماندہ است
نیستم اندوہِ تنہائی بگور — عشق با ما یار غارے ماندہ است
رنگ و بوئے کرد پیدا آشنا
مدتے با گلعذارے ماندہ است

منقبت

حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیار قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ

(جنکی تاریخ وصال ۱۹ر جمادی الثانی سنہ ھ ہے)

(از مولانا شاہ فرد الحسن صاحب تسنیم پھلواروی)

اے ثمرۂ نخل زندگانی — سرمایۂ عیش جاودانی
مقبول بدیدۂ دو عالم — مخدوم جہاں جنید ثانی
از ہست تو بنور شمع روئیت — افگند نقاب لن ترانی
از تست حیات ہر دو عالم — حقا کہ تو جانِ دو جہانی
وصل تو گدائے بے نوا را — سرمایۂ عیش جاودانی
دارم ز تو لطف را امیدے — سویم نظرے جنید ثانی
دریاب کہ بے نوا فتادہ
تسنیم بکنج ناتوانی

ادبیات

غزل

(از حسان الہند مولانا تمنّا عمادی، مجیبی پھلواروی ـــــ پاکستانی)

کھل گئے مسجد کے در جب بند میخانے ہوئے
سیر نوشی پر ادا رندوں کے شکرانے ہوئے

دشت محشر کا ہمارے سامنے کیا تذکرہ
بیٹھے ہیں کتنے بیابانِ جنوں چھانے ہوئے

دیکھ کر میری نگاہِ یاس فرماتے ہیں وہ
آج تو ہیں ایک برچھی آپ بھی تانے ہوئے

یہ کشاکش اور عنانِ عزم اِک مجبور کی
عشق اُدھر کھینچے ہوئے اور عقل اِدھر تانے ہوئے

قیس و وامق کی کہانی، کوہکن کی داستاں
اِک مرے قصّے سے پیدا کتنے افسانے ہوئے

دیکھئے اس آب و گل سے کون سی دنیا بنے
گھُل کے پانی شمع، جل کر خاک ویرانے ہوئے

ناتواں، بیمار، وحشی، مست اور بیگانہ وش
یا تری آنکھیں ہوئیں یا تیرے دیوانے ہوئے

تھا تمہارا ہاتھ اور اس ہاتھ میں تلوار تھی
کیوں ہیں بیچاری حنا کو بیچ میں سانے ہوئے

حوضِ کوثر پر بھی تو دیکھی تھی وہی رندوں کی بھیڑ
اور وہ بھی سب ہمارے جانے پہچانے ہوئے

بیچ میں کس طرح پیدا ہوگیا چاکِ حیات
موت کی چادر تمنّا سوئے تھے تانے ہوئے

غزل

(از جناب محمود الحسن خانصاحب محمودؔ سہسرامی)

عشق گھل مل کے کبھی حسن سراپا ہوگا
رائیگاں کب یہ مرا خونِ تمنّا ہوگا

عظمتِ دل کی ہے ضامن نگہِ ناز کی چوٹ
داغ رہ جائے گا یہ زخم جو اچھّا ہوگا

غیرتِ عشق نہو جن کو وہ جائیں سرِطور
ہم نہ دیکھیں گے جو دیکھا ہوا جلوہ ہوگا

دور تک ساتھ رہے صبر و سکوں ہوش و حواس
اب وہ منزل ہے جہاں دل مرا تنہا ہوگا

کچھ حسین نقش تصوّر میں ہیں جلوے تو نہیں
حُسن پردے میں ہے جب تک یہ تماشا ہوگا

دیکھتے دیکھتے تھک جائیگی چشمِ مشتاق
کتنا جلوہ تو پسِ پردہ جلوا ہوگا

فطرتِ حسن ضیا پاش ہے تجلی پسند
جلوہ جلوہ کبھی ہوگا کبھی پردا ہوگا

بن گئی شعلۂ بے رنگ یہ خاکسترِ دل
بجھ کے بھی شمع کو جلتے نہیں دیکھا ہوگا

جرم ہے عشق اگر، فخر ہے مجھ کو محمودؔ
ہر گنہگار سے کچھ سر مرا اونچا ہوگا

غزل

(از مظہر امام صاحب امامؔ)

ان کے دامن تک آنچ آئی ہے — شعلۂ غم! تری دہائی ہے
میری صورت کو دیکھنے والے — یہ بھی اک طرزِ خودنمائی ہے
کچھ حسیں خواب اور کچھ آنسو — زندگی کی یہی کمائی ہے
بھیک طاعت کی مانگنے والے! — کیا یہی شانِ کبریائی ہے
تیرگی کو بیاہنے کے لئے — صبحِ نو کی برات آئی ہے
آؤ محفل سے اُٹھ چلیں ہم لوگ — وقت کی شمع جھلملائی ہے
نالہ پابندِ نے ہوا ہے امامؔ — آہ مجبورِ نارسائی ہے

غزل

(از جناب سیفؔ سمستی پوری)

نہ گھبرا اے دلِ بیتاب منزل کی صعوبت سے — کرن امید کی پھوٹے گی اک دن داغِ کلفت سے
مچل اُٹھے نہ دل میرا کہیں فرطِ مسرت سے — نہ دیکھو ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں تم محبت سے
بڑھا کر ربط تم سے یوں تماشا بن گیا ہوں میں — کہ دنیا دیکھتی رہتی ہے مجھ کو چشمِ حیرت سے
نہ پاس التجا اس کو نہ احساسِ وفا اس کو — لگا بیٹھے ہیں دل ہم اے خدا کس بے مروت سے
تمہارا واسطہ دے کر طلب کو ہاتھ اٹھایا تھا — دعائیں کامیاب آئیں نہ کیوں بابِ اجابت سے
وہ کیا سمجھیں گے الفت کو وہ کیا دادِ وفا دیں گے — جو واقف ہی نہیں اے سیفؔ آدابِ محبت سے

کوائف و حالات

نرگس کی آنکھ بن کے لیے ہیں چمن میں ہم — راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے

کچھ اپنی —— کچھ دوسروں کی ——

شاندار اور تاریخی استقبال :۔

کل ہند مجلس مشاورت کے ایک وفد نے ان علاقوں کا دورہ کیا ہے جہاں کچھ ماہ پہلے مہلک فسادات ہوئے تھے۔ یہ وفد جس میں ڈاکٹر سید محمود، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، مولانا ابواللیث صاحب ندوی، مسٹر محمد اسمٰعیل صاحب صدر مسلم لیگ، مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی، مولانا منظور نعمانی صاحب، مسٹر انور صاحب ام پی۔ ملا جان محمد صاحب اور سلیمان سیٹھ صاحب شامل تھے، سب سے پہلے رانچی پہونچا۔ رانچی میں مسلمانوں نے جس عظیم پیمانہ پر اس وفد کا استقبال کیا ہے اسکی مثال بہت کم ملے گی۔ ۲۰ ہزار کے مجمع نے مسلمانان ہند کے ان رہنماؤں کا اسٹیشن پر استقبال کیا اور پھر جلوس کی شکل میں ان کو جلسہ گاہ میں لے گئے۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کو دیکھکر ڈاکٹر سید محمود صاحب نے نم آنکھوں سے کہا کہ اس عظیم اجتماع کو دیکھکر جس میں ہندو مسلمان دونوں ہی شامل ہیں مجھے خلافت کے زمانہ کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔ جبکہ ہندو مسلمان میں ہر مسئلہ پر اتحاد تھا۔

رانچی کے علاوہ، جمشید پور، گیا اور رکیلا وغیرہ جگہوں پر بھی ان رہنماوں کا شاندار استقبال ہوا۔ ہر جگہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے ان کی راہوں میں دل وجان نچھاور کئے کیوں کہ وہ ایک نیک مقصد لے کر نکلے تھے۔ جو وقت کی شدید ترین ضرورت ہے۔ ہر جگہ ان لوگوں نے ایسی تقریریں کیں جس سے ہندو اور مسلمانوں میں دوستی اور باہمی اتحاد کی فضا پیدا ہو۔ جب ان لوگوں کے دورہ کا پروگرام نکلا تھا تو بہت سے مسلمانوں نے بھی اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ ان کے دورے سے فضا مکدر ہوگی لیکن بعد کے حالات نے بتادیا کہ ان کا تصور بالکل غلط تھا اور ان افراد کے دورے نے وہ کام کیا ہے جسے کوئی لیڈر انجام نہ دے سکا تھا۔ جن جماعتوں کے ارکان نے اس ملے جلے وفد میں شرکت کی تھی ان میں بہت سی جماعتوں کے نمائندے پہلے بھی ان مقامات پر گھوم چکے ہیں لیکن ایسا جوش اور ولولہ اور ایسی ہماہمی انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی یہ تو ایک ادنیٰ کرشمہ ہے اتحاد کا، اسی اتحاد کا جسکے فقدان کی وجہ سے مسلمان آج لُٹ پٹ رہے ہیں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ :-

گذشتہ سال ماہ مئی میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کے زیر نگرانی ہندوستان کے منتخب علماء اور دوسرے اہل علم و فن حضرات کا اجتماع ہوا تھا، جس میں بدلتے حالات و مقتضیات کے پیش نظر مسائل شرعیہ کی توضیح و تشریح کا مسئلہ سامنے آیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں مجلس تحقیقات شرعیہ نام کی ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ مقصد یہ طے ہوا کہ موجودہ وقت کے نئے اور اہم مسائل کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں علماء کی یہ مجلس اتفاق یا کثرت رائے سے طے کرے اور لوگوں کے عمل کے لئے سہولت پیدا کرے۔ اسکے ارکان میں ہندوستان بھر کے منتخب علماء رکھے گئے۔ ہمارے بہار کے علماء میں جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہٗ (پھلواری شریف) اور امیر شریعت کی حیثیت جناب مولانا شاہ منت اللہ صاحب رحمانی مونگیری بھی رکن ہوئے۔ اور مجلس کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی اور ناظم دفتر مولانا محمد تقی صاحب امینی تجویز ہوئے۔

چنانچہ ایک سال کے بعد ۵ ستمبر ۱۹۶۴ء کو ندوۃ العلماء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا دوسرا اجتماع ہوا۔ جس میں ناظم اعلیٰ مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی نے مجلس کی کارگزاری پیش کی اور اس سلسلہ میں اب تک جو صورت حال پیش آئی اس کی روشنی میں مجلس کے طریقۂ کار کی تبدیلی و عدم تبدیلی کے بارے میں رائے لی، قریباً اتفاق رائے سے جملہ ارکان نے موجودہ طریقۂ کار کو باقی رکھنے کو منظور کیا ـــ

پھر بیمہ، انشورنس کے شرعی پہلو پر غور ہوا۔ اور مولانا محمد تقی امینی ناظم دفتر کا تحریر کردہ مسودہ زیر بحث آیا۔ بالآخر طے پایا کہ سوالنامہ مرتب کر کے ارکان مجلس کے علاوہ ہندوستان کے اصحاب نظر علماء کے پاس بھیجا جائے اور ان کے جوابات کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

چونکہ ناظم دفتر مولانا محمد تقی امینی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ دینیات میں ایک مناسب عہدہ پر بلا لئے گئے ہیں، اس لئے انہوں نے مجلس میں اپنا استعفا پیش کیا جو منظور کر لیا گیا ـــ اور مجلس نے ناظم اعلیٰ کو اختیار دیا کہ وہ کسی موزوں اور اہل شخص کا تقرر اس جگہ کے لئے کر لیں۔

۵ ستمبر ۱۹۶۴ء کے اجتماع میں ان حضرات نے شرکت فرمائی۔

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی (صدر اجتماع)۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب (صدر جمعیۃ علماء ہند) (دہلی)۔ مولانا شاہ منت اللہ صاحب رحمانی (امیر شریعت بہار)۔ مولانا ابو اللیث صاحب ندوی (امیر جماعت اسلامی ہند) مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری (پھلواری شریف) مولانا مفتی محمد رضا صاحب انصاری (فرنگی محل لکھنؤ) مولانا فخر الحسن صاحب (دار العلوم دیوبند) مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی (بھوپال) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (لکھنؤ) مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی (دار المصنفین اعظم گڑھ) مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی (ندوۃ العلماء لکھنؤ) مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی (ناظم اعلیٰ) مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی

(ندوۃ العلماء لکھنؤ)

"عازمین حج کے لئے سہولت ــ رمضان سے پہلے بھی جہاز کی روانگی"

گذشتہ سال، عازمین حج کو جہاز کی نشستوں کو مخصوص کرانے میں جن دقتوں کا سامنا ہوا تھا اور جس کی وجہ سے کتنے عازمین کی بیت اللہ سے محروم رہے ــ اور ایک ہی دور میں درخواستوں کی بے شمار کثرت کے باعث خود جہاز راں کمپنی کے لئے بے انتہا دقتیں پیش آگئی تھیں ــ ان سب امور کے پیش نظر مرکز کی بنائی ہوئی اینڈ ھاک کمیٹی نے پوری سہولت بہم پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے ــ چنانچہ اس سال رمضان سے پہلے بھی ایک جہاز عازمین حج کو لے کر جدہ روانہ ہوگا ــ اور درخواستوں کی وصولی کے لئے چھ ہفتوں کی مہلت دیجائیگی اس مدت میں آئی ہوئی تمام درخواستیں قابل توجہ ہوں گی ــ اُمید ہے کہ اکتوبر کے اول عشرہ میں ان چھ ہفتوں کی تاریخ کا اعلان ہو جائے گا ــ جناب مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب صدر مرکزی حج کمیٹی نے اس بارے میں امید افزا اطلاعیں دی ہیں اور ہر ممکن حد تک سہولت دینے کی خبر دی ہے ــ حالیہ اعلان کے مطابق درخواست بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ ر نومبر ۱۹۶۴ء ہے ــ

عرس اور جلسۂ سیرت و منقبت :ــ

۲۸ ۲۹ جمادی الاول کو حضرت حجۃ الاسلام محی الملۃ والدین قدس اللہ سرہ کے سالانہ فاتحہ و عرس کی شرکت کے لئے صوبے کے علاوہ بیرون صوبے بھی اکثر مقامات سے لوگوں کی آمد ہوئی ــ الٰہ آباد سے مولانا شاہ حکیم محی الدین صاحب جعفری اور اعظم گڈھ سے مولانا حکیم اعجاز احمد صاحب صدیقی تشریف لائے اور دہلی سے ڈاکٹر محمود صاحب قادری (دفتر جمعیۃ علماء ہند) بھی تشریف لائے ــ بہار و کلکتہ و پورنیہ کے کثیر حضرات نے شرکت کی ــ اپنے معمول و احوال کے مطابق تمام کام انجام پایا ــ اور انجمن جمعیۃ الطلبہ دار العلوم مجیبیہ کی طرف سے ۲۸ جمادی الاول کو بعد نماز ظہر جلسۂ منقبت و سیرت بھی منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا شاہ حکیم عماد احمد صاحب قادری پھلواروی نے کی ــ متعلمین مدرسہ میں حافظ عبد الماجد نے تلاوت اور حافظ عبد الحق و مولوی برجیس احمد نے کلام منقبت سنایا ــ اور مولوی ذاکر حسین و مولوی ادریس احمد اور مولوی منتظم علی کٹکی نے حضرت رح کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی ــ آخر میں مولانا شاہ فردا لحسن صاحب تسنیم جنیدی نے نہایت بسیط تقریر فرمائی جس میں حضرت کے خصائص اور بارہ الامتیاز کمالات کو مفصل طور پر بیان فرمایا ــ اور صدر جلسہ کی دعا پر نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا ــ

جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہٗ :ــ

جناب عبد الستار خاں صاحب مدراس کی دعوت پر آپ ۶ اکتوبر کی رات میں مدراس تشریف لے گئے ــ ایک ہفتہ قیام ہے جسکو انجام دے کر جلد ہی واپس ہو جائیں گے ــ امید ہے کہ ۱۸ اکتوبر تک پھلواری آ جائیں گے ــ

دار الاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

موسوم بہ

اعیان وطن

پھلواری شریف کے دو سو چوالیس علماء، صوفیاء، محدثین، عہدیداران حکومت، قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث اور مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صر

نعمتِ کبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفاۃ حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت:- عر

عطر الوردین

شیوخ سلسلۂ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت:- ۱۲ر

محی الملۃ والدین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں اُن کے علمی و عملی کارنامے بالتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات ضمناً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہو گئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

(ندوۃ العلماء لکھنو)

"عازمین حج کے لئے سہولت — رمضان سے پہلے بھی جہاز کی روانگی"

گذشتہ سال، عازمین حج کو جہاز کی نشستوں کو مخصوص کرانے میں جو زحمتوں کا سامنا ہوا تھا اور جس کی وجہ سے کتنے عازمین حج بیت اللہ سے محروم رہے۔ اور ایک ہی دور میں درخواستوں کی بے شمار کثرت کے باعث خود جہاز راں کمپنی کے لئے بے انتہا دقتیں پیش آگئی تھیں — ان سب امور کے پیش نظر مرکز کی بنائی ہوئی ایڈہاک کمیٹی نے پوری سہولت بہم پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ اس سال رمضان سے پہلے بھی ایک جہاز عازمین حج کو لے کر جدہ روانہ ہوگا — اور درخواستوں کی وصولی کے لئے کچھ ہفتوں کی مہلت دیجائیگی اس مدت میں آئی ہوئی تمام درخواستیں قابل توجہ ہوں گی۔ امید ہے کہ اکتوبر کے اول عشرہ میں ان کچھ ہفتوں کی تاریخ کا اعلان ہو جائے گا۔ جناب مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب صدر مرکزی حج کمیٹی نے اس بارے میں امید افزا اطلاعیں دی ہیں اور ہر ممکن حد تک سہولت دینے کی نیت کی ہے۔ سابقہ اعلان کے مطابق درخواست بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ر نومبر ۱۹۶۴ئہ ہے۔

عرس اور جلسہ سیرت و منقبت :-

۲۸، ۲۹ جمادی الاولیٰ کو حضرت حجۃ الاسلام محی الملۃ والدین قدس اللہ سرہ کے سالانہ فاتحہ و عرس کی شرکت کے لئے صوبہ کے علاوہ بیرون صوبہ سے بھی اکثر مقامات سے لوگوں کی آمد ہوئی۔ الٰہ آباد سے مولانا شاہ حکیم محی الدین صاحب جعفری اور اعظم گڑھ سے مولانا حکیم اعجاز احمد صاحب صدیقی تشریف لائے اور دہلی سے ڈاکٹر محمود صاحب قادری (دفتر جمعیۃ علماء ہند) بھی تشریف لائے۔ بہار و کلکتہ و پورنیہ کے کثیر حضرات نے شرکت کی۔ اپنے معمول و احوال کے مطابق تمام کام انجام پایا۔ اور انجمن جمعیۃ الطلبہ دار العلوم مجیبیہ کی طرف سے ۲۸ جمادی الاولیٰ کو بعد نماز ظہر جلسۂ منقبت و سیرت بھی منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا شاہ حکیم عماد الدین صاحب قادری پھلواروی نے کی۔ متعلمین مدرسہ میں حافظ عبد الماجد نے تلاوت اور حافظ صلاح الحق و مولوی برجیس احمد نے کلام منقبت سنایا۔ اور مولوی ذاکر حسین و مولوی ادریس احمد اور مولوی منتظم علی کٹکی نے حضرت رح کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ آخر میں مولانا شاہ فرد الحسن صاحب تسنیم جنیدی نے نہایت بسیط تقریر فرمائی جس میں حضرت رح کے خصائص اور با بہ الامتیاز کمالات کو مفصل طور پر بیان فرمایا۔ اور صدر جلسہ کی دعا پر نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہ :-

جناب عبد الستار خاں صاحب مدراس کی دعوت پر آپ ۲ اکتوبر کی رات میں مدراس تشریف لے گئے۔ ایک فوری عزم درپیش ہے جسکو انجام دے کر جلد ہی واپس ہو جائیں گے۔ امید ہے کہ ۱۸ اکتوبر تک پھلواری آجائیں گے۔

بقیہ ص ۳۲ پر

OCTOBER 1964] [Regd. No. P. 1047

Phone No : 23289

The ALMUJEEB Monthly

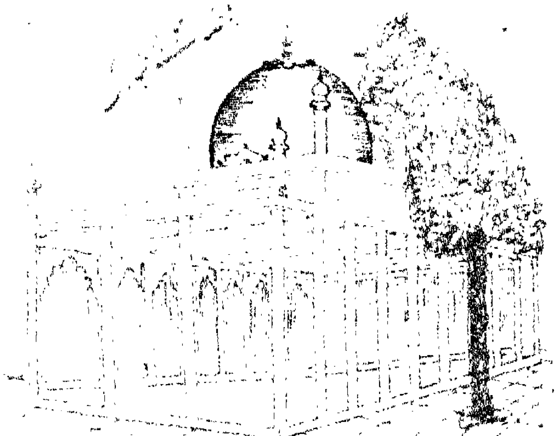
PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر:۔ سید لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ھو الفرد المجیب فی النعمۃ

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی



مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

سالانہ پانچ روپے

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فی پرچہ [illegible]

AL MUJEEB

نظام نامہ و قواعد

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

[illegible] خانقاہ مجیبیہ [illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] علم و [illegible]

[illegible] دارہ ان سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible] سالانہ قیمت [illegible]

— ناظم دار الاشاعت —

دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ٹیلیفون نمبر ۲۳۲۸۹

هُوَ الفَرد المُجیب قریب النعمة

رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۴۷

قیمت سالانہ
پانچ روپئے
فی پرچہ آٹھ آنہ

ماهنامه

المُجیب

پھلواری شریف
(پٹنہ)

پاکستان
وغیرہ ممالک سے
سات روپے

جلد ۵ | ماہ رجب ۱۳۸۴ھ - مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۴ء | نمبر شمارہ ۱۱

عنوان	مصنف	صفحہ
لمعات	ادارہ	۲-۳

• مدیر مسئول:-
سیّد احمد حسین سہسرامی

• ادارہ تحریر:-
سیّد یوسف رضوی
ظفر حسنین

• پرنٹر پبلشر:-
سیّد لطف احمد قادری

• مطبع:-
یونین لیتھو پریس منہ لمیٹڈ پٹنہ

• مقام اشاعت:-
دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ
پھلواری شریف
(پٹنہ)

لمعات

صوبہ بہار کا مشہور و مردم خیز قصبہ پھلواری شریف اگر صدیوں سے منبع فیوض و برکات اور مخزن رشد و ہدایت رہا ہے، تو اس کے ساتھ مرکز علوم و فنون بھی شمار کیا گیا ہے —— یہاں کے اکابر و اسلاف کے علمی تبحر و فنی مہارت و کمال کو ہر دور میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ اسی لئے یہاں کے علمی شان و وقار کی خصوصیت سب خصوصیتوں پر غالب رہی ہے — اور یہی وجہ ہے کہ نہ صرف بہار بلکہ بنگال اور مشرقی اضلاع یوپی کے لئے بھی یہ مرکز علم بنا رہا۔

پھلواری شریف کا علمی استفادہ جس حد تک تسلیم شدہ ہے۔ وہ اسی سے واضح ہے کہ فتاویٰ عالمگیری جس کی تدوین عہد عالمگیر میں ہوئی تھی۔ اس کے جمع و تدوین میں جن ممتاز علمائے کرام نے شرکت فرمائی تھی۔ ان میں پھلواری شریف کے بھی اکابر و علماء تھے۔ یہاں کے بعض بزرگوں کی تصنیف کردہ کتابوں کا قلمی نسخہ برٹش لائبریری لندن میں موجود اور محفوظ ہے۔

اکابر پھلواری شریف کے علمی خدمات ہی کی بنا پر تمام اہل ملک کے لئے یہ قصبہ علم و کمال کی مستند درسگاہ اور مسائل و فتاویٰ کے لئے لائق اعتماد مرکز و مرجع تسلیم کیا گیا۔

آستانہ مجیبیہ پھلواری شریف کو دوسری خصوصیات کے ساتھ ایک یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں تقریباً ڈھائی تین سو سال کا ایک نہایت قدیم کتب خانہ ہے۔ جس کی کتابیں اس وقت سے اب تک کمال نگرانی اور اہل علم کی توجہ سے نہ صرف محفوظ بلکہ نہایت بہتر حالت میں موجود ہیں۔

بعض نوادر یہاں ایسے ہیں، جو ہندوستان میں کم ہی دستیاب ہوں گے۔ علامہ ابن عبد البرؒ کی تمہید اور الاستیعاب (قلمی)، مصنف ابن ابی شیبہؒ اور مسند عبد الرزاقؒ کے (قلمی) نسخے اور طب میں علامہ ابوبکر بن زکریا رازی کی مشہور کتاب الحاوی الکبیر کا قلمی نسخہ، اسی طرح حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتاب لمعاتؒ (عربی) کا مکمل قلمی نسخہ مکتوبات حضرت مجددؒ کا قلمی نسخہ جو حضرت ہی کی نگرانی میں ان کی خانقاہ میں لکھا گیا تھا اور فقہ کی مشہور کتاب ملتقی الابحر خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور بعض دوسری نادر کتابیں یہاں ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض قلمی کتاب اب طبع ہو گئی ہے اور بعض کی طباعت کے وقت یہاں کا قلمی نسخہ، مقابلہ اور تصحیح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد میں

جب الحاوی الکبیر (علامہ ابوبکر بن زکریا رازی) کی طباعت کا سامان ہوا تو الحاوی کا واحد نسخہ جو اسکوریال سے آیا تھا، اس کی تصحیح، کتب خانہ مجیبیہ پھلواری شریف کے نسخۂ الحاوی کے مقابلہ سے کی گئی۔ اس کے بعد اس کی طباعت عمل میں آئی۔

لیکن ——— کتب خانہ کی قدامت اور کتابوں کی ندرت کے باوجود، حسرت کی بات یہ تھی کہ کتب خانہ کی اپنی کوئی عمارت نہ تھی۔ خانقاہ مجیبیہ ہی کے ایک اندرونی حصہ کو کتابوں کے رکھنے کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا اور اب تک وہی حصہ کتب خانہ کے کام آتا رہا ——— لیکن کتب خانہ کی اپنی عمارت بننے کی خواہش یہاں کے بزرگوں کو بہت عرصہ سے چلی آ رہی تھی۔

حضرت اقدس بدر الکاملین سیدنا الامام مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری قدس اللہ سرہٗ جن کے عہد میں کتب خانہ مجیبیہ بے انتہا فروغ ہوا۔ اپنی طرف سے بیش بہا کتابیں منگوا کر کثیر تعداد میں آپ نے کتب خانہ مجیبیہ میں داخل کیا اور تعداد میں اس کو قدیم کتب خانہ کے مساوی کر دیا۔ خود حضرت کتب خانہ کی عمارت بنوانے کا سامان کر چکے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا، آپ کی حیات میں نہ ہو سکا۔ اس کے بعد حضرت محی الملۃ والدین مخدوم الانام مولانا شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ نے بھی اپنے عہد میں نئے مطبوعات خرید کر کتب خانہ میں داخل کیا اور کتابوں کے مزید اضافہ سے اس کی توسیع کی اور مرمت و جلدسازی کا مستقل انتظام کر کے کتب خانہ کو نمایاں ترقی دی۔ حالانکہ آپ کے عہد میں خانقاہ میں نئی تعمیرات کا کام بہت ہوا۔ لیکن کتب خانہ کی عمارت آپ کے عہد میں بھی نہ بن سکی۔

در اصل اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ منظور الٰہی یہی تھا کہ مذکورالصدر دو بزرگوں کی خواہش و آرزو کی تکمیل جناب حضور مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری مدظلہٗ العالی سجادہ نشیں (و متولی امور موقوفہ خانقاہ مجیبیہ) کے عہد میں ہو۔ چنانچہ گزشتہ سال حضرت موصوف کی ہمت و توجہ سے کتب خانہ کی عمارت بننی شروع ہوئی اور خدا کے فضل سے جلد ہی مکمل ہو گئی۔ اب اس کا وقت آگیا تھا کہ کتابوں کو کتب خانہ کی نئی عمارت میں منتقل کیا جائے۔ چنانچہ ادھر ایک ماہ سے یہ کام ہو رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ، کتابوں کی فہرست کی ترتیب اور دیگر ضروریات و لوازمات کا کام بھی جاری ہے ——— امید ہے کہ دو ڈھائی ہفتہ میں یہ سب مکمل ہو جائے تو ۲۶ رجب ۱۳۹۴ھ دسمبر تک اس کو اس منزل پر لے آیا جائے کہ عوام و خواص سب اس سے فائدہ حاصل کر سکیں اور یہی تاریخ اس کی افتتاحی تقریب کے لئے رکھی گئی ہے ——— اس لئے کہ کتابوں کا مقصدِ اصلی، اس کا مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنا ہے ——— ہر ایک کو اس کا موقع ملنا چاہیئے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائے۔ کیونکہ مقصود یہی ہے ؎

مقصود صحبت است از گل، ورنہ بوئے گل
انصاف اگر بود ز صبا می تواں شنید

(ادارہ)

قدوۃ السالکین حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ

(از جناب مولانا محمد شفیع اللہ صاحب سہسرامی - مجیبی)

حضرت خواجہ اجمیریؒ کی ذات ستودہ صفات ظاہری و باطنی کمالات کی جامع و برگزیدہ ہستی تھی۔ شریعت و طریقت اور رشد و ہدایت کی سرچشمہ تھی، ایسی کامل ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوا کرتی ہیں۔ روحانی کمالات و تصرفات کے باعث اولیاء اللہ کے آپ مقتدائے اعظم ہیں، خصوصاً سلسلۂ چشتیہ کے آپ سلطان الاولیاء ہیں۔ آپ کے حالات طیبات سے واقف و آگاہ ہونا سعادت مندی کا سرچشمہ اور نیک بختی کا ذریعہ ہے۔ ذیل کے سطروں میں آپ کے جملہ محامد و محاسن کی صرف ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔ تاکہ اہل عقیدت اس سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

حضرت خواجہؒ کا مبارک نام حسن ہے اور معین الدین آپ کا لقب ہے۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی غیاث الدین محمد اور والدہ ماجدہ کا اسم شریف اُم الورع تھا، جو ایک نہایت دیندار اور اسم بامسمّٰی خاتون تھیں، والد ماجد کی طرف سے آپ حسینی ہیں اور والدہ مکرمہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب امام حسنؓ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سید احمد حسین، بنی عباس کے مظالم سے تنگ آکر اپنے وطن اصفہان سے ہجرت فرما کر سنجر نامی قصبہ میں اقامت گزین ہو گئے۔ اسی قصبہ میں آپ کے والد ماجد خواجہ غیاث الدین محمدؒ متولد ہوئے، جو اپنے وقت کے اولیاء کاملین میں شمار کئے جاتے تھے اور علم و فضل میں اپنے معاصر علماء و مشائخ سے بہت ممتاز شخصیت کے مالک تھے اور ساتھ ہی مادی اعتبار سے بھی آپ مرفہ الحال امیروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کا مولد سنجر ایک مردم خیز قصبہ ہے۔ یہ قصبہ ایران و خراسان کے کنارے طہران سے ڈیڑھ سو میل شمال مشرق کے کونہ پر واقع ہے۔ اسی مبارک قصبہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ۵۳۰ھ، ۵۳۵ھ، ۵۳۶ھ، ۵۳۷ھ علی اختلاف الروایات کو پیدا ہوئے۔ یہ زمانہ بڑے امتحان و آزمائش کا تھا۔ مسلمانوں کو ہر چہار طرف سے داخلی و خارجی آزمائشوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف گمراہ و بددین فرقوں نے ایمان و یقین کی بنیادوں کو متزلزل کر رکھا تھا، تو دوسری طرف خونخوار و درندہ صفت تاتاریوں نے اسلام و شعائر اسلامی کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

حضرت خواجہؒ ابھی سات ہی برس کے تھے کہ تاتاریوں نے آپ کے وطن سنجر کے سلطان پر بھی حملہ کر دیا، بڑے کشت و خون کے بعد مسلمان ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ شکست کے بعد رفتہ رفتہ ترک وطن کر کے لوگ دوسرے پُر امن مقامات کی طرف

ہجرت کر گئے، خواجہ علیہ الرحمۃ کے والد ماجد بھی مع اہل وعیال خراسان جاکر اقامت گزیں ہو گئے۔ آپ کی عمر شریف ابھی ۱۴ سال ہی کی تھی کہ آپ کے والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ اور ابھی یتیمی کا داغ مٹنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی وفات پا گئیں، آپ کو ترکہ میں ایک باغ اور ایک پن چکی ملی، یہی دونوں آپ کے لئے ذریعہ معاش تھے۔

جن حالات کے پیش نظر آپ کے والد بزرگوار نے خراسان آکر اقامت اختیار کی تھی وہی حالات بدامنی قتل وغارت اور مصائب و آلام کے پہاڑ خراسان پر نازل ہو گئے۔ اور خراسان پر بھی تاتاریوں نے اپنی درندگی، بربریت اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔

حضرت خواجہؒ . . . . کے حساس قلب نے ان زہرہ گداز اقعات وحوادث کا بہت زیادہ حزن وملال محسوس کیا۔ اور ساتھ ہی زمانہ کی نیرنگیوں نے آپ کے مقدس قلب میں ایسے گہرے تاثرات ڈالے کہ دنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری کا نقش آپ کے مبارک قلب میں ثبت ہو گیا، اور آپ کی حق بیں نگاہوں کے سامنے حقائق ومعارف کا ایسا انکشاف ہوا کہ اس فانی دنیا کا عیش و آرام اور یہاں کی دولت و حشمت، اور تمام مصائب و آلام صرف چند روزہ ہیں، حقیقی راحت وسکون اور دائمی مسرت وخوشی انسان کو اسی وقت مل سکتی ہے۔ جب کہ اس کو خدا وند قدوس کا عرفان و مشاہدہ حاصل ہو جائے۔

حضرت خواجہ رحؒ کے معصوم دل میں روحانیت و عرفانیات کا احساس ہوا ہی تھا، اور آپ روحانی علوم و معارف کیطرف متوجہ ہوئے ہی تھے کہ اسی اثنا میں حسن اتفاق سے ایک دن اچانک آپ کے باغ میں حضرت ابراہیم قندوزی جو ایک بہت بلند مرتبہ مجذوب تھے، تشریف لائے، آپ نے مجذوب صاحب کی بڑی قدر و منزلت کی اور نہایت ادب و احترام سے اپنے معزز و محترم مہمان کی خاطر تواضع میں مشغول ہو گئے۔ اور اپنے باغ سے کچھ تازہ انگوروں کے خوشے پیش کئے، مجذوب صاحب نے حسب عادت کچھ کھایا، کچھ پھینکدیا اور اپنے پاس سے کچھ روٹی کے ٹکڑے نکال کر دیے اور کہا کہ اسے کھاؤ، حضرت خواجہ رحؒ نے حکم کی تعمیل کی اور وہ ٹکڑے کھا لئے، مجذوب صاحب تو اس کے بعد چلے گئے،

لیکن اس سے حضرت خواجہ رحؒ کے قلب وضمیر میں ایک عجیب انقلاب رونما ہونے لگا، آپ کی فطری اور باطنی صلاحیتوں میں ایک غیر معمولی جلا اور روشنی پیدا ہو گئی، اور آپ کو یہ شرح صدر ہوا کہ دنیاوی علائق کو ترک کر کے خدا کی یاد میں اور حق کی تلاش میں آپ نکل کھڑے ہوئے، اور یہ ٹھان لیا کہ حیات مستعار کا ہر لمحہ مخلوق خدا کی خدمت گزاری اور ان کی اصلاح و ہدایت میں ہی بسر کریں گے،

اگرچہ تاتاری درندوں کے دست برد سے اسلامی علوم وفنون کے بڑے بڑے مراکز تباہ و برباد ہو چکے تھے، لیکن سمرقند و بخارا میں ابھی تک خورشید اسلام پوری تابانی کے ساتھ نور افشانی کر رہا تھا اور یہ دونوں شہر بڑے بڑے علماء اور صلحاء امت کا ماویٰ و ملجا بنے ہوئے تھے، اس لئے خواجہ علیہ الرحمۃ علوم اسلامیہ کی تحصیل وتکمیل کے لئے سمرقند و بخارا تشریف لے گئے۔ چنانچہ بیس سال کی عمر میں تفسیر حدیث، فقہ اور معارف و اسرار وغیرہ علوم حقیقیہ اور علوم حکمیہ میں آپ نے پوری پوری مہارت حاصل کر لی، علوم متداولہ سے فراغت کے بعد آپ نے روحانی تعلیم و تربیت کے لئے بغداد شریف کا قصد فرمایا۔ کیونکہ اسوقت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے باطنی کمالات کی دھوم چاردانگ عالم میں مچی ہوئی تھی، آپ وہاں پہنچ کر حضرت شیخ ہارونی رحؒ سے مرید ہو گئے اور بیس برس تک

حضرت شیخ رح کی خدمت بابرکت میں رہکر روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی ، اور خرقہ و مصلی اور خلافت کی نعمت سے بھی حضرت شیخ ہارونی رح نے آپ کو سرفراز فرمایا۔

ابھی حضرت خواجہ رح روحانی تربیت پا ہی رہے تھے کہ اسی اثنا میں شیخ ہارونی رح حج بیت اللہ شریف کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لیجانے لگے ۔ تو اپنے ہمراہ حضرت خواجہ رح کو بھی لے گئے ، ادائے حج کے بعد شیخ ہارونی رح نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے خدا! تونے معین الدین کو میرے سپرد فرمایا تھا۔ آج میں اس درویش باصفا کو تیرے سپرد کرتا ہوں ، تو اسے قبول فرما۔ پھر مدینہ پاک کی زیارت کے لئے آپ تشریف لے گئے اور وہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ پر حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کرکے مراقبہ حق میں مشغول و منہمک ہوگئے دوران قیام میں ایک رات کو خواب میں رسول پاک کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ، اے معین الدین ! تم ہندوستان جاکر اسلام کی تبلیغ کرو۔ یہ مژدہ جانفزا اور بشارت کبریٰ کے پاتے ہی آپ ہندوستان کے لئے روانہ ہوگئے ، راستہ میں بغداد شریف ۔ ہمدان ، تبریز ، اصفہان ، خرقان ، ہرات ، بلخ ، وغیرہ ہوتے ہوئے اور بڑے بڑے علماء کرام اور مشائخ عظام کی ملاقاتوں اور صحبتوں سے فیوض وبرکات کا افادہ واستفادہ فرماتے ہوئے غزنی تشریف لے آئے اور وہاں شیخ عبدالواحد رح سے کچھ دن تک اسرار و معارف کی روحانی مجلسیں گرم رہیں ۔ پھر غزنی سے روانہ ہوکر اپنے چالیس ہمراہیوں کے ساتھ آپ لاہور تشریف لے آئے ۔ اور حضرت داتا گنج بخش رح کی خانقاہ میں مقیم ہوئے ۔ کچھ دنوں کے بعد آپ دہلی کے لئے روانہ ہوگئے ۔ اور کچھ روز تک یہاں بھی قیام فرمایا پھر ۵۸۹ھ کے قریب آپ اجمیر شریف تشریف لے آئے ۔

ہندوستان نے جو باطنی اور روحانی طور پر حضرت خواجہ رح کی آمد کا مشتاق و منتظر تھا ، آپ کے قدوم میمنت لزوم سے اطمینان ومسرت محسوس کی ، اس تیرہ و تاریک ملک میں پہنچکر آپ نے ہدایت واصلاح اور عرفان وروحانیت کی ایسی شمع روشن فرمائی کہ آج تک سارے ہندوستان میں اسکی روشنی پھیلی ہوئی ہے ۔

چونکہ حضرت خواجہ رح اسلام کی تبلیغ واشاعت ہی کے لئے ہندوستان تشریف لائے تھے اس لئے آپ کا ہر لمحہ اسلام کی سچائیوں کی تبلیغ واشاعت ہی میں صرف ہوتا تھا ۔ آپ کا ہر قول وعمل اسلامی تعلیمات کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھا ۔ اجمیر پہنچکر اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے آپ ۴۵ - ۴۶ سال تک سرگرم اور منہمک رہے ۔

حضرت خواجہ قدس سرہ کی برگزیدہ شخصیت ان کامل ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی ہے ، جنہوں نے بلحاظ رشد و ہدایت دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا کیا تھا ۔ آپ ایک بلند پایہ زاہد قدوۃ السالکین ہونے کے ساتھ ساتھ مصلح اعظم اور مبلغ اعظم بھی تھے ، اور علوم واسرار ، رموز و مکاشفات اور عرفان الٰہی کے درجہ کمال پر فائز و متمکن تھے ،

اسلامی دنیا میں یوں تو بے شمار عالم ، فاضل ، امام فن اور پیشوا ملت ایسے گذرے ہیں جنہوں نے مختلف زمانوں میں عصری رجحانات وضروریات کے پیش نظر انسانوں کی اصلاح ودرستی اور ہدایات و رہنمائی کی نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں ، [illegible] انکا اور ائمہ کرام کے کارناموں سے اسلامی دنیا قیامت تک فیضیاب ہوتی رہے گی ،

لیکن خواجہ علیہ الرحمۃ نے اگرچہ ائمہ مذاہب اور مجتہدین ملت کیطرح عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کے قواعد و اصول کی تفصیل و توضیح نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ نے کثیر التصانیف علماء کی طرح اسلامیات سے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، مگر آپ نے شخصیت کی تعمیر کا سب سے مشکل کام انجام دینے میں وہ نمایاں اور ممتاز کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے فیوض و برکات سے ہندوستان کی سرزمین "حقیقت و طریقت کے گلہائے رنگین سے رشک چمن اور فخر گلستاں بنی ہوئی ہے۔ اسلام کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم اور مقبول بنانے میں جیسی عظیم خدمات آپ نے انجام دی ہیں اس کی مثال عالم اسلام پیش کرنے سے عاجز ہے۔

بلاشبہ حضرت خواجہ رح کی قدسی خصوصیات شخصیت جملہ فضائل و کمالات کی جامع تھی، آپ اقلیم علم و عرفاں کے شہنشاہ تھے، آپ نے ہندوستان جیسے عظیم ملک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا اہم ترین فریضہ انجام دینے رہنے میں زبردست کامیابی حاصل فرمائی۔ جہاں آپ کا نہ کوئی یار و مددگار تھا، نہ کوئی خاندانی رشتہ دار تھے۔ ملک غیر، حکومت دشمن، رعایا خون کی پیاسی، زبان ناآشنا، ہر طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا، غرض یہاں کے مجموعی حالات و کیفیات قطعی ناسازگار تھے۔ پھر بھی آپ نے بتائید خداوندی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی وہ معجزانہ خدمات انجام دی ہیں کہ رہتی دنیا تک عالم اسلام آپ کا منت پذیر اور احسان مند رہے گا۔

تاریخ اسلام میں آپ کا سب سے بڑا شاہکار یہی ہے کہ آپ نے اخلاقی اور علمی فضائل و کمالات کے ذریعہ اساطین علم و معرفت کی تعلیم و تربیت فرمائی اور آپ کے باطنی تصرفات و کمالات کے توسط سے صدہا اہل عرفان کی شخصیتوں کی تعمیر ہوئی اور پھر ان کے ذریعہ سلسلہ بسلسلہ بے شمار لوگ ایمان و عرفاں کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے، اصلاح و ہدایت کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، یہ سب کچھ آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا فیض ہے کہ چاروں دانگ ہند میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ جب حضرت خواجہ رح فرائض تبلیغ کو پایۂ تکمیل تک انجام دینے میں کامیاب ہو چکے اور ہندوستان کی سرزمین کفر و ضلالت کو وحدانیت و عرفان الٰہی کی روشنی سے منور فرما چکے تو آپ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی، آثار و قرائن سے مخلصین کو احساس ہو چکا تھا کہ اب خواجہ غریب نواز رح کی دائمی مفارقت کا وقت قریب آگیا ہے بالآخر وہ وقت آ ہی گیا جس کا آنا سب کے لئے ناگزیر ہے اور ۹۸ سال کی عمر میں مورخہ ۶ رجب سنہ ۶۳۳ھ کو آپ نے دار فانی سے رحلت فرمائی اور آغوش رحمت الٰہی میں منقیم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑے بڑے اولیا اللہ آپ کے آخری دیدار کے لئے حاضر ہوئے جنازے کی نماز آپ کے صاحبزادے سید فخر الدین نے پڑھائی، آپ کا جسم اطہر آپ ہی کے حجرہ شریف میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی مقدس خوابگاہ ہونے کا لازوال شرف راجستھان کے مشہور شہر اجمیر کو حاصل ہے۔ اسی لئے یہ مبارک شہر اجمیر شریف اور دار الخیر اجمیر کے اعزازی ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سلام علی مرقد نام فیہ — حبیب بہاری بر الملک والدین رضی اللہ عنہ

سلام اور مصافحہ کی فضیلت

(جناب سید نعمان غنی صاحب دیوروی)

اسلام ایک مکمل دین ہے اور اس کا ایک مکمل دستور ہے جس کا نفاذ اور اس پر عمل ہمارے لئے چراغ راہ اور باعث کامرانی ہے۔ اسلام نے اخلاق کی اصلاح پر کافی زور دیا ہے اور ہر ممکن طور پر اس راہ کی نشاندہی کردی ہے جس سے اخلاق بلند ہو۔ کیونکہ اخلاق کی بلندی ہی سے صالح معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے۔

اخلاقی تعلیمات میں اسلام اور مصافحہ کے متعلق اسلام کی تعلیم ملاحظہ ہو، اسلام نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چند حقوق عائد کئے ہیں۔ حدیث ہے کہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔

(۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا (۴) دعوت کو قبول کرنا۔

(۵) چھینک کا جواب دینا۔ (بخاری و مسلم)

کون کس کو سلام کرے

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو، سواری پر چلنے والا پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔ حدیث ہے کہ (۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے سوار سلام کرے پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا سلام کرے بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی سلام کریں بہت آدمیوں کو (بخاری و مسلم)

سلام کرنے میں سبقت

ایک طرف اسلام نے سلام کرنے کا فارمولا بنا دیا تو دوسری طرف ہر شخص کو سلام کرنے میں سبقت کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے ہر شخص کو سلام کرنے کی عادت ہو جائے اور کسی شخص میں تکبر پیدا نہ ہو۔ بعض لوگ سلام کرنے میں سبقت نہیں کرتے اور وہ یہ سمجھتے اور سوچتے ہیں کہ وہ عمر میں یا علم میں یا دولت میں یا عہدے میں بڑے ہیں اس لئے ان کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہئے ان کے لئے یہ حدیث باعث سبق ہے۔

(۱) ابی امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ سے نزدیک تر وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے

(احمد ترمذی ابو داؤد)

(۷) عبد اللہ رض کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے (بیہقی)

کلام سے پہلے سلام اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ جائے تو پہلے وہاں کے لوگوں کو سلام کرے اس کے بعد گفتگو شروع کرے حدیث ہے کہ جابر رض کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کلام سے پہلے سلام کرنا چاہیئے۔ (ترمذی)

جو سلام نہ کرے اسکو اپنے پاس نہ آنے دو اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے سلام اس کے بعد گفتگو، اگر کوئی شخص سلام نہ کرے اور گفتگو شروع کرے اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دے حدیث ہے کہ

جابر رض کہتے ہیں نبی صلعم نے فرمایا ہے جو شخص سلام سے پہل نہ کرے اسکو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دو (بیہقی)

سلام کرنا بہتر عادت ہے اسلام نے سلام کرنے کو بہتر عادت سے تعبیر کیا ہے۔ حدیث ہے کہ عبد اللہ بن عمر رض کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلعم سے پوچھا اسلام میں کون سی عادت بہتر ہے آپ نے فرمایا کھانا کھلاؤ اور آشنا اور نا آشنا سب کو سلام کرنا (بخاری مسلم)

سلام کرنے کی فضیلت اسلام نے آپس کی محبت کو کامل ایمان کی نشانی بتائی ہے اور آپس میں سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔ حدیث ہے کہ

ابو ہریرہ رض کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے تم اس وقت تک بہشت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا تم کو ایک ایسی بات بتلاؤں جب تم اس پر عمل کرو تو تمہارے درمیان محبت بڑھے اور وہ بات یہ ہے سلام کو رواج دو یعنی آپس میں آشنا و نا آشنا سب کو سلام کرو (مسلم)

لڑکوں کو سلام کرنا ادب کا تقاضہ یہی ہے کہ لڑکے اپنے سے بڑوں کو سلام کریں لیکن اسلام نے سلام کرنے میں سبقت کرنے والوں کو افضلیت سے نوازا ہے اس لئے اگر بڑے لوگ سلام کرنے میں پہل کریں تو افضلیت کا درجہ حاصل کریں گے۔ چھوٹوں کو سبقت کرنے کی تعلیم اور سلام کرنے کی عادت ہوگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کو سلام کیا کرتے تھے حدیث ہے کہ

انس رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم لڑکوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے اور ان کو سلام کیا (بخاری و مسلم)

سلام کا جواب ایک طرف یہ تعلیم دی گئی ہے کہ سب کو سلام کرنا چاہیئے اسی طرح اسکی بھی ہدایت کی گئی ہے کہ سلام کرنے والوں کو اس کے سلام کا جواب خوش دلی اور بہتر طریقے سے دیا جائے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ط

اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہدو (نساء)

بہتر اور اچھے طور پر جواب دینے کا طریقہ حدیث میں ہے کہ

(۱) عمران بن حصین رضی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا حضورؐ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ شخص بیٹھ گیا۔ نبیؐ نے فرمایا اس شخص کے لئے دس نیکیاں لکھی گئیں پھر ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے اسکو بھی سلام کا جواب دیا اور اسکے بیٹھ جانے پر فرمایا اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور اس کے بیٹھ جانے پر فرمایا اسکے لئے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

۲) معاذ بن انس رض نے مذکورہ بالا حدیث کے ہم معنی حدیث رسول اللہؐ سے نقل کی ہے اور یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے فرمایا اس شخص کے لئے چالیس نیکیاں لکھی گئیں اسکے بعد آپ نے فرمایا اور اسی طرح سے ثواب بڑھتا جاتا ہے (ابوداؤد)

سلام خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ اسلام نے سلام کرنے کو موجب خیر و برکت بتایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى [illegible]

پھر جب تم گھروں میں جانے لگا کرو تو [illegible] لوگوں کو سلام کر لیا کرو [illegible] جو خدا کی طرف سے مقرر [illegible]

[illegible] عمدہ چیز ہے [illegible] (نور)

[illegible] سلام [illegible] ہے کہ

[illegible] فرمایا بیٹا جب تم [illegible] داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو [illegible]

[illegible] کے لئے برکت کا موجب [illegible]

[illegible] فرمایا جب تم [illegible]

[illegible] سلام کرکے رخصت کرو [illegible] (بیہقی)

[illegible] سلام [illegible] اسلام نے بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ط

اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو (نور)

ابن کثیر نے کہا یعنی دوسرے لوگوں کے گھروں میں نہ گھسا کریں یہاں تک کہ اندر جانے سے پہلے اجازت لے لیا کریں۔ اور اجازت کے بعد السلام علیکم کہہ لیا کریں۔ اور تین بار اجازت لینا چاہئے اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ پھر آجانا چاہئے اور شاہ ولی اللہ رح نے کہا کہ جملہ وتسلموا تفسیر اور بیان ہے تستانسوا کا یعنی اذن کی طلب السلام علیکم کے ساتھ کیا کرے۔ حدیث شریف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلام اندر جانے سے پہلے کیا کرے کلدہ رض کہتے ہیں میں داخل ہوا رسول اللہ پر تو میں نے سلام کیا اور میں نے اجازت نہ مانگی رسول اللہ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور کہو السلام علیکم کیا میں آجاؤں روایت کیا اس کو احمد نے (ابن کثیر)

جماعت کو سلام کرنا جماعت کے سلسلے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جماعت میں سے ایک آدمی کا سلام کرنا اور ایک ہی آدمی کا جواب دینا سارے جماعت کی طرف سے کافی ہے۔ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی جب کسی جماعت میں جاتا ہے تو وہ فرداً فرداً سب کو سلام کرتا ہے اور جماعت کے سب ہی لوگ فرداً فرداً جواب دیتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے حدیث ہے کہ

(۱) علی بن ابی طالب رض کہتے ہیں کہ جب آدمیوں کی کوئی جماعت گزرے اور ان میں سے ایک کسی آدمی یا جماعت کو سلام کرے تو یہ سلام ساری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور [illegible] ایک آدمی کسی کے سلام کا جواب دیدے تو یہ سلام سارے ہی کی طرف سے [illegible]

اس روایت کو [illegible] نقل کیا ہے۔ [illegible]

[illegible] کو سلام کرنا [illegible]

[illegible]

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ط

اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہدو (نساء)

بہتر اور اچھے طور پر جواب دینے کا طریقہ حدیث میں ہے کہ

(۱) عمران بن حصین رضؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام کیا حضورؐ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ شخص بیٹھ گیا۔ نبیؐ نے فرمایا اس شخص کے لئے دس نیکیاں لکھی گئیں پھر ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے اسکو بھی سلام کا جواب دیا اور اسکے بیٹھ جانے پر فرمایا اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ پھر ایک شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور اس کے بیٹھ جانے پر فرمایا اسکے لئے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۲) معاذ بن انس رضؓ نے مذکورہ بالا حدیث کے ہم معنی حدیث رسول اللہؐ سے نقل کی ہے اور یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ پھر ایک شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے فرمایا اس شخص کے لئے چالیس نیکیاں لکھی گئیں اسکے بعد آپ نے فرمایا اور اسی طرح سے ثواب بڑھتا جاتا ہے (ابوداؤد)

سلام خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ اسلام نے سلام کرنے کو موجب خیر و برکت بتایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ط

پھر جب تم گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔ (نور)

اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ

(۱) انس رضؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا بیٹا جب تو گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کر تیرا سلام تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت کا موجب ہوگا۔ (ترمذی)

(۲) قتادہ رضؓ کہتے ہیں نبیؐ نے فرمایا ہے جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم گھر سے باہر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کر کے رخصت کرو (بیہقی)

طلب اذن کے لئے سلام اسلام نے بغیر اجازت کسی مکان میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا ط

اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو (نور)

ابن کثیر نے کہا ہمیں دوسرے لوگوں کے گھروں میں گھسا کریں یہاں تک کہ اندر جانے سے پہلے اجازت لے لیا کریں۔ اور اجازت کے بعد السلام علیکم کہہ لیا کریں۔ اور تین بار اجازت لینا چاہئے اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ پھر آجانا چاہئے اور شاہ ولی اللہ رح نے کہاکہ حتٰی تستانسوا و تسلموا، تفسیر اور بیان ہے تستانسوا کا یعنی اذن کی طلب السلام علیکم کے ساتھ کیا کرے۔ حدیث شریف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلام اندر جانے سے پہلے کیا کرے کلدہ رض کہتے ہیں میں داخل ہوا رسول اللہ ﷺ پر تو میں نے سلام کیا اور میں نے اجازت نہ مانگی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور کہو السلام علیکم کیا میں آجاؤں روایت کیا اس کو احمد نے (ابن کثیر)

جماعت کو سلام کرنا جماعت کے سلسلے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جماعت میں سے ایک آدمی کا سلام کرنا اور ایک ہی آدمی کا جواب دینا سارے جماعت کی طرف سے کافی ہے۔ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی جب کسی جماعت میں جاتا ہے تو وہ فرداً فرداً سب کو سلام کرتا ہے اور جماعت کے سب ہی لوگ فرداً فرداً جواب دیتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے حدیث ہے کہ

(۱) علی بن ابی طالبؓ کہتے ہیں کہ جب آدمیوں کی کوئی جماعت گزرے اور ان میں سے ایک کسی آدمی یا جماعت کو سلام کرے تو یہ سلام ساری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور اسی طرح سے اگر کسی جلسہ میں سے صرف ایک آدمی کسی کے سلام کا جواب دیدے تو یہ سلام سارے مجمع کی طرف سے کافی ہے (بیہقی نے اس روایت کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ یعنی اس قول کو نبیؐ کا ارشاد بتایا ہے)

غیر مسلم کو سلام کرنا غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے لیکن جب وہ سلام کریں تو جواب دیا جائے حدیث ہے کہ

(۱) ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو .... (مسلم)

(۲) انس رضؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے یہود و نصاریٰ جب تم کو سلام کریں تو تم ان کے جواب میں وعلیکم کہو (یعنی تم پر بھی) (بخاری و مسلم)

عورتوں کو سلام کرنا۔ عورتوں کو بھی سلام کرنا جائز ہے۔ حدیث ہے کہ۔

(۱) اسماء بنت یزید رضؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری (عورتوں کی) ایک جماعت کے قریب سے گزرے اور ہم کو سلام کیا۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ، دارمی)

(۲) جریر رضؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ عورتوں کی ایک جماعت کے قریب سے گزرے اور ان کو سلام کیا (احمد)

یہ مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بسبب امن کے واقع ہونے سے فتنہ میں اور جوانوں کو مکروہ ہے یہ کہ سلام کرے عورت اجنبیہ کو مگر یہ کہ بوڑھیا اس سے سلام علیک جائز ہے (اشعۃ اللمعات)

بہرحال محرم عورتوں کے درمیان سلام علیکم کا ہی رواج ہونا چاہیئے۔ اور عورتوں عورتوں میں بھی سلام علیکم ہی ہونا چاہیئے

نماز میں سلام کا جواب دینے کی ممانعت نماز کی حالت میں سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا ممنوع ہے، حدیث میں ہے کہ

(۱) عبداللہ بن مسعود رضؓ کہتے ہیں کہ ہم نبیؐ کو جبکہ آپ نماز پڑھتے ہوتے سلام کرتے تھے اور آپ ہمارے سلام کا جواب دیدیتے تھے پھر ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ کو سلام کیا جبکہ آپ نماز میں مشغول تھے آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (اب سے پہلے) ہم لوگ آپ کو نماز کی حالت میں سلام کرتے تھے اور آپ ہم کو سلام کا جواب دیدیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا نماز میں مشغولیت ہے یعنی ذکر الٰہی یا قرأت قران ایسی حالت میں کلام کرنا ممنوع ہے (بخاری و مسلم)

مصافحہ کا رواج اسلامی معاشرے میں سلام کے ساتھ مصافحہ کا بھی دستور تھا۔ قتادہؓ کہتے ہیں میں نے انس رضؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہؐ کے اصحاب میں مصافحہ کا رواج و دستور تھا انہوں نے کہا ہاں (بخاری)

مصافحہ مکمل سلام ہے اسلام نے سلام کرنے کی تعلیم دی ہے اسی کے ساتھ مصافحہ کرنے کی بھی تاکید کی ہے بغیر سلام کرنے کو نامکمل بتایا ہے۔ ابی امامہ رضؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا ہے مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی یا ہاتھ پر رکھکر اس سے اس کا حال پوچھو اور پورا سلام کرنا یہ ہے کہ سلام کے بعد تم مصافحہ بھی کرو (احمد و ترمذی)

مصافحہ کرنے کی تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ کرنے کی تاکید کی ہے انس رضؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہؐ ہم میں سے جب کوئی اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرے یا کسی دوست سے تو کیا وہ (اسکی تعظیم و تکریم کے لئے) سر کو جھکائے آپ نے فرمایا نہیں۔ اس شخص نے کہا کیا اس سے معانقہ کرے (یعنی اس سے گلے ملے) اور اسکو بوسہ دے آپ نے فرمایا نہیں۔ اس شخص نے پھر پوچھا کیا اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کرے آپ نے فرمایا ہاں (ترمذی)

مصافحہ کی فضیلت سلام کرنے کی فضیلت اور اس سے خیر و برکت کے متعلق آپ نے پڑھا اسی طرح مصافحہ کی فضیلت بھی ہے

(۱) براء بن عازب رضؓ کہتے ہیں نبیؐ نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو ان دونوں کو جدا ہونے سے پہلے ان کو بخش دیا جاتا ہے (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب دو مسلمان ملیں باہم مصافحہ کریں اللہ سے بخشش چاہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ (۲) براء بن عازب رضؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا ہے جس شخص نے دوپہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی اس نے گویا چار رکعتوں کو شب قدر میں پڑھا اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کریں تو ان کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا بخش دیا جاتا ہے (بیہقی)

(۳) عطا خراسانی رضؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا ہے مصافحہ کیا کرو اس سے (بغض و) کینہ دور ہو جاتا ہے اور ہدیہ و تحفہ بھیجا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور دشمنی جاتی رہتی ہے (مالک)

لکھنؤ ـــ نوابوں کا شہر

ـــــ ظفر حسنین

(۲)

لکھنؤ یونیورسٹی :ـ

ندوۃ العلماء سے تھوڑے ہی فاصلے پر لکھنؤ یونیورسٹی کی عمارت ہے ۔ دراصل یہ علاقہ شہر سے اتنی دوری پہ ہے کہ اگر یہاں سے ندوۃ العلماء اور لکھنؤ یونیورسٹی کی عمارتیں ہٹا دی جائیں تو پھر یہاں ویرانی کا دور دورہ ہو جائے لیکن شہر کی ہماہمی سے علیحدگی میں جو سکون پنہاں ہے اس نے علم کے پیاسوں کو اپنے مقصد کے حصول میں بہت آسانیاں دے دی ہیں ۔ پرسکون اور خاموش فضا میں طلباء اور طالبات کے قہقہے اور ان کی دوسری مشغولیتیں اس حصہ کو آباد کئے ہوئے ہیں ۔ یونیورسٹی کا ہوسٹل تو ندوۃ العلماء کے ٹھیک پشت پر ہے ۔ یونیورسٹی کی عمارتیں کچھ فاصلے پر ہیں ۔ ایک اجنبی کی طرح گھومتا ہوا میں یونیورسٹی کے علاقہ میں داخل ہوا ۔ دس بجنے والے تھے ۔ ہر طرف سے لڑکے اور لڑکیاں رنگا رنگ لباس میں ملبوس ہنستے قہقہے لگاتے چلے آرہے تھے ۔ یہ تو عام بات ہے کہ جب کوئی اجنبی کسی نئی جگہ جاتا ہے تو در و دیوار میں بھی ایک کشش ہوتی ہے جو اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اور یہاں تو لکھنؤ کے در و دیوار سے واسطہ تھا ـــــ جہاں ہر دیوار اپنے سینے میں ایک کہانی، ایک افسانہ محفوظ رکھے ہوئے ہے ۔ اس لئے مخصوص طور سے عمارتوں کو دیکھتا رہا اور خیالات و تصورات میں کھویا ہوا ایک عمارت سے دوسری عمارت اور ایک منزل سے دوسری منزل تک آتا جاتا رہا ۔ در و دیوار کی کہانیاں تو خیالات و تصورات کے سہارے آگے بڑھتی بھی ہیں لیکن انسانوں کے بارے میں جاننے کے لئے کسی رہبر کی تلاش تھی ـــــ کسی ساتھی کی جو کچھ بتا سکے ۔ اتفاق سے اس وقت جسم پر قمیص پاجامہ اور سر پر کشتی نما ٹوپی تھی جو یونیورسٹی کی فضا کے لئے عجیب ہے ۔ اس لئے جدھر سے گزرتا ایک گھورتی نگاہ ضرور پڑتی ۔ خاص کر ٹیڈی لباس میں ملبوس ہم عمروں کی ایک نگاہ غلط انداز کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ۔ ندوہ میں سنا تھا کہ گورکھپور کے ہمارے ایک شناسا مبارک صاحب خندان نے ان دنوں یونیورسٹی کے عربی شعبہ میں داخلہ لے رکھا ہے ۔ نگاہیں انہیں ڈھونڈتی رہیں ۔ لیکن جب ان سے ملاقات نہ ہوئی تو ایک دوسرے شناسا حضرت کو جا دھرا ۔ اپنے بارے میں بتایا کہ پٹنہ سے آیا ہوں ، پٹنہ یونیورسٹی کی خاک چھان چکا ہوں ۔ اور مشہور زمانہ بی ۔ این ۔ کالج میں کئی سال رہ چکا ہوں ۔ اور بی ۔ این کالج میں فائرنگ کے وقت پولیس کے ڈنڈے کو اپنے مضبوط سر پر برداشت کر کے غازی بھی بن چکا ہوں (یہ بات دوسری ہے کہ غازی کا

سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے چکر نے کئی دنوں اسپتال کا مہمان بنا دیا تھا) غرض اس طرح کے سرسری تعارف کے بعد اپنا عیادکچھ پڑھتا ہوا معلوم ہوا۔ کچھ اور لڑکے آگئے اور جب تمام لڑکوں کو میری "خصوصیات" معلوم ہوئیں۔ تو بعض کا خیال کئے ہوئے کہ میرے سر پہ ٹوپ ہے۔ ان لوگوں سے گرمجوشی کا اظہار کیا ایک جگہ (CONSULTING ROOM) میں لے گئے اور وہاں دیر تک ادھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ کچھ اپنے یہاں کے طالبعلموں کے بارے میں بتایا اور کچھ ان سے واقفیت حاصل کی۔ یہ بات پہلے سے جانتا تھا کہ لکھنؤ یونیورسٹی کے طلباء عام طور سے اعلیٰ اخلاقی معیار پر پورے نہیں اترتے ہیں جو آج کے طالب علموں کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ غنڈہ گردی اور فرقہ پرستی میں بہت پیچھے ہیں۔ جہاں تک یاد آتا ہے جس زمانہ میں علیگڑھ یونیورسٹی میں فرقہ پروروں نے ہنگامہ کیا تھا اور ان کی حمایت میں دوسری یونیورسٹی میں ہنگامے ہوئے تھے اس وقت بھی لکھنؤ یونیورسٹی کے طلباء الگ تھلگ رہے تھے۔ اس زمانہ میں کسی یونیورسٹی کے کچھ بہادر طلباء نے لکھنؤ یونیورسٹی کے طلباء کے لئے ایک تحفہ بھیجا تھا —— تحفہ تھا چوڑیوں کا ایک جوڑہ جسے پہنکر بیٹھ رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ بہادری کے اس میدان میں نہ اترتے تھے جس نے پورے ملک کا سر "بلند" کر دیا تھا۔ بہرحال گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی گفتگو میں لڑکے سنجیدہ ہی نظر آئے۔ ان لوگوں سے رخصت ہو کر وہاں کی لائبریری میں آیا۔ دروازے پر ایک باوردی دربان کھڑا تھا جو اندر سے باہر آنے والے لڑکوں کی تلاشی لیا کرتا تھا۔ یہ طریقہ ہمارے یہاں پٹنہ یونیورسٹی میں بھی رائج ہے۔ اور چونکہ یہ قاعدہ بنا دیا گیا ہے اس لئے کہ ہر تھوڑی بات پر ناک بھوں چڑھانے والے طلباء اس کا برا نہیں مانتے۔ لائبریری اچھی اور شاندار ہے سامنے ہی کاؤنٹر ہے جہاں سے کتابیں لے کر لڑکے دوسرے ریڈنگ روم میں چلے جاتے ہیں اوپر کے حصے میں بہت ہی سکون ہے یہیں لڑکے مطالعہ کرتے ہیں۔ لائبریری دیکھتا ہوا واپس ہوا۔

جب اپنے قیام گاہ واپس ہوا تو دوپہر ہو چلی تھی۔ ہمارے آنے کے فوراً بعد ہی مجلس کا جلسہ ختم ہوا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہٗ واپس چلے گئے تھے باقی دوسرے ارکان دسترخوان پر موجود تھے۔ کھانے کے بعد حالات حاضرہ پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ورکنگ صدر جمعیۃ العلمائے ہند اپنی شگفتہ بیانی اور چبھتے جملے کی وجہ سے مجلس پر چھا جاتے ہیں۔ ان کے جملے بہت ہی دلچسپ ہوتے ہیں۔ مجلس دیر تک جمی رہی۔ محترم بھائی صاحب اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے دیر تک گفتگو ہوتی رہی میں اپنے کمرے میں آکر سو گیا۔ جب اٹھا تو شام ہو چلی تھی۔ عصر کی نماز کے بعد مولانا مرتضیٰ صاحب مل گئے۔ یہ گذشتہ سال حج میں بھائی صاحب کے ساتھ تھے۔ یہاں ندوۃ العلماء لائبریری کے انچارج ہیں۔ اصرار کر کے اپنے کمرے میں لے گئے اور بہت ہی عمدہ چائے پلائی۔ شام میں شہر چلے جانے کا خیال تھا۔ لیکن مولانا علی میاں مدظلہ نے بھائی صاحب سے فرمایا کہ کھل کر باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ آج شام کو آپ یہیں رہ جائیں۔ بعد مغرب صحن میں کرسیاں نکلیں اور تمام حضرات ۹ بجے رات تک گفتگو کرتے رہے۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب شہر چلے گئے تھے۔ عشاء سے پہلے فرنگی محل سے مولانا مفتی عتیق صاحب بحرالعلومی کا فون آیا۔ انہوں نے پوچھا کہ بھائی صاحب کل کس وقت ان کے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ بھائی صاحب کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مجھے وہاں فون کرنے کو کہا لیکن کافی جستجو کے بعد بھی ان کا فون نمبر نہیں ملا۔ دراصل فون ان کے مدرسے کے نام سے ہے جبکہ ہم ان کے نام پر تلاش کر رہے تھے۔

دوسرے دن ناشتہ کے بعد مہمان خانے میں ایک صاحب تشریف لائے۔ مولانا عرفان صاحب نے ان کا تعارف ان لفظوں میں

گیا۔ "آپ وحید الدین خاں صاحب "مصنف تعبیر کی غلطی" ہیں ـــ" ان کے اس جملے پر مولانا وحید الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہوگی اگر مجھے اس کتاب کے مصنف کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے۔" میں نے ان کی کتاب پڑھی ہے۔ کئی سال جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن رہنے کے انہوں نے خود کو جماعت سے علحدہ کر لیا ہے۔ اور اپنی اس تصنیف میں تفصیل سے ان اسباب اور وجوہات کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں علحدگی پر مجبور کیا۔ وہاں موجود تمام اہل قلم حضرات نے ان کے تصنیف کی بے انتہا تعریف کی لیکن وہ خود خرم سے دبے ہوئے جا رہے تھے۔ اپنی کتاب میں بھی انہوں نے لکھا ہے کہ "یہ کتاب لکھنے کے بعد ہماری خواہش ہوئی کہ کہیں چھپ جاؤں اور کسی کے نظر نہ آؤں" یہاں بھی وہ خاموش ہی نظر آرہے تھے اُن کی گفتگو اور ان کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اپنے ضمیر سے سخت جنگ کے بعد انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کے خلوص ہی نے ان کی اس کتاب کو جماعت مخالف کتابوں میں بہت اہم بنا دیا ہے۔ ۹ بجے مفتی عتیق الرحمن صاحب روانہ ہوگئے۔ یہاں سے ہم شہر گئے۔ جہاں سے مولانا علی میاں مدظلہ اور مولانا منظور نعمانی صاحب اور مولانا ابو اللیث صاحب ان کے ہمراہ ہوگئے۔ یہ لوگ اس وفد کے ممبر کی حیثیت سے جا رہے تھے جس نے ڈاکٹر محمود صاحب کی سرکردگی میں بہار اڑیسہ کے فساد زدہ علاقے کا دورہ کیا ہے۔ مولانا محمد علی میاں صاحب مدظلہ نے جانے سے پہلے اپنی کئی کتابیں جن میں "سیرت مولانا محمد علی مونگیری" اور "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" شامل تھیں۔ بھائی صاحب کو پیش کیا اور زبانی مجھ سے فرمایا کہ یہاں "المجیب" کے شمارے نہیں آتے بھیج دیا کریں۔ میں نے "تعمیر حیات" کے نائب ایڈیٹر صاحب سے تبادلہ کی باتیں کر لیں۔ دس بجے رکشہ پر سوار ہو کر ہم لوگ بھی شہر کی طرف روانہ ہوئے ـــ ایک آخری نگاہ اس عظیم ادارہ پر ڈالتے ہوئے جو آج کے مسلمانوں کی امید کا بڑا مرکز ہے۔

رکشہ مختلف شاہراہوں سے ہوتا ہوا اونچی نیچی سڑکوں سے گزرتا ہوا اور آباد و غیر آباد علاقوں کو روندتا ہوا چوک پہنچا۔ چوک میں ٹکسال نامی محلہ پر مولانا مفتی عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محلی کا مکان ہے۔ مولانا موصوف کے چھوٹے صاحبزادے عرفان میاں صاحب موجود تھے۔ فوراً ہی سامان کو قرینے سے رکھوایا۔ پھلواری سے روانگی سے پہلے مولانا موصوف کو بذریعہ خط اطلاع دے دی گئی تھی اس لئے مولانا موصوف ہم لوگوں کے انتظار ہی میں تھے۔ اس مکان میں ہی مدرسہ قدیمہ ہے۔ اپنے نام کی مناسبت سے اس مدرسہ نے اتنی مدت گزار دی ہے کہ اسے اب قدیم سے قدیم مدرسہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی مدرسہ میں اور مولانا موصوف سے ہی خانقاہ مجیبیہ کے موجودہ سجادہ نشیں جناب حضور مولانا شاہ امان اللہ صاحب قادری مدظلہ اور برادر محترم مولانا شاہ عون احمد قادری صاحب مدظلہ نے تعلیم پائی ہے۔ ایک سال یہ دونوں حضرات یہاں رہے ہیں اور مفتی محمد عتیق صاحب مدظلہ نہ صرف ان دونوں بزرگوں کے استاد رہے ہیں بلکہ بہت ہی مخلص سرپرست بھی۔ مولانا موصوف کی شفقت اور محبت آج بھی ان لوگوں سے اسی درجہ پر ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ ہی مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی (جو آج کل مکہ مکرمہ میں رابطۂ عالم اسلامی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر ہیں) بھی یہاں تعلیم پاتے تھے۔ بعد میں مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی ہونے دار العلوم ندوۃ العلماء چلے گئے اور یہ دونوں بزرگ اجمیر شریف چلے گئے۔ یہ بھی مولانا مفتی عتیق صاحب مدظلہ کی بنیادی تعلیم اور شفقت کا اثر ہی ہے کہ چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھنے والے یہ تینوں حضرات آج علم و عمل کی دنیا میں بہت ہی ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ "المجیب" کے ناظرین کو ابتدا ہی سے اس کے صفحوں پر سورہ فاتحہ کی تفسیر پڑھ رہے ہیں یہ مولانا ہی کے قلم سے

نکلتی ہے اور اہل علم کے حلقوں میں بہت ہی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے جس طرح تفصیل کے ساتھ اور دلائل و براہین سے مرصع یہ تفسیر لکھی گئی ہے وہ بجا طور سے کسی "بحر العلوم" کی ہی مرہون منت ہوسکتی ہے۔ اب مولانا کافی ضعیف ہو چکے ہیں اور ان کا قیام مکان کے اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کی آمد کی خبر سن کر نیچے تشریف لائے اور بہت ہی محبت سے بغلگیر ہوئے۔ بھائی صاحب نے ہمارا تعارف کرایا تو لپٹا لیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شفقت و محبت کے دریا میں غوطے لگا رہا ہوں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کی میٹنگ کے دوران ہی اسی فرنگی محل کے مولانا مفتی رضا صاحب نے بھائی صاحب کو اپنے یہاں مدعو کیا تھا۔ اس لئے سامان مفتی عتیق صاحب مدظلہٗ کے یہاں رکھوا کر اور ان سے اجازت لے کر ہم لوگ مفتی رضا صاحب کے یہاں روانہ ہوئے۔ مولانا کے گھر سے مفتی رضا صاحب کا مکان پیچ در پیچ اور گلی در گلی راہوں سے ملتا ہے۔ یہ تمام علاقہ فرنگی محل کہلاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔ پہلے کسی انگریز (فرنگی) کا محل تھا جو بعد میں ان حضرات کی ملکیت میں آیا اور پھر تو یہاں سے فقہ اسلامی اور علم دین کی وہ بارش ہوئی کہ اس محلہ نے دائمی شہرت حاصل کرلی۔ یہاں سے مولانا مفتی عبدالحیی صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب جیسے مشہور علماء اسلام صاحب کمال اور اہل فتاوی حضرات پیدا ہوئے جن کی علمی و فنی یادگاریں آج بھی بے نظیر ہیں۔ مفتی رضا صاحب نے ۹ بجے بلایا تھا اور جس وقت ہم لوگ پہنچے ۹ بجنے میں چند منٹ باقی تھے لیکن مفتی صاحب غیر حاضر تھے۔ تو مولانا محمد میاں صاحب خلیفہ حضرت مولانا قطب میاںؒ کے یہاں حاضری دی گئی۔ ملاقات ہوئی بہت ہی اخلاق سے ملے اور دیر تک پھلواری کے بزرگوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ مفتی رضا صاحب قومی آواز کے نمائندۂ خصوصی ہیں اس لئے مذہبی کاموں کے علاوہ سیاسی شغل بھی بہت ہے۔ اس وقت بھی غالباً ۹ بجے کا وقت بھول کر دفتر چلے گئے تھے۔ ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد ہم لوگ رخصت ہوئے۔ جاتے جاتے مولانا محمد میاں صاحب نے رات کے کھانے کی دعوت دیدی۔ واپسی میں ایک جگہ گلی میں عربی لباس میں ملبوس ایک حضرت سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بڑھ کر بھائی صاحب کو السلام علیکم کہا اور قبل اس کے کہ ہم لوگ یہ سوچ سکیں کہ یہ کس ملک سے آئے ہیں۔ ان کا تعارف ایک صاحب نے کرایا۔ ان کا نام کامل میاں صاحب ہے۔ یہ ہم لوگوں کو مولانا ناصر میاں صاحب سے ملانے لے گئے۔ مولانا ناصر میاں صاحب فرنگی محل کے پرانے لوگوں میں ہیں اور بھائی صاحب اور جناب حضور مدظلہٗ سے بہت پہلے سے واقف ہیں۔ کیونکہ پھلواری شریف کے اکابر سے اور ان کے بزرگوں سے بہت قدیم تعلقات رہے ہیں۔ کچھ دن ہوئے ایک اتفاقی حادثہ میں مولانا ناصر میاں کے داہنے پیر کی ہڈی چٹک گئی ہے۔ پیر پر پلاسٹر بندھا تھا اور یہ تکیہ کے سہارے لیٹے تھے۔ جس قدر محبت سے ملے اُسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بھائی صاحب محترم کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ ہمارا تعارف حاصل ہونے کے بعد انتہائی محبت سے بلائیں لیں حضور مدظلہٗ اور خانقاہ کے دوسرے بزرگوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ مجھ سے فرمایا کہ پہلے 'المجیب' آتا تھا جس سے خانقاہ اور پھلواری کی بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی تھیں۔ آپ نے اسے بند کر کے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے۔ میں نے وعدہ کیا کہ آپ کو ضرور بھیجا جائے گا۔ پندرہ منٹ بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہوئے اس تاثر کے ساتھ کہ پہلے کے بزرگوں میں محبت کا جو جذبہ ہے آج ہم لوگ اس سے کتنا دور ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسری منزل تھی مولانا ہاشم صاحب کا مکان۔ ان کے دروازے تک مولانا کامل میاں صاحب نے رہنمائی کی مولانا ہاشم صاحب آمد کی خبر سن کر فوراً ہی دروازے پر تشریف لائے اور ہم لوگوں کو اندر لے گئے۔ مشرقی طرز کے مکان کو مغربی فرنیچر سے آراستہ کیا تھا۔ اندر لے جا کر

کے کیوں پریشان ہوا اور خیریت وغیرہ پوچھتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے والد مولانا صبغت اللہ صاحب شہید بھی تشریف لے آئے۔ یہ بہت شعر و ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ گھنٹوں بیٹھے رہے اور کتنے ہی موضوع پر بولتے رہے۔ گفتگو اردو فارسی اور عربی کے اشعار سے مزین تھی۔ ان کو اشعار بے انتہا یاد ہیں۔ محترم بھائی صاحب نے بھی جب مختلف موضوع پر منتخب اشعار ان کو سنائے تو وہ بے حد محظوظ ہوئے۔ ایک موقع پر حضرت فردؔ پھلواروی کا ایک شعر مولانا نے پڑھا اور خوب تعریفیں کیں اور جب بھائی صاحب نے اسی غزل کے دوسرے اشعار سنائے تو وہ جھوم جھوم گئے۔ مولانا ہاشم صاحب نے عمدہ قسم کا شہد پیش کیا اور ہم لوگ شہد کھاتے رہے۔ اور شہد ہی کی طرح میٹھی گفتگو سنتے رہے۔ پھر بہت ہی مزیدار رہا یہ بھی۔ گفتگو میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ ایک بج چکا تھا ہم لوگ رخصت ہو کر قیام گاہ واپس آئے۔ یہاں کھانا پر مولانا عتیق صاحب مدظلہ انتظار ہی کر رہے تھے۔ کھانے کے بعد بھائی صاحب تو آرام کرنے لگے اور میں لکھنؤ کے چاروں کونٹ گھومنے نکل کھڑا ہوا۔ خیال تھا کہ پہلے چڑیا خانہ (zoo) دیکھا جائے۔ چوک پر آ کر ایک رکشہ والے سے چڑیا خانے کا کرایہ پوچھا تو اس نے ڈیڑھ روپئے بتایا۔ ایک تانگہ والے نے مشورہ دیا کہ آپ امین آباد چلیں وہاں سے حضرت گنج چلے جائیں گے۔ نزدیک ہی چڑیا خانہ ہے۔ چنانچہ اس کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے امین آباد اور پھر حضرت گنج آیا اور وہاں سے تانگہ کو خیرباد کہہ کر ٹانگیں استعمال کرتا ہوا چڑیا خانہ پہنچا۔

لکھنؤ کا چڑیا خانہ:—

دس نئے پیسے کا ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوا تو سب سے پہلے ایک عجیب قوی الجثہ جانور پر نظر پڑی جو اپنی لانبی گردن اٹھائے مارچ کر رہا تھا۔ شکل چڑیا کی لیکن جسامت اور ڈیل ڈول بالکل بے لگام۔ بورڈ پڑھا تو معلوم ہوا کہ شتر مرغ ہے۔ کا ہے کو اس سے پہلے کبھی اسے دیکھا ہو۔ بغل ہی میں مختلف طرح کے ہرن چوکڑیاں بھرتے پھر رہے تھے۔ کچھ اور آگے بڑھتے ہی ایک تالاب کے کنارے اتنے قسم کی چڑیاں نظر آئیں کہ شمار کرنا مشکل ہو گیا۔ صرف مور ہی پانچ چھ رنگ کے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک سے ایک چڑیاں ادھر ادھر پھدکتی پھر رہی تھیں۔ سنا تھا کہ لکھنؤ کے چڑیا خانے میں شیر آزاد گھومتے ہیں۔ اس لئے اس حصے کی طرف روانہ ہوا۔ کافی بڑا علاقہ۔ اونچے اونچے لوہے کی سلاخوں سے گھرا ہوا ہے اور اس کے اندر مستقل ایک جنگل ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کے اندر دیکھتا رہا لیکن شیر کے وجود کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ بہرحال اسی چہار دیواری کے اندر ایک اونچے سلاخوں والے کمرے میں الگ الگ کئی شیروں کو بند دیکھا جو بھوک سے نڈھال پڑے تھے۔ اب انہیں قید کر دیا گیا ہے۔ شاید آزاد ہندوستان کے لوگوں نے اس ملک کے آزاد شہریوں کی حرکات دیکھ کر شیر کو آزادی دینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ یہ بہرحال جانور ہے جس کی آزادی انسان سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جانور تو ہے لیکن شیر ہے، انسانی شکل کا بھیڑیا نہیں۔ غرض مختلف ممالک کے بندر، مختلف جنگلوں کے پرندے اور بڑے بڑے گینڈے دیکھنے کو ملے۔ اندر ہی ایک الگ مکان میں مچھلی گھر ہے جہاں سینکڑوں طرح کی مچھلیاں پانی کے برتن میں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کے لئے دس نئے پیسے الگ لگتے ہیں۔ گھنٹوں گھومنے سے بہت تھک چکا تھا۔ واپس آ کر آرام کرنے کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ یہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بھنگی جھاڑو دے رہا تھا۔ دوسرے

لوگوں سے باتیں کرتا ہوا وہ پردہ کے موضوع پر آیا۔ پھر کہنے لگا کہ آج کل پردہ بھی فیشن بن گیا ہے۔ عورتیں گھر سے پردہ میں برقع پہن کر نکلتی ہیں۔ اور پھر تفریح کی جگہوں میں آکر برقع اُتار دیتی ہیں۔ اس چڑیا خانہ میں بھی اکثر دیکھتا ہوں کہ مسلمان لڑکیاں برقع پہن کر آتی ہیں اور پھر برقعے علیحدہ کرکے تمام چوکڑیاں بھرتی پھرتی ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں بھی پردہ برائے نام رہ گیا ہے۔ یکایک اس کی نظر ہمارے ٹوپی پر پڑی تو مجھ سے کہنے لگا کہ آپ برا نہ مانیں میں دن رات جو دیکھتا ہوں وہی کہہ رہا ہوں" میں چپ رہا لیکن دل ہی دل میں کہتا رہا کہ تم غلط کب کہہ رہے ہو جو برا مانا جائے۔ اس نیم پردگی نے تو ہمارے معاشرے کو گندہ بھی کیا اور یہ مشہور بھی کرایا کہ حوا کی یہ بیٹیاں مسلمان ہیں انہیں غیر نہ سمجھو۔

شام ہو چکی تھی وہاں سے حضرت گنج آیا۔ یہ بازار انگریزوں کا بسایا ہوا ہے اور مغربی طرز ہی کا ہے۔ دو رویہ دکانیں ہیں اور بہت آباد علاقہ ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ بہت خوبصورت بازار ہے۔ گھنٹوں آپ گھومیں طبیعت سیر نہ ہوگی۔ دیر تک گھومنے کے بعد امین آباد آیا یہ بازار بھی بہت بارونق ہے۔ ہے تو پرانے طرز کا لیکن نیا لباس پہن چکا ہے اور بہت ہی آباد ہے۔ خیال تھا کہ قومی آواز کے ایڈیٹر حیات اللہ انصاری صاحب سے ملا جائے اس لئے قومی آواز کے دفتر پہنچا لیکن اس وقت وہ موجود نہ تھے۔ قومی آواز اور انگریزی اخبار نیشنل ہیرالڈ اور ایک ہندی اخبار تینوں کا دفتر ایک ہی بلڈنگ میں ہے۔ غالباً تینوں جواہر لال نہرو کی ملکیت ہیں۔ گھومتا پھرتا کافی دور نکل آیا اور پھر بس پکڑ کر گول دروازہ پہنچ گیا۔ جب ٹکسال میں قیامگاہ پہنچا تو مکان کو سنسان پایا۔ معلوم ہوا کہ تمام لوگ حضرت نظام الدین موجد درس نظامی کے فاتحہ میں شرکت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ ۹ بجے رات کو بھائی صاحب وغیرہ واپس آئے۔ اس وقت ہم لوگ مولانا محمد میاں صاحب کے یہاں مدعو تھے۔ وہاں پہنچے تو لوگ انتظار ہی کر رہے تھے۔ اس وقت مفتی رضا صاحب موجود تھے کھانے سے پہلے اور بعد گھنٹوں باتیں ہوتی رہیں۔ موضوع میں زیادہ تر پھلواری شریف اور فرنگی محل کے بزرگوں کی زندگی کے ورق اُلٹے گئے۔ یہاں بھی المجیب بند ہو جانے کی شکایت سننی پڑی اور ساتھ ہی دوبارہ اجراء کا وعدہ کرنا پڑا۔ گھنٹوں کی دلچسپ مجلس ختم کرنے کے بعد ۱۱ بجے رات میں واپسی ہوئی۔

دوسرے دن واپسی کا پروگرام تھا۔ آج مولانا مفتی عتیق صاحب کے یہاں مدرسہ کی طرف سے حضرت ملا نظام الدین کے تاریخ فاتحہ میں سیرت و میلاد کی مجلس تھی۔ لڑکے مدرسہ کو سجانے میں لگے ہوئے تھے۔ مولانا نے جب سنا کہ آج واپسی ہے تو اوپر سے نیچے تشریف لائے اور بہت اصرار کیا کہ آج میلاد کی محفل میں شریک ہو کر واپس ہوں۔ لیکن بھائی صاحب نے بہت ساری دقتیں بتلائیں تو بمشکل اجازت ملی۔ کچھ خریداری کرنی تھی۔ اتفاق سے پورنیہ کے حافظ قاری محمد بحر الدین صاحب ملنے آگئے۔ موصوف یہاں تدریس کا کام کرتے ہیں۔ ان کی مدد سے کئی چیزیں خریدی گئیں۔ شام میں بھائی صاحب کے ایک پرانے ہم سبق احمد میاں صاحب (خلف مولانا عبد الرشید صاحب فرنگی محل) ملنے آئے۔ ہر اعتبار سے خالص لکھنوی ہیں۔ بولنے کا انداز اور ملنے کا طریقہ سب کچھ خاص انداز کا ہے۔ جس سے اخلاق پھوٹتا ہے۔ بہت اصرار کرکے اپنی نئی دوکان میں لے گئے اور بہترین ناشتہ کرایا۔ بحر الدین صاحب کے توسط سے قاری عبد الستار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ یہاں بسلسلہ تعلیم مقیم ہیں۔ گیا کے رہنے والے ہیں انہوں نے بھی خریداری وغیرہ میں بہت مدد کی۔ ۲ بجے کے قریب دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف کے ایک پرانے طالب علم حافظ خبیب صاحب ملنے آئے۔

امیر آروی (تذکرۂ شعرائے آرہ کے باب میں)

(از جناب شاہجہاں خاں نسیم بی۔ اے (علیگ)، ادیب کامل)

شاہ آباد یو، پی اور بہار کی سرحد پر واقع ایک ایسا خطۂ مرغزار ہے جس کی سرزمین اگر ایک طرف شجاعانِ وطن کے خون سے سیراب ہے تو دوسری جانب فنکارانِ ادب کی ہڈیوں سے بھی مالا مال ہے۔ شہر آرہ شاہ آباد ضلع کا صدر مقام ہے جہاں اس خطہ کی تاریخ مرکوز ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں سلطنت چغتائیہ کے بانی ظہیر الدین محمد بابر کے قدم لڑکھڑائے۔ یہ وہ سرزمین ہے کہ جہاں کے بہادروں کے سامنے ہمایوں کی عظمت کا ستارا بھی سرنگوں ہوگیا۔ اسی دھرتی کی کوکھ نے شیر شاہ جیسے عظیم سلطان کو جنم دیا۔ اورنگزیب (عالمگیرؒ) کی روح اقدس نے اس سرزمین کو کینہ اور بغض و عناد سے پاک پایا۔ اس سرزمین سے عالمگیرؒ کو جو محبت اور خلوص و عقیدت تھی اس کا زندہ ثبوت آرہ کی شاہی مسجد ہے۔ جس کی "بیت خدا" کے نام سے ابجدی حروف میں تاریخ نکلتی ہے۔ مغلیہ دور کے آخری فرمانروا شاہ عالم (جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ) نے جلوہ توحید کے سامنے اس سرزمین پر سرجھکایا۔

دھنیرا کی سرزمین، جگدیش پور کی ارض مقدس، رہتاس قلعہ کی تاریخی روداد، سہسرام میں سلاطین کے مرقد، بکسر میں میر قاسم کا قلعہ جوسہ کا میدان، کوارتھ کے فرنگی پرست نوابوں کا محل یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کی ابتدائی تشریح پر ہی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ع

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

اگر ان تمام چیزوں کو تواریخ کے ابواب سے نکال دیا جائے تو تاریخ یتیم معلوم ہوگی۔ اس سرزمین میں قومیت، وطن پرستی، عظمت و فلاح، صدق و صفائی، شجاعت اور نیک نہادی یہ سب چیزیں ایسی خلط ملط ہیں کہ کردار کی صفائی کا اس سے اعلیٰ نمونہ ہندوستان کے عرض و طول میں یا پھر سے راسکماری اور بنگال سے گجرات تک ملنا مشکل ہے۔ کردار کا اعلیٰ نمونہ اگر ظاہر ہو سکتا ہے تو کسی فنکار کی ابھرتی ہوئی طبیعت سے۔ انگریز ناقد ہربرٹ ریڈ (Herbert Read) کے مطابق انداز بیان و تحریر سے صاحبِ قلم کا کردار، اخلاق، طبیعت اور مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ بر ہمپور کی سرزمین کا ایک خوابیدہ شہرہ آفاق شاعر "تلسی داس" اپنے انداز سخن میں یہ نمایاں کر دیتا ہے کہ اس کا سینہ کس قدر مصفا، اس کی ذات کتنی اہم، اس کا مزاج کتنا انوکھا، اس کی طبیعت کتنی سادی اور اس کا خیال کتنا اعلیٰ تھا۔

اردو زبان و ادب کے باب میں متعدد ہستیاں اس سرزمین سے پیدا ہوئیں۔ کچھ ناپید ہو گئیں، نہ کسی نے جانا، نہ کسی نے سمجھا، نہ کسی نے پرکھا، نہ کسی نے گردانا۔ مختصر کہنا یہ ہے کہ جہاں سے ابھریں وہیں ناپید ہو گئیں۔ البتہ چند مشاہیر سخن کو ادو دھ کے کرم فرماؤں نے جانا اور قدر رہے سمجھا۔ ان کے نام یہ ہیں۔

صفیر بلگرامی، فرق بلگرامی، ذوق بلگرامی، دلگیر بلگرامی، زہری بلگرامی، فکر آروی۔ بلدآروی۔ فیض آروی۔ عبدالملک آروی۔ حسن سہرامی۔ راحت سہسرامی اور مانوس سہسرامی۔ خوش دل سہسرامی۔

خدا بھلا کرے میرے دوست جناب سشی۔ م عارف ماہر آروی کا کہ انہوں نے کم از کم آرہ کے مقامی شاعروں کا ۱۸۳۵ء سے تادم تحریر "تذکرہ شعرائے آرہ" لکھ کر آرہ کی ادبی تاریخ کا ایک خاکہ مرتب کر دیا۔ آرہ کا نام آتے ہی امیر آروی مرحوم کا ذکر بھی آ جاتا ہے۔ امیر صاحب شہر آرہ کے ایک ایسے متمول گھرانے کے فرزند تھے۔ جن کی ذہانت بچے سے بوڑھا، بھکاری سے سوداگر، استاد سے شاگرد سبھی پہچانتے تھے۔

امیر صاحب کی پیدائش غالباً ۱۹۰۶ء میں بمقام ملکی محلہ آرہ ہوئی تھی۔ والد بزرگوار مولوی محمد سعید صاحب انگریزوں کی عملداری میں سب رجسٹرار کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کا ننھیالی رشتہ جناب یاس آروی سے بھی ہوتا ہے۔ امیر صاحب نے جاگیردارانہ ماحول میں تربیت حاصل کی مگر نہ جانے قدرت کی کیا ستم ظریفی تھی کہ طبیعت میں بعض موقعوں پر انتہائی مارکسیت (Marxism) پائی جاتی تھی۔ شاید انہوں نے بچپن میں تکلیف کا منہ نہ دیکھا اس لئے طبیعت میں بذلہ سنجی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ظرافت ان کے مزاج میں بہت سادگی اور پرکاری کے ساتھ قدرت نے نمایاں کی تھی۔ طنز و مزاح اور مرکزی مقام (Centrifugal item) تو نہیں لیکن ایک غلاف کی طرح ہر دور ان کے اندرونی مزاج (Inner conscious) میں چھپا تھا۔ امیر صاحب کو ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم بہت کم نصیب ہوئی نہ جانے کیوں ظاہری طور پر قومی پیشواؤں، مولویوں اور واعظوں سے انہیں دور رہنا پسند تھا۔ ظاہر ہے کہ امیر صاحب جیسے معتقد علیائی کو ان لوگوں سے نفرت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ وہ ایک سچے مسلمان تھے۔ بزرگان دین کا احترام کم از کم اس قدر دیکھا گیا ہے کہ اگر ذکر چھڑ گیا تو لیٹے ہوئے سے اٹھ کر شائستہ طور پر بیٹھ جاتے تھے۔ سچے مسلمان ہونے کا اس سے نادر الوجود ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ زندگی بھر کا ایک لمبا انسان ایک نعت، کہے اور یہ وصیت کرے کہ اس کی قبر میں دائیں طرف آویزاں کر دینا۔ اکثر وہ یہ کہتے تھے کہ ممکن ہے کہ اس غریب کی بخشش اس دنیا میں امیر بن کر رہا اگر کچھ کفالت ہو تو اسی کی بدولت ورنہ اللہ رے اور بندہ دے۔

امیر صاحب عقیدت مند اور سچے مسلمان تھے اور صرف مسلمان۔ مگر دوسرے مذہب و ملت کے رہنماؤں کا نام بھی احترام سے لیتے تھے اور ان کے کارنامے بھی بڑی توقیر و عظمت سے بیان کرتے تھے۔ کھری بات وہ شاید خدا اور رسول کے کسی کی شان میں کہنے سے نہیں چوکتے۔ مذہبی تاریخ۔ خلافت کے بعض نقائص آمریوں کی بدعنوانی اور ظلم و استبداد و غیرہ و غیرہ کا بھولا پن۔ جاگیرداروں کی فرعونیت بے سامانی یہی سب اکثر ان کی گفتگو کے موزوں ہوتے تھے۔ کبھی کبھی وہ جو کچھ کہتے تھے تو دوسری نشست میں نقائص کا انبار ڈھونڈ نکالتے تھے۔ امیر صاحب ہر بات دلیل کے ساتھ پیش کرتے

کسی چیز کے بارے میں لوگوں کا جو خیال ہوتا تھا امیر صاحب کا خیال یقیناً اس سے مختلف اور انوکھا ہوتا تھا۔ غالباً انہیں سب سے چھوٹی ان کے ایک عزیز دوست عبدالمالک آروی نے بڑی فراخدلی سے "ساز الم"[1] کے مقدمے میں لکھا ہے۔

"امیر صاحب دیوانے تعلق کی طرح مجمع اضداد ہیں لیکن ان کے ادبی ذوق اور سب سے بڑھکر ان کی نگہ نکتہ چیں (جسکو بعض دوستوں نے خردہ بیں کہہ رکھا ہے) نے کبھی تو انجام کار سامان اتنا مہیا کیا ہے "انجام کار" اس لئے کہا ہے کہ پہلے پہل ان کے بعض ادعاؤں سے اختلاف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن زمانہ کے پلٹنے کے ساتھ کفر میں اسلام اور اختلاف میں اتحاد کی کیفیتیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ بارہا میں نے ان سے اختلاف کیا لیکن ہر مرتبہ میری ہی ہار ہوئی۔ یہاں تک کہ اب میں ان کی ادعائی تنقید اور ان کی رائے سے اختلاف کرنے کی بجائے خاموش رہتا ہوں یا ہنس کر ٹال دیتا ہوں۔ زندگی، مذہب، زمانہ، اہل زمانہ کے متعلق امیر صاحب کے عجیب و غریب معتقدات ہیں۔ وہ بڑے ملنسار ہیں اور بہت جلد ربط پیدا کر کے اس پر خوشگوار تعلق کا استوار قصر تعمیر کر لیتے ہیں۔ لیکن انسانوں کی کمزوریوں کا اندازہ لگانے، شخصیت کے پرکھنے اور اس کی خیر و شر کے متعلق فتویٰ صادر کرنے میں ان کو ایسا ید طولیٰ حاصل ہے کہ انجام کار ہر شخص کو ان کے تنقیدی زاویے سے ہم آہنگی پیدا کرنی ہوتی ہے ——— کیسا وہ انسان بلند اور خوش نصیب ہوگا جس کو امیر صاحب کی ژرف نگاہی مان لے۔"

عبدالمالک صاحب کے سلسلہ میں فراخدلی کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ مالک صاحب عربی اور فارسی لسانیات میں فی زمانہ عبور رکھتے ہوئے بھی کسی شخصیت کے پرکھنے کا مادہ نہیں رکھتے تھے۔ مالک صاحب کی زبان یقیناً صحیح ہوتی تھی اور الفاظ کے گورکھ دھندوں سے بہت جلدی کسی چیز کو درجۂ اتم اور اقل (Minimum & Maximam) تک لے جاتے تھے۔ ناقد کا مزاج اگر اس قدر تند ہو تو کیا امید کی جا سکتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں جتنا جلدی مالک صاحب مقبول ہوئے اتنی ہی جلدی اچھے ذہنوں سے ماؤف ہو گئے۔ مالک صاحب کو عبدالمالک بنانے میں جس نکتہ چیں کا ذہن اور مزاج تھا وہ امیر آروی کا تھا جس کا مالک صاحب نے اعتراف نہیں کیا۔ نگار[2] ان کے لئے ایک وسعت صحرا (Open field) مل گیا۔ بہر نوع! مالک صاحب کی کد و کاوش کی داد ہے اور امیر صاحب کے ذہن کی۔ ان دونوں[3] ذہنوں کا قرب اردو زبان و ادب کے لئے کچھ سرمایہ ضرور چھوڑ گئی۔

امیر صاحب کی تعلیم آرہ کے جین اسکول میں ہوئی۔ جین اسکول کے یہ ایک ممتاز طالب علم تھے۔ غالباً یہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے اس اسکول میں پڑھ کر ۱۹۲۳ء میں انٹرنس کے امتحان میں دوئم درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب اوسط طلبا انٹرنس کا امتحان پاس ہی نہیں کرتے تھے۔ ان کی ذہانت سے متاثر ہو کر ان کا داخلہ والدین نے پٹنہ کے بی۔ این۔ کالج میں کرا دیا۔ قسمت کی بات تھی کہ

---

[1] مجموعۂ کلام مالک آسمرانی۔ [2] ماہنامہ نگار اردو جریدہ جسے علامہ نیاز فتحپوری لکھنؤ سے شائع کرتے تھے۔

[3] دونوں کا دائمی ساتھ قریب، ایک ہی محکمہ کے ملازم وغیرہ۔

والد بزرگوار علیل ہو گئے اور انہیں پڑھنا چھوڑ دینا پڑا۔ پڑھنا چھوڑنے کے بعد یہ اپنے گھر چلے آئے اور مستقل طور پر رہنے لگے۔ مقامی فوجداری کچہری میں ۱۹۲۷ء میں بحیثیت پیشی کار ان کی تقرری ہوئی۔ ملازمت کے کچھ ہی دنوں بعد ان کی شادی موضع بہترہ (آرہ) کے ایک بزرگ شیخ معظم حسین صاحب مرحوم کی دختر نیک اختر بی بی عائشہ خاتون سے ہوئی۔ فوجداری کچہری کی ملازمت کے سلسلہ میں انہیں بکسر، بھبھوا، اور سہسرام میں رہنے کا بیشتر اتفاق ہوا۔ سہسرام اور بھبھوا خصوصی طور پر قابل الذکر ہیں۔ چونکہ یہ دونوں قصبے جی۔ ٹی روڈ کے کنارے واقع ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کی گذرگاہ ہیں۔ یوپی کے قریب واقع ہیں۔ سہسرام مسلمانی اقتدار کی بگڑی ہوئی تصویر ہے، جسے کوئی مصور اب منظم نہیں کر سکتا اس لئے شعر و سخن کے چرچے اکثر وہاں ہوتے ہیں۔ بیشتر مشاعروں میں یوپی کے سرحدی قصبوں سے شعراء خندہ پیشانی سے آکر شرکت کرتے ہیں۔ بنارس اور غازی پور سے اکثر و بیشتر لوگ آتے ہیں۔ بکسر میں اکثر میلے کے شعراء تشریف لاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دو مادرانہ ہیئت کے باشندوں کے باہمی ارتباط سے ایک نیا کیف پیدا ہوگا۔ مزاج میں ایک نیا رنگ آئے گا۔ زبان میں ایک نئی چاشنی پیدا ہوگی اور اسی طرح انوکھے پن کے بیشتر رنگ نمایاں ہوں گے۔ امیر صاحب بھبھوا، بکسر، اور سہسرام کی ادبی مجلسوں اور مشاعروں میں بڑے شوق سے شرکت کرتے تھے۔ اکثر تصنع پسند لوگوں سے ان کی نوک جھونک ہو جاتی تھی۔ امیر صاحب زبان کے معاملے میں گھسے ہوئے پتھر کی طرح تھے جس کی ایک مخصوص شکل ہو۔ اس لئے اگر زبان میں محاورہ، متروکات، یہاں تک کہ کسرہ ذمہ کی غلطی پاتے تو ٹوک دیتے تھے اور لوگوں کو ایمان لانا پڑتا تھا کہ صاحب کلام جہان ستارۂ ہندی کیوں نہ ہو۔ امیر صاحب انہیں سب وجہوں سے مخصوص لوگوں کے ذریعہ یو۔ پی کے مخصوص خطوں میں گئے۔ پوربی اور وسط یو۔ پی کے مشاعروں میں وہ اکثر شریک ہوتے تھے۔ ملازمت میں لبا اوقات دس دس مہینوں کی طویل فرصت لے کر اودھ کے مختلف قصبات میں گئے۔ ان سب ماحول کا اثر یہ ہوا کہ امیر صاحب کا مزاج انفرادی اور طبیعت آزادانہ ہو گئی۔ بتیس ۳۲ سال کی طویل ملازمت کے بعد ۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو دو بچے شاکر اور صابر اور ایک شادی شدہ لڑکی رشیدہ اور ایک ہمشیرہ جن کی شادی موضع بہترہ (آرہ) کے مولوی محمد یونس صاحب کلرک کمرشیل ٹیکس رانچی پسر شیخ معظم حسین صاحب مرحوم سے ہوئی چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرہ کے ادبی ماحول کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر صاحب کی شاعری کا آغاز اسکول کی دسویں جماعت سے ہوا۔ فطری طور پر شاعر ہونے میں بھی پس پردہ کچھ باتیں ہوتی ہیں ہر شخص کی زندگی میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں آتی ہیں۔ ان تبدیلیوں میں کچھ ترقی کے ایوان شاہی سے گزرنا پڑتا ہے تو کبھی تنزلی کے کھنڈرات کو عبور کرنا ہوتا ہے۔ ان منازل کو عام طور پر لوگ نشیب و فراز کہتے ہیں۔ نشیب و فراز انسان کی زندگی میں اس طرح آتے رہتے ہیں۔ جیسے سمندر میں جوار بھاٹا (مد و جزر) دریاؤں میں موجوں کی طغیانی وغیرہ۔

عام طور پر یہ حادثات کی شکل میں آتے ہیں اور تمام انسانی مخلوق کو ان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان مراحل کے برداشت کرنے کا نام اور ان موجوں سے کھیلنے کا نام زندگی ہے۔ شاعر، مصور، فلسفی، مغنی جیسی متعدد ہستیاں ہیں جو اپنے اپنے نقش و نگار سے اپنے تجربوں کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا مقام شاعر کا ہے جو فلسفی بھی ہے، مصور بھی ہے اور مغنی بھی۔

جب گنگنانے والی کو زندگی کی تنگ و دو میں ٹھیس لگتی ہے تو بجائے آنسو بہانے کے وہ موتیوں کی طرح الفاظ کے آئینہ میں ڈھال دیتا ہے۔ جسے دنیا ایک حسین نغمہ سمجھتی ہے۔ اس تجربہ کو انگریزی زبان کے ایک رومانی شاعر Shelley نے کہا ہے کہ ہمارے گیت اگئیں نغمے وہ ہیں جو ہماری بے کیفیتوں کے غمازہ ہوں۔ یعنی

Our sweetest songs are those that tell of saddest thought

امیر صاحب کی بھی شاعری کا آغاز ان کی ایک داستان محبت سے ہے جس کی ناکامیابی اور غمگساری نے انہیں شاعر بنا دیا۔ یہ ان کے اسکول کا زمانہ تھا۔ ورڈسورتھ (Wordsworth) کی طرح کوئلوں کی صدا شاعر نے سنی اور اس کے ذہن پر کوئی اپنا دیرپا اثر چھوڑ گئی۔ اسی لئے امیر صاحب کی شاعری کا آغاز (the Prelude) کی طرح کوئل سے ہے یہاں کی پہلی تخلیق جو داستان محبت کی پاکیزہ تمہید ہے وہ نظم "کوئل" ہے زبان نہایت سادہ اور ملک محمد جائسی کی طرح جنگلوں، کھیتوں اور گاؤں سے ٹکراتی ہوئی دلوں میں اتر جاتی ہے۔ وہ نظم یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کوئل جگری کس بندھن میں   برہت کی آگ لگا کر تن میں
حال ترا بگڑا اک جگی میں   در دہ بھی اس بالاپن میں
کس کی یاد بسی ہے من میں
کیوں تو کوک رہی ہے بن میں

جس کے کارن دل دکھتا ہے   جس کا دھیان لگا رہتا ہے
کس نگری میں وہ بستا ہے   کس کے سنگ میں وہ رہتا ہے
کس کی یاد بسی ہے من میں
کیوں تو کوک رہی ہے بن میں

دن کو تو بے کل رہتی ہے   رات کو تو تارے گنتی ہے
کیوں تو اتنا دکھ سہتی ہے   ماری ماری کیوں پھرتی ہے
کس کی یاد بسی ہے من میں
کیوں تو کوک رہی ہے بن میں

تیرا امیر اب سر پھرتا ہے   تو بھی کسی پر کیا مرتا ہے
جنگل میں بنا جھکتا ہے   کوئل سے پوچھا کرتا ہے
کس کی یاد بسی ہے من میں
کیوں تو کوک رہی ہے بن میں

(باقی آئندہ)

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(از جناب محمد زکریا صاحب قالب آروی (فاضل مجیبی)

حبذا معنئ جام شب اسرا ربی
کہ خدا گشت بخود محو محمد طلبی

معراج اور اسریٰ ان دو کے درمیان ہمیشہ بعض علماء کا اختلاف رہا کہ اسریٰ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو کہتے ہیں اور معراج عالم بالا کی سیر کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن۔

حق یہ ہے کہ یہ عروج زمانی اور مکانی وہ چاہے عرشی ہو یا فرشی ہو منجملہ معراج ہے۔ اور یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ہمارے نبی فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھی۔ اگرچہ ہر نبی کو عروج ہوا مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے اور دیدار سے نوازا۔ مگر یہ شرف ان کو اسی روئے زمین پہ حاصل ہوا اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو اسطرح کی سعادتیں حاصل ہوئیں یہ محض ان کی نبوت کا عروج تھا۔ معراج نہیں۔

قرآن پاک کی اس آیت " سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ یعنی پاک ذات جس نے اپنے بندے (جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے محدود حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی" سے معراج کی غرض وغایت کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف واقعہ کی اطلاع ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے محدود حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کیطرف لیجائے گئے۔ کیوں اور کس لئے؟ اسکو بھی خود قرآن شریف کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد اقصیٰ کی بعض خصوصیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا جاتا ہے الذی بارکنا حولہ" یعنی جس کے اردگرد ہم نے انوار وبرکات محفوظ کردی ہیں بلکہ اس سیر من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کی غرض اب بیان فرمائی جاتی ہے "لنریہ من آیاتنا" یعنی تاکہ ہم اپنے حبیبؐ کو اپنی ہر وہ نشانیاں جن کا تعلق سمع سے ہے اور جن کا تعلق بصر سے ہے سبھوں کا مشاہدہ ومعائنہ کرادیں۔ اسلئے کہ مشاہدہ کرانیوالی ذات خود سمیعؐ بصیرؐ ہے۔

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کی غرض وغایت معلوم ہوئی لیکن اس سے قارئین کو غلط فہمی نہ ہو کہ آنحضور کی معراج کی منتہیٰ مسجد اقصیٰ ہی ہے۔ اور جو کچھ مسجد اقصیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے برکات وسعادات ودیعت فرمائی ہیں۔ انھیں کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا نہیں!
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسجد حرام سے معراج کی ابتدا ہوتی ہے اور مسجد اقصیٰ میں آپ کو اس لئے ٹھہرایا گیا تاکہ آپ کی سعادت وقیادت حتمی طور پر لوگوں کو معلوم ہو جائے چنانچہ حدیثوں کے مطابق " میں نے وہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور جمیع ملائکہ کی امامت کی۔

اللہ عزوجل کو اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ مسجد اقصیٰ میں اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرا کر اس نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ آپ سید ہیں اور دوسرے آپ کے تابع ہیں، آپ مقتدا ہیں اور آپ کے علاوہ ساری مخلوق آپ کی مقتدی۔

اس سجدۂ تشکر کے بعد آپ کی سیر اور اس سیر کی غرض شروع ہوتی ہے۔ اس سیر کی کیفیت نہیں بتائی جاتی کہ آپ نے ان برکتوں کا مشاہدہ و معائنہ کس طرح کیا۔

پھر کیف اس آیت کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے۔ فرمایا جاتا ہے "ہم نے سیر اس لئے کرائی تاکہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد جتنی برکتیں اور سعادتیں محفوظ کی ہیں ان کا آپ بچشم سر مشاہدہ فرمائیں۔

لفظ "حولہ" سے یقینی طور پر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد ہی صرف مقصود ہے۔ اگر اسی کا اعتبار کرنے میں تو پھر برکات کی تفسیر مفسرین نے بیان کی ہے کہ برکت سے مراد انبیاء علیہم السلام کے مزارات مقدسہ ہیں اس لئے کہ بیت المقدس میں صدہا انبیاء آسودۂ خواب ہیں اور اگر یہ تسلیم کیا جائے تو بھی "حولہ" کے لفظ سے تشفی و اطمینان حاصل نہیں ہوتی۔

کیونکہ مزارات مسجد اقصیٰ کے ارد گرد ہی نہیں بلکہ دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اصل مقصد یہ ہے کہ آپ مخلوقات کے تمام نشان کا مشاہدہ فرمائیں۔ اور یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ ہر ایک کرہ کا بالمشافہ مشاہدہ فرمائیں۔

چنانچہ ابتداء معراج زمین یعنی کرۂ ارضی پر ہوتی ہے اور پہلے کرۂ ارضی کے تمام آیات و بینات کو اس طور پر ملاحظہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تشریف لے چلے مسجد اقصیٰ میں قیام کیا۔ سارے انبیاء اور فرشتوں کی امامت کی پھر کرۂ ارضی کے تمام آیات کا بچشم سر معائنہ فرمایا۔ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا کے آیت شریفہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سے روئے زمین کا کوئی حصہ محروم نہیں رہا۔ فرمایا جاتا ہے "المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ" بعض نادانوں نے اس دوری کو دوری سمجھ لیا۔ حالانکہ عالم اسباب میں یہ دوری کوئی دوری نہ تھی۔ کیوں؟

اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ غایت جب معنیٰ کے جنس سے ہوتا ہے تو غایت معنیٰ میں داخل ہوتا ہے اور یہاں پر جب ہم قاعدے کے طور پر دیکھتے ہیں تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کوئی دوسرے جنس سے نہیں ہے۔ دونوں روئے زمین پر ہیں۔ غایت معنیٰ کے جنس سے ہے۔ اور غایت معنیٰ میں داخل ہے تو اس دخول کے بعد بُعد مکانی کا کیا امکان رہ جاتا ہے۔ جو لوگ اس قاعدہ کلیہ سے ناواقف تھے۔ انھوں نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو بُعد پر محمول کیا۔ اور بات کے محدود حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کو تسلیم کرنے سے قاصر رہے۔ مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بغور کرنے میں مرفق کو عمل ید میں داخل کرتے تھے۔ ان کے سامنے غایت و معنیٰ کی بحث تھی۔ وہ کب مسجد حرام مسجد اقصیٰ تک کی دوری کو اس مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی دور سمجھتے؟

وہ یہ جانتے تھے کہ جب غایت معنیٰ کے جنس سے ہوتا ہے تو غایت معنیٰ میں معنیٰ کے جنس میں داخل ہوتا ہے۔ اور یہاں پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر غایت و معنیٰ میں داخل ہے۔ اس لئے بُعد کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

چنانچہ امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے مشرکین عرب سے سنا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ایسا فرماتے ہیں تو آپ نے بغیر کسی دلائل و براہین کے اس سیر کی تصدیق فرمائی جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ صدیق اکبر کے خطاب سے نوازے گئے۔

اس قاعدے کے تحت اب کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والثناء کی سیر ارضی صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ زمین کا ہر ہر حصہ کرۂ ارضی کا ہر ہر جز اس سیر میں شامل تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہی مقصود تھا۔

چنانچہ کرۂ ارضی کے بعد کرۂ ہوائی۔ پھر کرۂ ناری، پھر کرۂ زمہریر، غرض کہ فضائے جو میں جتنے بھی کرہ ہیں سب کو عبور فرماتے ہوئے آپ ملأ اعلیٰ کو تشریف لے گئے جس کی خبر وھو بالافق الاعلیٰ سے دی جا رہی ہے۔

افق اعلیٰ پر تشریف لے جانے اور اس منزل کو پہنچنے تک جو ثم دنیٰ فتدلیٰ سے موسوم ہے جو حالت اور کیفیت پیش آئی اسکی تفصیل حدیث میں اسطرح پر بیان فرمائی گئی ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو۔

آپ (سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ لیلۃ اسراء میں میرے پاس براق لایا گیا اس براق کی ہیئت یہ تھی کہ وہ سپید رنگ کا چوپایہ تھا۔ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا۔ جو تیز رفتاری میں حد نگاہ پر اپنی ٹاپ رکھتا تھا تو میں اس پر سوار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر چلا یہاں تک کہ میں بیت المقدس میں پہنچ گیا۔ وہاں میں نے اسے چوپایہ کو اس کے کھونٹے میں باندھ دیا۔ جسمیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے چوپایوں کو باندھتے تھے۔ پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اور اس میں دو رکعت نماز پڑھائی اس کے بعد میں بیت المقدس سے باہر نکلا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے۔ پس میں نے دودھ کو لے لیا۔ تو جبرئیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پا لیا۔

پھر میں وہاں سے سماء دنیا کیطرف لے جایا گیا جبرئیل نے سماء دنیا کا دروازہ کھلوایا۔ آواز دی کون ہو جبرئیل نے کہا میں جبرئیل ہوں۔ پھر دریافت کیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا میرے ساتھ رسالت پناہ جناب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو پھر پو کہا گیا کہ بلائے گئے ہیں۔ جبرئیل نے جواب میں کہا ہاں وہ بلائے گئے ہیں۔ اس مکالمہ کے بعد دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا انھوں نے مجھے دیکھکر مرحبا کہا اور دعائیں دیں۔ پھر میں دوسرے آسمان کیطرف لے جایا گیا وہاں بھی دروازہ کے قریب پہنچکر ویسے ہی سوال کیا گیا جیسا پہلے دروازہ پر سوال کیا گیا تھا۔ حضرت جبرئیل کے جواب دینے کے بعد دروازہ کھولدیا گیا۔ وہاں میں نے دو خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو موجود پایا۔ ان دونوں نے بھی مرحبا مرحبا کہتے ہوئے میرا استقبال کیا۔ اور مجھے دعائیں دیں۔ پھر تیسرے آسمان کے دروازے کیطرف لے جایا گیا وہاں بھی بعد مکالمہ دروازہ کھولدیا گیا تو وہاں میری ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ جو نہایت حسین و جمیل تھے۔ انھوں نے بھی مجھے دیکھکر مرحبا مرحبا کہا اور اظہار مسرت کرتے ہوئے دعائیں دیں۔ پھر میں چوتھے آسمان کی طرف لے جایا گیا وہاں بھی سوال و جواب کے بعد دروازہ کھلا تو میری نظر حضرت ادریس علیہ السلام پر پڑی انھوں نے بھی میری آمد پر مرحبا مرحبا کہا اور دعائیں دیں۔ پھر پانچویں آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ پہلے ہی کیطرح پوچھ گچھ کے بعد دروازہ کھولا گیا تو حضرت ہارون علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی وہ آگے بڑھے استقبال کیا اور دعائیں دیں۔ پھر میں چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ قریب دروازہ کے جبرئیل سے کچھ سوال کیا گیا جس کا انھوں نے جواب دیا تو دروازہ کھولدیا گیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ انھوں نے بھی مرحبا مرحبا کہا اور دعائیں دیں۔ پھر میں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا وہاں بھی پہلے کی طرح سوال کیا گیا تو جبرئیل نے جواب دیا اور دروازہ کھول دیا گیا۔ تو میںؐ نے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا جو بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور اس بیت المعمور میں ہر لحظہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ واپس نہیں آتے۔ پھر میں سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا جس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے اور پھل بڑے مٹکے کی طرح تھے۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سدرہ کو اپنے حکم سے ڈھانک دیا تو پھر اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں ہوئیں کہ کوئی انسان اسکے حسن وجمال کو بیان نہیں لا سکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے راز ونیاز کی باتیں کی اور رات دن میں پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ میں بوقت رخصت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے یہ دریافت کیا کہ آپؐ کے رب نے کیا فرض کیا ہے؟ میںؐ نے کہا رات دن میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ رب تعالیٰ کے حضور میں تشریف لے جاکر تخفیف کے لئے عرض کریں۔ اس لئے کہ آپؐ کی امت پچاس وقت کی نماز کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے بنی اسرائیل پر آزمایا ہے اسی لئے میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں۔ چنانچہ میں بارگاہ رب العزت میں گیا اور تخفیف نماز کے لئے عرض پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس درخواست پر پانچ وقت کی نمازیں معاف کردیں پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور انھیں خبر کیا۔ انھوں نے پھر مجھے تخفیف کا مشورہ دیا۔ اسیطرح میں برابر رب العزت کے حضور میں جاتا رہا اور واپسی پر حضرت موسیٰؑ مجھے تخفیف کرانے کے لئے مشورہ دیتے یہاں تک کہ ہر موقع پر پانچ پانچ وقت کی نمازیں معاف ہوتی رہیں اور بالآخر رب العلمین نے یہ فرمایا کہ تمہاری امت پانچ وقت کی نمازیں مقرر کی جاتی ہیں۔ اور ہر نماز کا ثواب دس گونہ دیا جائیگا۔ اسطرح پانچ وقت کے نمازوں کا ثواب پچاس وقتوں کے نمازوں کے ثواب کے برابر ہوگا۔ اس کے بعد میں باری تعالیٰ کے جناب سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا۔ اور میں نے ان تمام باتوں کی خبر کی تو اس وقت بھی حضرت موسیٰؑ نے یہی فرمایا کہ ابھی اور تخفیف کرائیں۔ کیونکہ آپؐ کی امت پانچ وقت نماز پڑھنے کو بھی برداشت نہ کرسکے گی۔ تو میںؐ نے کہا نماز کی تخفیف کے لئے بار بار خداوند قدوس کے حضور میں حاضر ہوا اب مجھے واپس جاکر تخفیف کرانے میں شرم وحیا معلوم ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اسی حالت وکیفیت کو قرآن شریف نے بھی سورہ "والنجم" میں بیان کیا ہے۔ جس میں پروردگار عالم نے معراج کی کیفیتوں اور حالتوں کو بیان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میرا محبوب مجھ سے اتنا قریب ہوا جتنا کہ دو قوس کے درمیان فاصلہ رہتا ہے او ادنیٰ یا اس سے بھی کم۔ اب اس کی کوئی تعین نہیں کرسکتا کہ کتنی دوری تھی۔ حبیب ومحبوب کے مابین کتنا فاصلہ تھا۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ "سمع صریر الاقلام" یعنی میں اتنا قریب ہوا کہ قلم قدرت کے چلنے کی سرسراہٹ کی آواز سن رہا تھا۔

آپ رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے۔ ترمذی شریف کی دو حدیث بقدر ضرورت تحریر کر رہا ہوں۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ میں رویت باری سے نوازا گیا۔ "ذالک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ وقد رای محمد ربہ مرتین" دوسری حدیث "نورانی اراہ"۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے بچشم دید دیکھا یا بصیرت قلبی سے، تو حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے تجلی الٰہی کو بچشم خود دیکھا۔ جیسا کہ مفسرین کی جماعت کا قول ہے کہ انہ رای بعینہ وھو قول انس وعکرمۃ والربیع رضی اللہ عنہم۔

المختصر یہ ایک ایسی فضیلت و عظمت ہے جو صرف ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رجب المرجب کی ستائیسویں شب کو حاصل ہوئی۔

مرکب ہم چو براق؛ سوار ہو حبیب اے خوشا یانگ ددا دسفر نیم شبی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خاص قرب و سعادت سے نوازا اور آپ ایسے مقام عالی پر فائز ہوئے جہاں کسی نبی کا گذر نہیں۔ ؎

بمقامی کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

آپ کی درجات عالیہ اور سعادات عظمیٰ کی انتہا یہاں تک ہے کہ آپ ایسے مقام پر بھی تشریف لے گئے جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے جلیل معظم و مکرم فرشتے بھی نہ پہونچ سکے اور اس منزل کے قریب پہنچکر حضرت جبرئیل یہ کہہ پڑے ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی ؎

اگر بال بھر یاں سے آگے بڑھوں
فروغ تجلی سے بالکل جلوں

تنبیہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خدائے تعالیٰ نے جسمانی معراج عطا فرمایا اس کے حق ہونے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ خدا کے معترف اور اس کی بے انتہا قدرت کے قائل ہیں وہ تو معراج جسمانی کی تصدیق کرتے ہی ہیں لیکن جو حضرات سائنس کے دلدادہ ہیں وہ بھی اپنی موجودہ تحقیقات سے معراج جسمانی کے حق میں ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا بڑے بڑے راکٹ چاند پر اور مریخ میں تک پہنچانے کی کوشش بلیغ کر رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے دعوے کے مطابق چاند اور مریخ تک پہنچنے میں بہت جلد کامیاب ہو جائیں گے۔ حالانکہ جو آلات چاند وغیرہ پر بھیجے جا رہے ہیں وہ وزن کے لحاظ سے انسانی جسم سے کئی سو گونہ زیادہ وزنی ہیں۔ لیکن پھر بھی بہت تھوڑے وقت میں انسانی مصنوعات کے یہ آلات لاکھوں میل بلند ستاروں تک پہنچانے کی سعی و جد و جہد کیجا رہی ہے۔ ایسی حالت میں اگر انسانی جسم جو کہ نہایت پاکیزہ اور سراپا روحانیت سے معزز اور معطر ہو اگر وہ آسمان تک پہونچنے کا دعویٰ کرے تو اس میں شک و شبہہ کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟

بالخصوص جبکہ معراج کا دعویٰ کرنے والے سید الکونین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکی صداقت و امانت پر دوستوں کے علاوہ دشمنوں نے بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ جس نے زندگی کے کسی شعبے میں کبھی بھی غلط بیانی اور جھوٹے دعوے نہیں کئے۔ جب ایسی معظم شخصیت اپنی معراج جسمانی کا دعویٰ پیش کرتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسے تسلیم نہ کر کے اپنی ایمانی بصارت کا ثبوت نہ دیں۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

افادات

لمعات بدریہ

(از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ)

ایصال ثواب میں تقسیم

(۲)

باقی رہی یہ بات کہ ایصال ثواب میں جتنی ارواح کو ہدیہ کرنے والا چاہے ثواب اسی تعداد میں بڑھے اور اتنا ہی گونا زیادہ ہوکر پہنچے اس کا ثبوت کیا ہے؟ تو مرقومہ بالا آیات نمبر ۲ و ۸ سے جس میں مطلقا زیادہ دینے کی بشارت ہے استنباط ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زیادہ دینے کی کوئی حد خدا کی طرف سے جب مقرر نہیں ہوئی تو مانگنے والا جتنی تعداد میں مانگے اسے ملنے کی امید رکھنی چاہیئے۔ جیسا کہ ایصال ثواب کے بارہ میں جو روایات ہیں وہ اسی پر شاہد ہیں۔

ایک حدیث قربانی والی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دُنبہ اپنی طرف سے اور اپنی آل اور امت کی طرف سے قربانی یعنی ذبح فرمایا۔ ظاہر ہے کہ آپ کی غرض اس وقت کے موجودہ مزدوروں کی تعداد اُمّت بھی تھی اور آئندہ کی روز افزوں بڑھنے والی تعداد بھی۔ اور اس کام میں اپنی جمیع امت کی طرف سے فرض ادا کر دینا نہ تھا۔ بلکہ محض ایصال ثواب تھا۔ تعداد امت میں کمی و بیشی کا ہونا صحیح طرح فرود ہے۔ ہر زمانہ میں ایک تعداد معین کا ہونا بھی فرود ہے۔ تو جس زمانہ میں تعداد معین امت محمدی کی ہوگی اس زمانہ کے وہ سب اس ثواب سے فائدہ پانے والے ہونگے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ ثواب پہنچانے والا جتنے اموات کو ثواب بھیجے گا، خدائے تعالیٰ اس قدر اموات کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث جن لفظوں میں ہے۔ دوسری حدیثوں کے بعد آخر میں لکھی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث دوم :-

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰسٓ خفف اللہ عنہم وکان لہ بعدد من دفن فیہا حسنات۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مقبرہ میں داخل ہوکر سورہ یٰسین پڑھے تو خدائے کریم ان مجھد سے (عذاب میں) تخفیف کر دے گا۔

(مشارق الانوار و شرح الصدور و شرح احیاء العلوم و تذکرۃ الموتی والقبور)

مقبرہ میں کل مدفونین کی تعداد سے یٰسین پڑھنے والے کو نیکیاں ملنے کی دلیل ہے کہ اس کی پوری سورہ یٰسین پڑھنے کا فائدہ ہر ہر میت کو وہاں کے پہنچا اور اسی کے بدولت ان اموات کی تعداد کے موافق اس کو نیکیاں ملیں اور جتنی تعداد میں ثواب بھیجنے والا چاہتا ہے اسی تعداد میں اللہ تعالیٰ اس کو مضاعف فرماتا ہے۔

حدیث سوم ۳: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوع روایت ہے کہ:۔

من مرّ علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احد عشر مرۃ ثم وھب اجرہ للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات

جو کوئی مقبروں پر گذرے اور سورہ قل ھو اللہ احد گیارہ بار پڑھے پھر اس کا اجر ان مُردوں کے لئے ھبہ کردے تو اُن مُردوں کے عدد کے برابر اجر دیا جائے گا۔

(شرح الصدور ۱ سیوطی" "تذکرۃ الموتی والقبور ۲ قاضی ثناء اللہ پانی پتی" "مشارق الانوار ۳ حسن العدوی" و شرح احیاء العلوم ۴ مرتضیٰ زبیدی)

قل ھو اللہ گیارہ بار پڑھنے کا اجر اس مقبرہ کے اموات کی تعداد کے برابر ملا۔ اس لئے کہ اسی قدر اموات کو ثواب بھیجا تھا۔ اسی تعداد میں ثواب ملنے کا سبب یہی ہے کہ ہر مُردہ کو گیارہ بار قل ھو اللہ پڑھنے کا ثواب ملا۔ کیونکہ اگر مقبرہ کے اموات کو ثواب اس کا نہ پہنچتا تو یہ مستحق گیارہ بار ہی پڑھنے کے ثواب کا تھا نہ بتعداد اس مقبرہ کے اموات کے ثواب کا۔

حدیث چہارم ۴:۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حج عن ابویہ ولم یحج اجزی عنھما وبشرت ارواحھما فی السماء وکتب عند اللہ برا

(شرح الصدور)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے اس حال میں کہ انہوں نے حج نہ کیا تھا، تو ان دونوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور ان کی ارواح آسمان میں بشارت پائیں گی اور خدا کے پاس (بھیجنے والے کی) نیکی لکھی جائیں گی۔

یعنی اس حج کرنے والے کے باپ ماں دونوں کو حج کا ثواب ملے" اور اس شخص کو دونوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ثواب تو ایک ایک حج کا ثواب دونوں کو ملا جس کی وجہ سے اس طرح کا حج بدل کرنے والے کو دونوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ثواب ملا اور حج تقسیم نہ ہوا۔ بلکہ دونوں کو ایک ایک حج کا ثواب ملا۔

حدیث پنجم ۵: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

بیہقی و اصبہانی از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کردہ کہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ حج کند برائے والدین خود

بیہقی و اصبہانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی اپنے

بعد مردن شان نویسد، اللہ تعالیٰ برائے او آزادی از آتش و مادر پدرش را ثواب حج کامل برسد
(تذکرۃ الموتیٰ والقبور)

والدین کے مرنے کے بعد ان کو ثواب پہنچانے کے واسطے حج کرے، تو خدائے برتر اس کو دوزخ سے آزادی لکھ دے اور اس کے ماں باپ کو حج کامل کا ثواب پہنچے۔

اگر حج تقسیم ہو جاتا تو دونوں کو حج ناقص کا ثواب ملتا۔ حج کامل کا ثواب ہر ایک کو ملنا دلیل ہے کہ ثواب کامل پہنچتا ہے۔ تقسیم نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ دو کو ثواب پہنچایا اور دونوں کو ملا۔

حدیث ششم بھی قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:-

و طبرانی از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کردہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وقتیکہ تصدق کند یکے از شما صدقہ نفل باید کہ کند آں صدقہ را از پدر و مادر خود پس باشد ثواب آں صدقہ پدر و مادرش را و کم نشود از اجر او چیزے۔

اور طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نفل صدقہ کرے تو چاہیے کہ اس صدقہ کو اپنے ماں باپ کی طرف سے کرے، تو اس صدقہ کا ثواب اس کے ماں باپ کو ملے گا۔ اس کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور اور شرح الصدور)

قربانی والی حدیث جس کی بلفظہ لکھنے کا وعدہ اوپر گزرا ہے یہ ہے:-

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سواد ويبرك في سواد وينظر في سواد فأتي به ليضحي به فقال لها يا عائشة هلمي المدية ثم قال اشحذيها بحجر ففعلت ثم أخذها وأخذ الكبش فأضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد ثم ضحى به

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنبہ لانے کا حکم دیا۔ اچھی سینگ والا جس کے چاروں پاؤں اور پیٹ اور آنکھوں کے گرد سب سیاہ ہوں، تو وہ لایا گیا، تاکہ وہ قربانی کیا جائے۔ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ چھری لاؤ۔ پھر فرمایا اسے پتھر پر تیز کر لو میں نے یہ کر دیا۔ آپ نے اسے لیا۔ اور دنبہ کو پکڑ کر لٹایا اور یہ کہکر ذبح کیا بسم اللہ اللھم تقبل الخ۔ یعنی خدایا اسے قبول فرما محمدؐ اور آل محمدؐ اور امت محمدؐ کی طرف سے (صلی اللہ علیہ وسلم)

(صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب استحسان الضحیہ)

امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

واستدل بهذا من جوز تضحية الرجل عنه وعن أهل بيته واشراكهم معه في الثواب وهو

اس حدیث سے دلیل پکڑا ہے جس نے جائز رکھا ہر ایک دنبہ و گوسفند کی قربانی اپنے اور اپنے گھر کے لوگوں کی طرف سے اور

منا هينا ومذهب الجمهور وكرهه الثوري وابو حنيفة واصحابه وزعم الطحاوي ان هذا الحديث منسوخ او مخصوص وغلطه العلماء في ذلك فان النسخ والتخصيص لايثبتان بمجرد الدعوى.

. . . .

. . . .

ان سب کو شریک کرنا اپنے ساتھ ثواب میں یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے اور ثوری اور ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اس کو مکروہ کہا ہے اور طحاوی کا گمان ہے کہ یہ حدیث منسوخ یا مخصوص ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور علماء نے اس میں ان کی غلطی ظاہر کی ہے۔ اس لئے کہ نسخ و خصوصیت خالی دعوی سے نہیں ثابت ہوتی۔

ایک دوسری شرح اکمال اکمال المعلم میں امام ابوعبداللہ محمد وشتانی بھی امام طحاوی کے قول کو بلا دلیل بتاتے اور ایک بھیڑ یا بکری کی قربانی میں گھر بھر کی شرکت کو جائز رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے جواز یا عدم جواز سے یہاں مجھے بحث نہیں۔ اس لئے کہ اس تحریر کے موضوع سے خارج ہے۔

یہاں پر مجھے یہ کہنا ہے کہ جمہور جب اشتراک ثواب قربانی کے مجوز و قائل ہیں، تو ان کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کل امت کو اس قربانی کے ثواب میں شریک و شامل فرمایا۔ باقی رہے وہ لوگ جو اس حدیث کے منسوخ ہونے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قربانی کے مخصوص ہونے کے قائل ہیں۔ ان کو بھی اس ایصال کو بغیر تسلیم کرنے کے چارہ نہیں اگر اس حدیث کو وہ صحیح نہ جانتے تو اس کا نسخ ہونا نہ کہتے یا یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونا نہ بتاتے، بلکہ اس حدیث کو غیر ثابت یا غیر صحیح کہتے۔

میں پوچھتا ہوں اگر منسوخ ہی ہے تو نسخ کے پہلے جب یہ قربانی ہوئی تھی، اس وقت تو اس ثواب پہنچنے کو ضرور تسلیم فرمائیں گے۔ یا اگر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات ہی سے جانیں تو بھی جمیع امت کو ثواب پہنچنا تسلیم کرنا ہوگا۔

قربانی تقرب الی اللہ کے کاموں میں سے ایک کام ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقرب الی اللہ کی نیت سے قربانی کریں کیا وہ قربانی عبث و غیر مفید ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تو اب سمجھ لیجئے کہ جس طرح کوئی شخص ایک اونٹ یا بھینس یا گائے یا بیل خرید کر قربانی میں سات آدمی شریک ہونے والوں کی جگہ ایک خود اور چھ اموات ثواب پہنچانے کی نیت سے ان کے ناموں کو اپنے نام کے ساتھ شامل کرے اور قربانی کرے، تو اس قربانی کرنے والے کو اور ان چھ اموات میں سے ہر ایک کو ایک ایک قربانی کا ثواب کامل ملے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنبہ کی قربانی میں امت محمدی کے ہر فرد کو ایک دنبہ کی قربانی کا ثواب کامل ملنا یقینی ہے اور اس میں جز تقسیم کی گنجائش نہیں۔

جب آپ نے فرمایا اللهم تقبل من محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر آل محمد پھر ومن امة محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جس طرح آپ کی طرف سے اس قربانی کے قبول ہونے کا یقین وایمان ہمارا ہے۔ آپ کی آل کی طرف سے اور آپ کی امت کی طرف سے بھی قبول ہونے کا ایمان ہے اور ہر مسلمان کا ایمان یہی ہونا چاہیئے۔

اس مقام میں ایک مسئلہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے جس کے باعث سے قربانی کے اندر اشتراک ثواب و اشتراک قیمت و ملک میں غلط فہمی نہ ہو۔

کتاب اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم میں ہے صفحہ ۲۹۷ جلد ۵ طبع مصر۔

ولا یجوز عند جمیعھم ان یشترک جماعۃ فی شراء شاۃ یضحون بھا من انفسھم ولا یشترکون کذالک فی ھدی ان کانوا اکثر من سبعۃ واختلفوا فیما دون السبعۃ فمنعہ مالک کان الھدی بدنۃ او بقرۃ او شاۃ وذھب الجمھور من الحجازیین والکوفیین والشامیین الی انہ تجوز شرکۃ السبعۃ فاقل فی البدنۃ والبقرۃ فی ھدی او اضحیۃ قالوا ولا تجزئ الشاۃ الا عن واحد قلت المذھب منع الشرکۃ فی الاضاحی بالملک فلا یشترک جماعۃ فی شراء شاۃ کما تقدم۔

....

....

....

....

اور سبھوں کے (یعنی بالاتفاق کل اماموں کے) نزدیک یہ جائز نہیں کہ ایک بکری کے مول لینے میں جماعت شریک ہو کر اپنی جانوں کی طرف سے اسے قربانی کریں گے اسی طرح ہدی میں اگر سات آدمی سے زیادہ ہوں (تو اس کی قیمت میں) شریک نہ ہوں اور سات شریکوں سے کم میں اختلاف کیا ہے ہدی (مکہ بھیجی ہوئی قربانی) اگر اونٹ یا گائے یا بکری ہو تو سات سے کم کی شرکت قیمت کو امام مالکؒ منع کیا ہے اور جمہور حجازین اور کوفیین اور شامیین لوگ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جائز ہے قیمت میں سات آدمی کی یا اس سے کم کی شرکت اونٹ اور گائے میں، خواہ وہ ہدی ہو یا اضحیہ (یعنی مکہ بھیجی ہوئی یا گھر اپنے ہونے والی قربانی) اور بالاتفاق سب نے کہا ہے کہ ایک بکری ایک ہی آدمی کی طرف سے کفالت کرےگی (مصنف کہتے ہیں) میں نے کہا کہ مذہب (واحد) قربانی کے جانور میں ملکیت کی شرکت کو منع کرتا ہے، تو ایک بکری کے مول لینے میں جماعت شریک نہ ہوگی جیسا گذرا۔

عبارات بالا مرقومہ سے چند مسائل متفرع ہوتے ہیں:-

جن بڑے جانوروں میں سات آدمی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے، اسے کوئی اکیلا اپنے ہی طرف سے قربانی کرے تو وہ ایک ہی قربانی ہوگی۔ سات قربانی کا ثواب نہ ملے گا اور اگر دو آدمی کی شرکت اس کی قیمت میں ہو اور انہیں دو کی طرف سے قربانی ہو، تو وہ دو قربانی ہے اسی طرح تین یا چار یا پانچ یا چھ یا سات آدمیوں کی شرکت خریداری میں ہو تو شریک ہونے والوں کی تعداد کے موافق اس قربانی کی تعداد کہی جائے گی۔ یہ نہ ہوگا کہ دو آدمی کی شرکت میں فی کس کو ساڑھے تین قربانیوں کا ثواب ملے یا تین آدمی کی شرکت میں ہر ایک کو دو اور ثلث قربانی کا ثواب ملے جو کوئی اس طرح کا حصہ بخرہ ثواب قربانی میں سمجھے وہ صحیح نہیں۔ اور اگر بجائے سات شریکوں کے اس سے کم چند زندوں کی شرکت ہو اور باقی حصوں میں سے اموات کو ثواب پہنچانا بھی چاہیں تو ایک میت کو ثواب پہنچانے کے لئے ایک ہی شخص کو اس حصہ میت کی قیمت دینی چاہیئے۔ یعنی ایک میت کے حصہ کی قیمت میں دو آدمی شریک نہ ہوں۔ اگر شریک ہوں گے، تو میت کو ثواب نہ پہنچے گا۔ کیونکہ ایک بھیڑ یا بکری

کی قربانی کی قیمت میں دوسرے کی شرکت جائز نہیں (جیسا کہ عبارت شرح مسلم سے ظاہر ہو چکا ہے) اور بڑے جانوروں کا ایک ایک حصہ بمنزلہ ایک ایک بھیڑ یا بکری کے ہے۔ تو جب زندوں میں اس کے اندر شرکت جائز نہیں اور وہ قربانی صحیح نہیں، تو میت کو اس کا ثواب پہنچانا بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

نواب سید صدیق حسن خان مرحوم ثمار التنکیت فی شرح ابیات التثبیت میں لکھتے ہیں ص۱۰۳ طبع شاہجہانی بھوپال۔

ثم ان ما اهداه لاخيه حسنة والحسنة بعشر امثالها فمن اهدى اليه مثلا ثواب صوم يوم او ثواب قراءة جزء من القرآن اعطاه الله اجر صوم عشرة ايام واجر تلاوة عشرة اجزاء ... ...

پھر جو کچھ وہ اپنے بھائی (میت) کو ہدیہ کرتا ہے نیکی ہے اور نیکی دس گونا ہوتی ہے۔ تو مثلاً ایک روزہ کا ثواب یا ایک پارہ قرآن مجید پڑھنے کا ثواب جب کسی میت کو ہدیہ کیا جائے، تو خدائے کریم اس میت کو دس روزہ اور دس پارہ کلام اللہ کے تلاوت کرنے کا ثواب دے گا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ نواب صاحب مرحوم کے نزدیک ایک میت کو بھی جس قسم کا ثواب بھیجا جائے گا وہ خدائے کریم کے فضل سے دس گونا ہو کر اسے پہنچے گا۔ اس دعویٰ کو آیہ کریمہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها سے استنباط کیا ہے۔

احکام اسلامی

سوال

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں :-

کہ زید کثیر الاولاد ہے اور ان تمام لڑکوں میں سے ایک لڑکا بکر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زید سے الگ ہوگیا ہے۔ اور اس کا کاروبار سب الگ ہے۔ زید اپنی زندگی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ کس مپرسی میں بسر کرتا ہے اس لئے کہ زید بیکار ہے کوئی کاروبار یا نوکری اس کے پاس نہیں ہے۔ بکر الگ اپنا کاروبار کرتا ہے اور وہ خوشحال ہے اور کچھ زکوٰۃ وغیرہ بھی نکالتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ بکر اپنے چھوٹے چھوٹے بھائیوں کو زکوٰۃ کا پیسہ ان کے کپڑے اور تعلیم کے اخراجات مثلاً کتابیں اسکول کی فیس و دیگر ضروری چیزیں اس زکوٰۃ کے پیسے سے اپنے چھوٹے چھوٹے بھائیوں کی مدد کرسکتا ہے یا نہیں ؟ کیا اس سے بھی زیادہ کسی دوسرے کو دینے میں زیادہ بھلائی ہے یا اپنے حقیقی اور قابل امداد چھوٹے چھوٹے بھائیوں کو دینا بہتر ہوگا۔ فقط

المستفتی محمد نعمت اللہ عفی عنہ

الجواب

باپ اور حقیقی ماں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے۔ بھائی بہن اگر محتاج اور مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو دینا جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے فتاوی ہندیہ عالمگیری میں ہے۔

والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر الصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم

(عالمگیری جلد ۱ کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۸۷)

یہ اس صورت میں جبکہ بھائی بہن بالغ یا مراہق (قریب بالغ) یا ذی شعور و ذی عقل ہوں تو ان کو خود زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں۔ جائز اور صحیح ہے لیکن اگر وہ بالکل کمسن نابالغ ہیں اور ذی شعور نہیں ہیں تو ان کو دینے کے بجائے ان کے ولی کو دیا جا سکتا ہے۔ گویا اس صورت میں باپ کو جو ان کا ولی ہے اس کو دیا جائے کہ وہ اپنی ذات میں نہ خرچ کرے بلکہ ان لڑکوں کے مصرف میں لائے تو یہ جائز اور درست ہوگا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

اذا دفع الزکوٰۃ الی الفطیم لا یجوز الدفع ما لم یقبضها الفقیر من له ولایۃ علیه نحو الاب والوصی یقیناً

الصبی والمجنون کذا فی الخلاصۃ۔ (عالمگیری جلد ۱ کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۸۸)

اور وہ شخص خود بھی زکوٰۃ کی رقم سے کپڑے اور کتاب وغیرہ خرید کر اپنے مستحق بھائیوں کو دے سکتا ہے۔ اگر وہ بالغ یا مراہق ہیں یہ بھی جائز ہے۔ اور سوتیلی ماں اگر مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو بھی دینا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

المجیب

عون احمد قادری عفی اللہ عنہ

۳؍ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

سوال

(۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین:۔

زید امام مسجد ہے۔ ۱ زید نے کہا کہ اگر ہم بکر کے یہاں کھانا کھائیں تو گویا اپنی لڑکی کے ساتھ زنا کریں اور سور کھائیں۔ لیکن زید نے بکر کے یہاں کھا لیا۔ اب بلا کفارہ دیئے ہوئے زید کی امامت درست ہوگی یا نہیں۔ ۲ حامد نے کہا کہ محمود کا دانہ پانی کھائیں تو سور کا گوشت کھائیں۔ مگر حامد نے کھا لیا۔ اب حامد پر کفارہ دینا پڑے گا کہ نہیں

المستفتی

حفاظت کریم مدرس دار العلوم اسلامیہ ڈنڈشن روڈ خضر پور کلکتہ ۲۳

الجواب

۱ و ۲ دونوں صورتوں میں وہ کلام قسم نہیں ہے۔ اس لئے زید اور حامد نے بکر اور محمود کے یہاں کھا پی لیا تو حانث نہیں ہوگا اور کفارہ نہیں دینا ہوگا۔ اس لئے زید کی امامت درست اور جائز ہے اور حامد پر کفارہ نہیں ہے۔ ہاں یہ کلام برا ہے۔ ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ درمختار کی عبارت ہے۔

وان فعله فعلیه غضبه او سخطه او لعنة اللہ او هو زان او سارق او شارب خمر او آکل ربوا لایکون قسماً لعدم التعارف (درمختار جلد ۲ کتاب الایمان صفحہ ۲۲۸)

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے:۔

ولو قال هو یاکل المیتة او یستحل الدم والخمر ان فعل کذا لا یکون یمینا۔ فتاوی قاضی خان ج ۲ کتاب الایمان۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

المجیب

عون احمد القادری عفی اللہ لہ

۲؍ ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محل لکھنؤ)

(۴۰)

الرحمٰن الرحیم

علاوہ ازیں قرآن حکیم نے جس طرح خالق عالم کی شان تخلیق و ترزیق، پرورش و پرداخت کے طریق اور اسباب حفظ و بقا و سامان راحت کی تقسیم و تفریق کا بار بار تذکرہ فرما کر اس کی شان ربوبیت واضح فرمائی۔ اسی طرح خلقت کا حسن و جمال، فضل و کمال، خوبی و زیبائی وغیرہ کی طرف بھی بکثرت متوجہ فرما کر یہ جتایا کہ یہ سب کچھ اس کی شان رحمت کی ظہور ہے۔ خصوصاً اس بنا پر کہ کفار رحمان کے ذکر سے انکار کر رہے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وھم بذکر الرحمٰن ھم کٰفرون (انبیاء ۳۶) اور وہ خود رحمان کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ رحمانیت الٰہیہ انہیں بار بار یاد دلائی جائے اس لئے کہ انسان کے افعال و احوال اور صفات کمال، اسباب معیشت و تسکین حیات کی جانب توجہ دلائی اور اپنی شان رحمت کی جلوہ گری اس طرح دکھائی کہ:۔

(۱) حسن صورت سے نوازا۔ چنانچہ ارشاد ہوا وصورکم فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ۔ اس نے تمہاری صورت بنائی اور تمہاری صورتوں کو حسن و جمال بخشا۔

(۲) قد و قامت میں اعتدال و استقامت سے سرفراز فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ یعنی درحقیقت ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔

(۳) حصول علم و معرفت کے لئے آلات بخشے، چنانچہ ارشاد ہوا واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون (سورہ نحل ۷۸) اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور ان سے تمہارے لئے کان اور آنکھیں بنائیں۔ تاکہ تم شکر کرو۔

(۴) ایام رضاعت میں دو سال تک ماؤں کے پستانوں سے تغذیہ کا انتظام فرمایا

وفصالہٗ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک (لقمان) | اور دو سال میں دودھ چھڑانا ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر۔

(۵) پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی:۔

ورزقکم من الطیبٰت (سورۂ نحل ۷۲) | اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی

(۶) پہننے کے لئے بہترین لباس، رہنے بسنے کے لئے اچھے آرام دہ مکانات، برتنے کے لئے عمدہ سامان مہیا فرمائے۔

واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونھا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافھا واوبارھا واشعارھا اثاثا ومتاعا الی حین (سورۂ نحل آیت ۸۰)

....

....

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو آرام پانے کی جگہ بنا دیا ہے اور تمہارے چوپایوں کی کھالوں سے (ڈیرے خیمے کے) گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دن میں اور مقیم ہونے کے دن میں ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کے اُون اور ان کے روؤں اور ان کے بالوں سے (بہت سا) اسباب اور مدت تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں۔

واللہ جعل لکم مما خلق ظلالا وجعل لکم من الجبال اکنانا وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم کذلک یتم نعمتہ علیکم لعلکم تسلمون (سورۂ نحل ۸)

....

....

اور اللہ ہی نے تمہارے (فائدہ) کے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور (تمہارے (فائدہ کے) لئے پہاڑوں میں غار بنائے اور تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے، جو تمہیں گرمی سے بچا سکیں اور ایسے کرتے بھی جو تمہیں (جنگ کی) ضرت سے محفوظ بنا سکیں۔ اسی طرح وہ اپنی نعمت تم پر پوری فرماتا ہے۔ تاکہ تم فرمانبردار بنے رہو۔

اس میں یتم نعمتہ (تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ تمام ساز و سامان بتقاضائے رحمت وجود میں آیا اور انہیں بمقتضائے رحمانیت العام فرمایا۔

(۷) طریق خطاب سکھایا۔

خلق الانسان علمہ البیان (سورۂ رحمٰن) | رحمان نے انسان کو پیدا کیا، اسے بیان سکھایا

(۸) علوم و فنون سے بہرہ مند فرمایا:

علم الانسان مالم یعلم (سورۂ علق ۵) | اس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں، جنہیں وہ نہیں جانتا تھا

(۹) دشمنوں سے حفاظت کے اسباب مہیا فرمائے:۔

وعلمنٰہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم | اور ہم نے (داؤد ؑ) کو تمہارے (فائدہ کے لئے زرہ بنانا سکھایا

فھل انتم شاکرون (انبیاء ۷۹)

تاکہ وہ تمہیں تمہارے (جنگ کے) ضرر سے بچا سکے، تو کیا تم شکر گذار ہو

لفظ "شاکرون" دلیل ہے اس بات کی کہ یہ انعام الٰہی ہے جس پر شکرانہ عبادت گزاری مطلوب ہے اور انعام ربانی بمقتضائے رحمانیت ہی ہوتا ہے۔

(۱۰) دشمنوں سے جنگ کے لئے ہتھیاروں کا سامان فرمایا:

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب (سورہ حدید ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا جس میں (جنگ کے لئے) سخت قوت اور انسانوں کے لئے دوسرے فوائد (بھی) ہیں اور اس لئے ایسا کیا تاکہ اس شخص کو معلوم فرمائے جو اس کی اور اس کے پیغمبروں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے۔

(۱۱) زمین میں ہر طرح کا سامان معیشت مہیا فرمایا اور ہر طرح کے اقتدار و تصرف سے سرفرازی بخشی۔

ولقد مکنٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلا ما تشکرون (اعراف ۱۰)

اور حقیقت میں ہم نے تم کو زمین میں طاقت تصرف کے ساتھ بسایا اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان معیشت بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

اس میں ناشکری کی طرف متوجہ کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ سارا اہتمام زبردست انعام ہے۔ جس پر شکر لازم ہے اور ہر انعام تقاضائے رحمت ہی ہوتا ہے۔

(۱۲) سونے چاندی سے مالا مال جانوروں اور چوپایوں کے ذریعہ خوش حال کھیتی اور باغات کے باعث فارغ البال بنایا۔

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا (آل عمران ۱۴)

لوگوں کے لئے خواہش والی چیزوں کی محبت خوشنما کر دی گئی ہے (جیسے) عورتیں اور اولاد اور جمع کئے ہوئے مالوں کا بڑا ڈھیر سونے اور چاندی کا اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہی دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔

(۱۳) چوپایوں کے ذریعہ طرح طرح کے فائدے پہنچائے، کبھی اس کو غذا، کبھی سامان دلبستگی و آرائش اور کبھی نقل و حمل کی سہولت کا ذریعہ بنایا۔

والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون (نحل ۵)

اور چوپائے جانوروں کو اس نے تمہارے لئے پیدا فرمایا، جن میں گرم لباس اور (دوسرے) فوائد ہیں اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے ہو۔

ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون

اور تمہارے لئے ان میں رونق (بھی) ہے جس وقت

وتحمل اثقالکم الیٰ بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤوف رحیم۔

(نحل ۸)

تم شام کو (چراگاہ سے) لاتے ہو اور جس وقت صبح کو (چرانے) لیجاتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھائے جاتے ہیں۔ جہاں تم بغیر جانکاہ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بیشک تمہارا رب نہایت شفقت والا مہربان ہے۔

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ

(نحل ۸)

اور گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (بھی پیدا کیا) تاکہ تم ان پر سوار ہو سکو اور (تمہاری) زیبائش کے لئے

اس میں رؤف رحیم اسی نشان دہی کے لئے لایا گیا ہے کہ یہ تمام اسباب آسائش اس کی رحمانیت ہی کا کرشمہ ہیں۔

(۱۴) کھیتی سے طرح طرح کی سبزیاں، ترکاریاں، اور غلے باغات سے قسم قسم کے پھل اور میوے پیدا فرمائے۔

ھوالذی انشأ جنٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ

(انعام ۱۴۲)

وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے ٹٹوں پر چڑھائے اور بغیر ٹٹوں پر چڑھائے ہوئے باغات اور کھجور اور کھیتی جس کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار (جو شکل وصورت میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور (مزہ میں) جدا گانہ ہیں پیدا فرمائے۔

وفی الارض قطع متجٰورٰت وجنٰت من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد ونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل

(رعد)

اور زمین میں (مختلف قسم کے) قطعات ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت جھنڈ دار اور بغیر جھنڈ دار ہیں جنہیں ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے اور (اس کے باوجود) ہم ذائقہ میں ایک کو دوسرے پر برتری بخشتے ہیں۔

(۱۵) سطح سمندر پر سواری کے لئے جہازات اس کی تہہ میں غذا کے لئے مچھلیاں اور قعر میں آرائش و زیبائش کے لئے موتی و مرجان پیدا فرمائے۔

وھوالذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا وتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونھا وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون

(نحل ۱۴)

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے دریا کو تابع فرمان بنایا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تو کشتیاں دیکھتا ہے، جو اس میں پانی پھاڑتی چلتی ہیں (اور یہ اس لئے ایسا کیا) تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو

اس میں مطالبہ شکر ہو رہا ہے اس بات کو کہ رب کریم کی یہ ساری کارفرمائیاں بہ مقتضائے رحمت ہی ہیں۔

(۱۶) زمین میں چلنے پھرنے کے لئے کشادہ راہیں اور آرام و راحت پانے کے لئے مواضعات، قصبات اور خوشنما و بابرکت شہر بسائے اور ان میں دن رات امن و سکون کے ساتھ سیر و سیاحت کا موقع بخشا۔

وجعل لکم فیھا سُبُلًا لعلکم تھتدون (زخرف ۱۰)	اور اسی نے تمہارے لئے (کشادہ) راستے زمین میں بنا دیئے تاکہ تم مسافت طے کر سکو۔
وجعلنا بینھم وبین القری التی بارکنا فیھا قریٰ ظاھرۃ وقدرنا فیھا السیر سیروا فیھا لیالی وایاما امنین (سبا ۱۸)	اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی ہے سامنے نظر آنے والی بستیاں بنا دیں اور ان میں آمد و رفت (کی منزلیں) مقرر کر دیں کہ تم لوگ ان میں راتوں کو بھی اور دنوں کو بھی بے خوف ہو کر چلتے پھرتے رہو۔

(۱۷) رات کی تاریکی میں رہنمائی کے لئے آسمان پر ستارے پیدا فرمائے۔

وبالنجم ھم یھتدون (نحل ۱۶)	اور وہ (رات کو) ستاروں ہی سے راہ پاتے ہیں۔

(۱۸) سکون قلب و راحت نفس کے لئے ہم جنس بیویاں پیدا فرمائیں۔

ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا (اعراف)	وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص (آدم) سے پیدا فرمایا اور اس کا جوڑا اسی سے بنایا کہ وہ اس سے راحت حاصل کرے۔

(۱۹) میاں بیوی کے دلوں میں الفت و محبت کے جذبات ابھارے:۔

خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (روم ۲۱)	اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی ذاتوں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان دوستی و مہربانی پیدا کر دی

(۲۰) میاں بیوی کے اختلاط سے افزائش نسل کی صورت پیدا فرمائی اور اولاد کی کثرت بڑھائی:۔

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ (نحل ۷۲)	اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری ہی ذاتوں سے جوڑا پیدا فرمائے اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا فرمائے۔
وبث منھما رجالا کثیرا ونساءً (نساء ۱)	اور ان دونوں مرد و عورت سے بہت سے مرد و عورتیں (پیدا) کر کے زمین پر پھیلا دیئے۔

(باقی دارد)

قند پارسی

(از حضرت فرد الاولیاء مخدوم شاہ ابوالحسن فرد، قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ)

از جان خیالِ آں قدِ رعنا نمی رود — نقش جمال او ز دلِ ما نمی رود

ناصح بعاشقان ندہد سود پند تو — از یاد قیس صورتِ لیلیٰ نمی رود

گر صد ہزار بار برد بُرد درت صبا — این خاک کشتۂ تو از آنجا نمی رود

گویند خط بر آب بود نقش بے ثبات — دل آب گشت و نقش تمنّا نمی رود

پروردۂ قفس نکند یادِ گلشنے — خو کردۂ در تو بصحرا نمی رود

لعل لبش دوائے دل دردمند بس — این درد از علاج مسیحا نمی رود

در سر ہوائے نرگس مستش چنان فتاد — دیگر دلم بہ نرگس شہلا نمی رود

یک جرعۂ بکام من از شربت وصال
کاین تشنگیِ فرد ز دریا نمی رود

ادبیات

غزل

(از حضرت شاہ محمد معشوق کشش مجیبی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ)

چلا داغِ جگر لے کر جہاں سے
یہی ثمرہ ملا اِس بوستاں سے

کرو آنکھیں تو چار اے بندہ پرور
نہیں پوچھیں گے آتے ہو کہاں سے

شبِ وعدہ کی اُف رے بیقراری
قیامت آگئی اک تیرے ہاں سے

پرائے ملک میں یہ چھوڑ دے گی
یہ کب امید تھی عمرِ رواں سے

برابر کی چلا کرتی ہیں چوٹیں
اَدا سے اُن کی اور میری فغاں سے

حقیقت آپ کی کھل جائے بالکل
جو اُٹھ جائے یہ پردہ درمیاں سے

نہیں پالا پڑا تجھکو فلک سے
کسی کے نالۂ آتش فشاں سے

رہی میری بیں بھی غفلت وہی آہ
نہ چونکا صبح تک خوابِ گراں سے

ہمارا ماجرا بھی طرفہ تر ہے
کہ ایذا پاتا ہوں آرام جاں سے

غزل ایسی تو لکھو اے کشش تم
زمیں بڑھ جائے جس کی آسماں سے

نعت

(از جناب رخشاں ابدالی - کراچی)

یارب! چہ دلپذیر بیانِ محمدؐ است — گفتارِ شکریں ز زبانِ محمدؐ است
او رحمتِ خداست پے جملہ کائنات — رافت بہ مومنین نشانِ محمدؐ است
از یک اشارہ کرد دو پارہ ہلال را — ایں طرفہ ماجرا ز بنانِ محمدؐ است
او حق نما و ہادیِ حق، رہبر صواب — جاری ہمیشہ حق بہ لسانِ محمدؐ است
"کوثر" کہ او مراد ز "خیر کثیر" ہست — از کردگار خاص از انِ محمدؐ است
حاصل شود رضائے خدا از رضائے او — آں شخص را کہ مرتبہ دانِ محمدؐ است
او ہست "افصح العرب" و "جامع الکلم" — حکمت دُر و جواہرِ کانِ محمدؐ است

لاریب از شفاعتِ کُبریٰ ست سرفراز
رخشاں! بلند درجہ چہ شانِ محمدؐ است

غزل

(از ش - م - عارف ماہر آروی)

بام پہ پہلے ذرا ماہِ تمام آنے تو دو — لطف ہوگا پھر سحر کا وقتِ شام آنے تو دو
[illegible] — اہلِ محفل کی زباں پر میرا نام آنے تو دو
[illegible] — وقت آنے دو، محبت کا سلام آنے تو دو
[illegible] وقت پر — دستِ ساقی سے ذرا گردش میں جام آنے تو دو
دل دیا ہے جان دے کر ہم دکھا دیں گے تمہیں — عشق میں وارفتگی کا وہ مقام آنے تو دو
کیا کروں، کیسے کروں، کیونکر کروں میں آرزو — گفتگو میں تم کبھی لطفِ کلام آنے تو دو
خود بخود ہی ٹوٹ جائیں گی قفس کی تیلیاں — اک ذرا بادِ بہاری کا پیام آنے تو دو

ذوقِ بزمِ سخن خود ہی فزوں ہو جائے گی
آ رہا ہے ماہرِ شیریں کلام آنے تو دو

نعت

(از جناب شبنم کمالی ۔ مظفرپوری)

میرے آقا مدینہ کے سلطاں ہیں شہِ دیں شہِ بزمِ امکاں
دیکھ کر ان کا روئے درخشاں بھر لیے چاند تاروں نے داماں
ہو گیا سارا عالم فدائی آ گئے جب وہ جانِ بہاراں
روئے روشن سے ٹپکا جو قطرہ صحنِ گل بن گئی بزمِ امکاں
ذرہ ذرہ لگا مسکرانے لب ہوئے ان کے جب خنداں
چھا گیا ہر طرف ابرِ رحمت جب ہوئے اُن کے گیسو پریشاں
جگمگانے لگی بزمِ ہستی جب ہوا ماہِ طیبہ فروزاں
ہو نظر ان کے دامن پہ جن کی کیوں وہ دیکھے گا سوئے گلستاں
وردِ لب ذکرِ اقدس ہے جن کا ہیں بہارِ چمن روحِ ایماں
ذاتِ اقدس زمانے میں اُن کی ہے کتابِ محبت کا عنواں
وہ مسیحائے کون و مکاں ہیں دونوں عالم پہ ہے ان کا احساں
ظلمتِ دہر کا خوف کیوں ہو دل میں ہے جلوۂ ماہِ تاباں

جان دے دوں میں قدموں پہ اُن کے
کاش پورا ہو شبنم یہ ارماں

نعت

(از جناب محمد زکریا غالب آروی فاضل مجیبی)

سر جھکائے ہیں سبھی شمس و قمر آج کی رات
ڈال کر نورِ رسالت پہ نظر آج کی رات
بارشِ نور سے نورانی ہوا ہے عالم
مرحبا اس لیے کہتے ہیں بشر آج کی رات
وہ تو رحمت کے سمندر میں نہائے ہوں گے
کر کے آئے ہیں جو طیبہ سے سفر آج کی رات
دیدۂ نم نے بھی معراج کی دولت پائی
ڈال کر چہرۂ اقدس پہ نظر آج کی رات
کاش ہو جائے زیارت رخِ روشن کی مجھے
منتظر ہیں یہ مرے قلب و جگر آج کی رات
عرشیاں مست اور سرشار ہیں دنیا والے
چشمِ ساقی نے دکھایا یہ اثر آج کی رات
قلبِ غالب کا ہے مائل بعبادت امشب
فَاعْبُدُوْا پہ ہو عمل تا بسحر آج کی رات

کوائف و حالات

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے — نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی —— کچھ دوسروں کی ——

۱۹۶۴ء کا سال نئی نئی تبدیلیوں، نئے واقعات اور نئے حادثات کا سال رہا ہے۔ اس ایک سال میں پوری دنیا جس قدر نئے واقعات سے متاثر ہوئی ہے، اتنا کسی دوسرے سال میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ہندوستان میں یہاں کے محبوب رہنما وزیر اعظم پنڈت نہرو چل بسے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد پورا ملک گرانی کے شدید مصائب میں گرفتار ہوگیا، ایسی گرانی جس کی مثال گذرے ہوئے چند برسوں میں ملنا مشکل ہے۔ اپنے ملک سے باہر جاکر ہم دیکھیں تو اور ممالک میں بھی عظیم تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ چین نے ایٹم بم کا دھماکہ کرکے خود کو ایٹمی طاقتوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ اور آج اُسے وہی حیثیت اور وہی مرتبہ حاصل ہوگیا ہے، جو روس، امریکہ، فرانس اور برطانیہ کو حاصل تھا۔ یہ چار ممالک جس گناہ کو کئی بار کرنے کے بعد اس سے توبہ کر چکے ہیں چین نے اس گناہ کا پہلا مزہ چکھا ہے اور اسی لئے اُسے مخالفت اور ملامت کا سامنا بھی سبھوں سے زیادہ کرنا پڑا ہے۔ روس میں وہاں کے مرد آہن، دوسروں کی زندگی سے کھیلنے والے، کتنوں کی قسمت بنانے اور بگاڑنے کا دعویٰ کرنے والے اور اسٹالین جیسے انسان کی ہڈیاں تک اکھاڑ پھینکنے والے وزیر اعظم نکیتا خروشچیف آج گمنامی کے اس گڑھے میں پہنچ چکے ہیں۔ جہاں انہیں کے بھیجے ہوئے کتنے لوگ پہلے سے موجود ہیں۔ خروشچیف کا زوال ایک بڑی عبرت ہے پوری دنیا کے لئے سیاسی حیثیت سے بھی اب تک پوری دنیا گو مگو کی حالت میں ہے۔ نئی تبدیلی اور نیا اقتدار کس ملک کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتا ہے سبھوں کو اس کا شدید انتظار ہے۔ برطانیہ میں تیرہ برسوں سے قائم ڈیموکریٹک حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور لیبر حکومت ہرالڈ ولسن کی قیادت میں برسر اقتدار آگئی۔ یہ انقلاب بھی کتنے ہی ممالک کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ جبکہ بہت سے ممالک اس پر رنجیدہ ہیں۔ امریکہ میں ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار لنڈن جانسن نے ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل کی۔ اور اپنے مخالف ریپبلیکن امیدوار گولڈ واٹر کو اتنے ووٹوں سے شکست دی ہے جس کی مثال امریکہ کی تواریخ میں نہیں ملتی۔ عام طور سے دنیا کے تمام ممالک نے جانسن کی کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا ہے۔ جنگ کے خوفناک تصور سے ہی آج دنیا کانپ اٹھتی ہے ایسی حالت میں گولڈ واٹر جیسے جنگ باز سے کون نفرت نہیں کرتا۔ بہرحال جانسن کی کامیابی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ ”عوام“ تمام وسائل رکھنے کے باوجود جنگ کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ جانسن کی کامیابی —— ایک خوشگوار اور پُر امن دنیا کی تمہید ہے۔

اب دنیا کی نگاہیں صرف پاکستان کے انتخاب پر لگی ہوئی ہیں جہاں صدر ایوب خان اور مس فاطمہ جناح مدمقابل ہیں۔ وہاں بھی انتخاب شروع ہو چکا ہے اور چند ہی دنوں میں نتیجہ سامنے آجائے گا۔ وہاں عام انتخاب پہلی بار ہو رہا ہے۔ اسی لئے پولنگ پر گنڈہ گردی اور قتل کے واقعات بھی اکثر ہو رہے ہیں ـــ جو کسی بھی ترقی یافتہ ملک کے لئے بہت ہی شرم کی بات ہے۔

شاہ سعود مستعفی :-

یوں تو بہت دنوں سے ایسی خبریں آرہی تھیں کہ والی حجاز شاہ سعود اور ولی عہد امیر فیصل میں بہت اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ان اختلافات میں امیر فیصل کا پلہ بھاری نظر آرہا ہے۔ لیکن ابھی تک شاہ سعود وہاں کے بادشاہ تھے۔ گذشتہ دنوں علماء کی مجلس شوریٰ اور وہاں کی پارلیمنٹ نے شاہ سعود کو مکمل طور سے سلطنت سے مستعفی قرار دے دیا۔ اور شہزادہ امیر فیصل تخت و تاج کے وارث ہو گئے ہیں۔

امیر فیصل بہت ہی روشن دماغ تصور کئے جاتے ہیں ان کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ تمام ممالک سے دوستی قائم رکھی جائے اور سعودی عربیہ کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کیا جائے، متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر کرنل ناصر سے ان کے تعلقات بہت اچھے ہیں جبکہ شاہ سعود اور جمال ناصر کے درمیان اختلاف کی وسیع خلیج حائل تھی۔ حجاز مقدس کے تخت پر اس نئی تبدیلی سے خدا کرے اسلام کی خدمت زیادہ ہو اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے یہ تبدیلی خوشگوار ثابت ہو۔

مجلس مشاورت کے وفد کا دورہ :-

رانچی، جمشید پور، اور کیلا وغیرہ فساد زدہ جگہوں کا دورہ کرنے کے بعد مجلس مشاورت کا وفد دلی واپس پہنچ گیا اور وہاں وزیر اعظم وزیر داخلہ سے تمام صورت حال پر تفصیلی گفتگو کرنے اور ان کے سامنے اپنے دورہ کے تاثرات بیان کرنے کے بعد وفد نے دونوں حضرات کے سامنے تفصیلی میمورنڈم پیش کیا جس میں کئی مطالبات بھی شامل ہیں اس کے بعد یہ وفد مدھیہ پردیش اور راجستھان کے دورہ پر گیا۔ وہاں بھی مسلم اور غیر مسلم حضرات نے ان لوگوں کا نہ صرف شاندار استقبال کیا بلکہ ان کے جلسوں میں ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ ان حضرات نے ہر جگہ لوگوں کے سامنے ایسی تقریریں کیں جس سے مسلم دشمنی کی فضا ختم ہو اور ہندو مسلمان مل جل کر یہاں رہ سکیں۔ آج کل یہ وفد بمبئی کا دورہ کر رہا ہے۔ واضح ہو کہ مہاراشٹر میں بھی کچھ دن پہلے مسلم کش فساد کی ایک لہر اٹھ چکی ہے۔ اس لئے اس فضا میں وفد کا وہاں جانا بہت ہی کامیاب ثابت ہوا۔ دورہ سے واپسی کے بعد پھر آگے کا پروگرام یہ حضرات طے کریں گے۔

عازمین حج کے لیے جہازوں کی روانگی کی تاریخیں :-

حج کا زمانہ آگیا ہے۔ حج کے لئے جانے والے خوش نصیبوں نے درخواستیں بھی بھیج دی ہیں۔ درخواست بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ نومبر تھی۔ جیسا کہ اب تک کی خبر ہے اس سال حج کے لئے وہی افراد جائیں گے جن کا نام قرعہ میں نکل آئے گا۔ بہرحال جن خوش نصیب کی قسمت میں حج لکھا ہوا ہے وہ ہر حال میں وہاں پہنچ ہی جائے گا۔ جہاز مندرجہ ذیل تاریخوں میں روانہ ہوگا۔

روانگی قبل از رمضان

اسلامی ۲۲ دسمبر ۱۹۶۴ء

روانگی بعد رمضان

مظفری	۶ر فروری ۱۹۶۵ء	محمدی	۲۸ر فروری ۱۹۶۵ء
سعودی	۸ر فروری "	اسلامی	۵ر مارچ ۱۹۶۵ء
محمدی	۱۱ر " "	مظفری	۱۰ر " "
اسلامی	۱۴ر " "	محمدی	۱۶ر " "
مظفری	۲۲ر " "	اسلامی	۲۴ر " "

مظفری .... ۲۷ر مارچ ۱۹۶۵ء

مجلس الدعوۃ والارشاد کا قیام :-

مذہب سے بیگانگی اور خدا کی نافرمانی کی وجہ سے مسلمانوں میں جو تباہی و بربادی آرہی ہے اور آج مسلمان جس طرح ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں اس کا اندازہ کرتے ہوئے اہل اصلاح اور اکابر کا ایک اجتماع ہوا اور فیصلہ کیا گیا کہ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے ایک مجلس کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ اس مقصد سے ایک مجلس "مجلس الدعوۃ والارشاد" کے نام سے بنائی گئی جس کا صدر دفتر درویش خانہ پھلواری شریف میں ہے۔ اس اجتماع نے سردست حسب ذیل فرائض اس مجلس کے لئے متعین کئے ہیں۔

(۱) اکابر علمائے اسلام کو دعوت دینا اور ان کے مواعظ حسنہ سے قومی اصلاح کی کوشش کرنا۔

(۲) اکابر اسلام کی سیرتوں اور سوانح کی اشاعت کرنا۔

(۳) ادبی، ثقافتی اور تہذیبی جلسے منعقد کرنا۔

اس مجلس کے صدر حضرت مولانا سید شاہ عزالدین صاحب قادری الندوی اور سیکریٹری مولانا حکیم سید محمد یوسف صاحب رضوی پھلواروی مقرر ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ کچھ ارکان خصوصی اور مشیران اعلیٰ بنائے گئے ہیں اور کچھ ناموں کی تلاش ہے صاحب ذوق حضرات متوجہ ہوں۔

جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہٗ :-

موصوف ۲۷ر جمادی الاخر کو پھلواری شریف سے روانہ ہو کر دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ چند روز دہلی میں قیام کر کے اجمیر شریف جائیں گے اور ۱۰، ۱۱ر رجب تک پھلواری شریف واپس آجائیں گے۔

ماہ رجب ۱۳۸۴ھ ـــــ چاند کی خبر :-

۲۹ جمادی الاخر جمعرات کو چاند نہیں دیکھا گیا۔ اس لئے یکم رجب مطابق ۷ر نومبر سنیچر ہوئی اور ۱۱ر رجب مطابق ۱۷ر نومبر سہ شنبہ ہوگی۔ اور ۲۶ر رجب مطابق ۲ر دسمبر چہارشنبہ (تقریب معراج النبی) ہوگی۔

دارالاشاعت کی کتابیں

آثاراتِ پھلواری شریف

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت [illegible]

NOVEMBER 1964] [Regd No. P. 1047

Phone No : 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, PATNA

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

نیشنل لیتھو پریس [illegible] روڈ پٹنہ ۴

ھو الفرد المجیب ولی النعمۃ

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ المجیب



مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

سالانہ پانچ روپے

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فی پرچہ آٹھ آنے

نظام نامہ و قواعد

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت۔ اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی اسمیں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کیلئے

قواعد

(الف) ممبر قسم اوّل ۔ جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دارالاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

(ب) ممبر قسم دوم ۔ جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے۔ ان حضرات کو اعیان وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی

(ج) ممبر قسم سوم ۔ جو صاحب پچیس روپیہ عطا فرمائیں گے۔ ان کی خدمت میں اعیان وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہونگی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

(۲) ہر اسلامی ماہ کی ۱۰ تاریخ کو ایک مذہبی و علمی ماہنامہ "المجیب" کی اشاعت جسکی سالانہ قیمت ۵ اور عام قیمت ۸/ ۔ پاکستان و غیر ممالک کے سالانہ قیمت ۱۰

مقام اشاعت

دفتر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ٹیلیفون نمبر ۲۳۲۸۹

رجسٹرڈ نمبری ۱۰۴۷

هُوَ الَّذِي الْمُجِيبُ فِي النِّعْمَةِ

ماہنامہ المجیب

پھلواری شریف (پٹنہ)

قیمت سالانہ صہ / فی پرچہ ۸ / آنہ

پاکستان اور غیر ممالک سے ۷ روپے

جلد ـــ | ماہ شعبان ۱۳۸۴ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۴ء | شمارہ ـــ

■ مدیر مسئول ـ

سید احمد حسین سہسرامی

■ ادارۂ تحریر ـ

سید یوسف رضوی

ظفر حسنین

■ پرنٹر پبلشر ـ

سید لطف احمد قادری

مطبع

نیشنل التصویر پریس منہ روڈ پٹنہ ۴

مقام اشاعت

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ

پھلواری شریف پٹنہ

فہرست

لمعات

لکھنؤ میں ہونے والی مجلس مشاورت کے انعقاد کے پہلے ہی جمعیۃ العلمائے ہند نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آج مسلمان جس دور سے گذر رہے ہیں اور ان کے سامنے جو مسائل ہیں انہیں حل کرنے کے لئے اور ان کے اندر اطمینان کی فضا قائم کرنے کے لئے ایک ایسا کنونشن منعقد ہو جس میں مسلمانوں کے تمام طبقے کے علاوہ غیر مسلموں کے لئے بھی ایسے افراد مدعو کئے جائیں، جو صاف ذہن اور کشادہ دل کے مالک ہیں۔

اس دوران میں کچھ دوسرے دردمند حضرات نے مسلمانوں کی نمائندہ مجلس بلانے کا فیصلہ کیا اور اس میں جمعیۃ العلماء کو بھی شرکت کی دعوت دی —— چنانچہ جمعیۃ العلماء کے ورکنگ صدر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور جنرل سکریٹری مولانا اسعد مدنی صاحب کی قیادت میں جمعیۃ العلماء کا ایک وفد اس میں شریک بھی رہا —— اور یہ مجلس جتنی کامیاب رہی اور اس نے پورے ملک میں اتحاد، دوستی اور امن و محبت کی جو فضا قائم کی وہ اب کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مجلس مشاورت کے سامنے جمعیۃ العلماء کا جمہوری کنونشن بلانے کی بھی تجویز پیش ہوئی اور مجلس میں شریک تمام حضرات نے نہایت ہی خندہ پیشانی سے اس خیال کا اتفاق کیا اور اس سے بھرپور تعاون کی تجویز پاس کی —— اس لئے کہ مجلس کے نزدیک ایسی کانفرنس ملک میں پھیلے ہوئے فرقہ پردری کے سیلاب اور انتشار و مایوسی کی فضا کو ختم کرنے کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ مجلس مشاورت کے ارکان تو اس کے بعد اپنے دورے پر نکل کھڑے ہوئے اور ملک میں پھیلی ہوئی بے چینی اور لاقانونیت کے سیلاب کو روکنے کا مقدس فرض انجام دینے میں لگ گئے —— اُدھر جمہوری کنونشن کی تیاریاں بھی ہوتی رہیں اور جب اس کے لئے مجلس استقبالیہ بنی اور اس کے صدر اور دوسرے ارکان کے ناموں کا اعلان ہوا —— اور پھر مجلس استقبالیہ کے ایک رکن نے زبان کھولی، تو اسی وقت ملک کے ایک بڑے سنجیدہ طبقے نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ اب اس کنونشن کی اصل حیثیت بدلتی جا رہی ہے اور اس نے غلط ہاتھوں میں پڑ کر اپنا راستہ بدل دیا ہے اکثر لوگوں نے برملا اس خدشہ کا اظہار بھی کیا۔ کئی بار کنونشن کا نام بدلا گیا۔ مخالفوں کے خدشہ کو دور کیا گیا اور آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کنونشن میں انہیں لوگوں کو مدعو کیا جائے، جنہوں نے نیشنلسٹ اور قوم پروری کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو، چاہے وہ اندر سے کتنے ہی زہریلے کیوں نہ ہوں مسلم لیگ، جماعت اسلامی اور اکثریت کی فرقہ پرور جماعتوں کو مدعو نہ کیا جائے۔ بہرحال ان جماعتوں کی غیر موجودگی میں کنونشن ہوا جس میں سب ملا کر [illegible] مسلم

اور ۱۳۰ مسلم اصحاب مدعو کئے گئے ۔ لیکن عجیب بات ہے کہ مدعوئین نے اس کی افادیت اور اہمیت کو قطعی نہیں سمجھا اور صرف تین سو مسلم اور تقریباً پچاس غیر مسلم اصحاب شریک ہوئے ۔

امن داان قائم کرنے والی کسی تنظیم یا کسی تحریک کو ایسی جگہ چلانے کے لئے جہاں مختلف فرقہ، مختلف عقیدہ اور مختلف نظریہ رکھنے والی جماعتیں ہوں ۔ یہ ضروری ہے کہ ان تمام جماعتوں کا تعاون حاصل کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جاتا ہے، تو چند جماعتیں جن سے تعصب برت کر علیحدگی اختیار کی جاتی ہے، آگے چل کر راہ کے روڑے بن جاتی ہیں ۔ مثال کے طور پر چین کو لے لیجئے ۔ مغربی ممالک نے آج تک اسے "ایک" ملک" بھی تسلیم نہیں کیا اور اسے عالمی ادارہ میں داخل ہونے سے روکے رہے ۔ لیکن وہی چین آج اپنی طاقت اور اپنی ترقی سے ان ممالک کی رات کی نیند حرام کئے ہوئے ہے ۔ اس لئے سب سے پہلے تو یہی اعتراض کی بات ہے کہ جو جماعتیں کہ جن کے خیال میں بدامنی، انتشار اور گروہ بندی کا باعث بنتی ہیں انہیں قطعی چھانٹ کر یہ کانفرنس منعقد ہوئی اور انہیں علیحدہ کرنے کے لئے چند ایسی جماعتوں کو بھی علیحدہ کرنا پڑا، جو حقیقی معنوں میں اتحاد اور امن قائم کرنے میں دوسری تمام جماعتوں سے ذرا بھی پیچھے نہیں ـــ ہماری مراد جماعت اسلامی اور مسلم لیگ سے ہے ۔ ان جماعتوں نے اب تک اپنے کسی قول یا فعل سے یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ ان کی موجودگی سے ملک میں بدامنی یا انتشار پھیل رہا ہو ـــ لیکن صرف اس وجہ سے کہ ان کے نام ایک خاص مذہب سے وابستہ ہیں ۔ انہیں ان جماعتوں کی صف میں کھڑا کیا گیا، جو ملک کو جہنم کی طرف لے جا رہی ہیں ۔ ہندو مہاسبھا کے لیڈروں کی تقریریں اور تحریر جن سنگھ کے گرو کے قول اور فعل اور آر۔ ایس۔ ایس کی فوجی تنظیم آج بھی اُن سب نگاہوں میں کھٹکتی ہے جن میں بینائی موجود ہے ـــ لیکن ان کی حرکتوں اور ان کے طرز عمل پر پردہ ڈالنے کے لئے اور ان کے عیوب چھپانے کے لئے مسلمانوں کے درمیان سے بھی دو جماعتیں چُن لی گئی ہیں اور انہیں ہوّا بنا کر پورے ملک میں پیش کیا گیا ۔ اس تحریک کو چلانے اور آگے بڑھانے میں ہمارے آنجہانی وزیر اعظم بھی پیش پیش رہے اور اس کے وہ افراد جو اندھی تقلید کے عادی ہیں ۔ آج بھی وہی راگ آلاپ رہے ہیں، جو نہ صرف فرسودہ بلکہ مہمل اور غلط بھی ہے ۔ کسی طرح سازش کر کے مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کو تو کنونشن سے علیحدہ کر دیا گیا لیکن اکثریتی طبقہ کی فرقہ پرور جماعتوں کی نمائندگی ـــ خود کو سب سے زیادہ قوم پرور ثابت کرنے والی جماعت کانگریس کے رہنماؤں نے کی ـــ اور ان کی لیڈری کا سہرا مرارجی ڈیسائی کے سر باندھا گیا، جسے انہوں نے بہت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا ۔ ان کی تقریر کا رنگ، ان کے تیور اور ان کا انداز ٹھیک گرو گوالکر کا تھا ۔ پوری تقریر کے دوران ایسا محسوس ہوتا رہا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے آئے ہیں جسے وہ سالہا سال سے دبائے بیٹھے تھے ۔ جہاں تک ہو سکا انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کی بیہودہ الزام

لگائے اور کنونشن کی پوری فضا کو مکدر کر کے چھوڑ دیا ـ پھر بھی ان کی تقریر کو ہم نظر انداز کرتے ہیں اس لئے کہ وزارت عظمیٰ کا خواب دیکھنے والا اپنے صحیح شکل وصورت میں سامنے آگیا ؎

میں خوش ہوا جو آپ نے دیں مجھ کو گالیاں
اچھا ہوا غبار تو دل کا نکل گیا

لیکن افسوس معلوم ہوتا ہے منتظمین پر ۔ جنہوں نے آج تک ان افراد کو نہیں پہچانا، جو کانگریس میں رہ کر بھی فرقہ پروروں کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ اتنا سب کچھ سن کر بھی پوری مجلس سے ایک شخص بھی ایسا نہیں اٹھا، جو ان کی باتوں کی تردید کرتا اور ان کے الفاظ ان کے منھ پر دے مارتا یہ فرض بھی پورا کرنے کے لئے وہی ضعیف اور نحیف شخص اٹھا، جو مجلس مشاورت کا داعی تھا ۔ ضرورت اس کی تھی کہ کنونشن منعقد کرنے والے مرارجی ڈیسائی کو اسی ہال میں بتا دیتے کہ ملک میں ہونے والے شرمناک واقعات کے ذمہ دار مسلمان نہیں بلکہ آپ اور آپ جیسی ذہنیت کے مالک دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اوپر سیکولر لبادہ ڈال رکھا ہے ۔

ان حضرات کو چھوڑ کر جو صاف ذہن رکھتے ہیں اور آئے دن اپنی تقریروں اور تحریروں میں کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں ۔ کسی نے کوئی ہمت افزا تقریر نہ کی اور نہ کوئی زوردار تجویز پاس ہوئی ۔ کنونشن کی پوری کارروائی اور اس کا پس منظر دیکھ کر اگر کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے کہ جب مجلس مشاورت نے اپنا کام پورے خلوص سے شروع کر دیا ہے اور اپنے دائرہ عمل کو اس طرح بڑھایا ہے کہ اس کے اندر مسلم اور غیر مسلم سبھی مل کر کام کر سکتے ہیں اور آج پورے ملک سے ہر طبقہ کے لوگوں کی حمایت اس کو حاصل ہے تو پھر یہ کنونشن بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی ـــ؟ تو بے جا نہ ہوگا ۔ پتہ نہیں خواہ مخواہ مسلمانوں کو برا بھلا کہلا کر کنونشن بلانے والوں کو کیا مل گیا اور اگر واقعی انہیں مسلمانوں سے ہمدردی تھی، تو انہوں نے رجعت پسند طاقتوں کا بھرپور جواب کیوں نہیں دیا؟ یہ سوالات ایسے نہیں ہیں جن کو آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے ۔

اگر اس کنونشن کی وجہ سے مجلس مشاورت کے کاموں میں کسی قسم کی رکاوٹ ہوئی یا اس پر برا اثر پڑا تو اس کی پوری ذمہ داری کنونشن بلانے والوں پر ہوگی ـــــ اور تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی ـ

(ادارہ)

مقالہ

(از جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواروی مدظلہ)

جو ۲۷ دسمبر کو تقریب افتتاح عمارت جدید کتب خانہ مجیبیہ بدریہ (پھلواری شریف) میں حضرات اہل علم، و مشائخ اور اعیان ملک و قوم کے بہت بڑے اجتماع میں پڑھا گیا۔ ———————— (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والسلام علی سیدنا محمد ن المصطفیٰ وعلی آلہ وصحبہ الذین اصطفیٰ

امابعد

ماقصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ۔۔۔ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

پھلواری شریف، اپنی قدامت کے لحاظ سے ہزاروں سال قبل کی تاریخ دہراتی ہے۔ اس کی قدامت و عظمت، صوبہ کے صدر مقام پٹنہ کی قدامت و اہمیت کے دوش بدوش ہے۔

پرانی تحریریں اور معتبر روایتیں بتاتی ہیں کہ راجہ اشوک کی راجدھانی پاٹلی پتر کا یہ ایک حصہ تھا اور راجہ کے باغ اور چمنستان ہونے کی وجہ سے پھلواری کہا جاتا تھا ـــ یہ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔

اس کے بعد تقریباً ہزار سال سے یہاں انسانی آبادی شروع ہوئی۔ انسانوں کی پہلی آبادی فقرائے ہنود اور سناتن دھرم لوگوں سے شروع ہوئی۔

اس کے عرصہ کے بعد فقرائے اسلام یہاں آباد ہوئے اور اس کو اپنا مسکن بنایا۔ اسلامی آبادی کی ابتدا کو بھی سات آٹھ سو سال ہو گئے۔

یہاں آباد ہونے والے اہل اللہ اور درویش، باخدا انسانوں نے اپنے فیض قدم سے پھلواری کو وہ سرسبزی و شادابی عطا کی کہ یہ اہل کمال کا خیابان بن گیا۔ اہل فضل اور صاحبدلوں کی پھلواری ثابت ہوئی۔ اور پھر اس سرزمین سے ایسی ایسی باکمال اور یکتائے روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں اور اہل دل و صاحب سوز و عشق ہستیاں اٹھیں جو اپنی مثال آپ تھیں۔

خوب بستی ہے قصبہ پھلواری ۔۔۔ سوز و عشق اس مکان کی اٹھتا ہے
ہے وہ عشاق تیز جا کہ مدام ۔۔۔ درد مندانہ یہاں سے اٹھتا ہے

تفصیل کا موقع نہیں ایکر بھی اتنا عرض کرنا پڑے گا کہ اس قصبہ کی مردم خیزی کا یہ حال رہا کہ گذشتہ چند صدیوں میں ایک طرف علماء، صوفیا، محدثین اور اہل نسبت یہاں پیدا ہوئے تو دوسری طرف عہدہ داران حکومت، قاضی القضاۃ، مفتی، حکماء، اُدبا، شعراء، اور ارباب سیاست جیسی شخصیتیں اس سرزمین سے اٹھیں جن کی مجموعی تعداد ڈھائی سو کے قریب بیان کی جاتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پھلواری کی درویش با خدا شخصیتوں نے اپنے علم و عمل اور دوسری مفید صلاحیتوں سے لوگوں کو روشنی بخشی اور ان کی رہبری و قیادت کی تو دوسری طرف اپنے اخلاقی قدروں اور روحانی برکتوں سے انسانیت کی تکمیل کی۔ اس حقیقت کا اعتراف سب کو ہے، اجمالاً چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

کانگریس کے سترہویں سالانہ اجلاس (منعقدہ پٹنہ جنوری ۱۹۱۲ء) کے خطبہ استقبالیہ میں مسٹر جگجیون رام (صدر مجلس استقبالیہ) کہتے ہیں "پاٹلی پتر ایک پرانا شہر ہے جس کا نام لال رنگ پھول پاٹل کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اور بعد میں اپنے خیابانوں اور گلستانوں کی وجہ کر کسم پور یعنی پھولوں کا شہر کہلایا۔ اور اب ان خیابانوں اور گلستانوں کی اکلوتی یادگار قصبہ پھلواری شریف کی شکل میں موجود ہے۔" پھر آگے چل کر کہتے ہیں، "جہاں سے مسلم درویشوں اور صوفیوں نے انسانیت کے اتحاد اور روحانیت کی ہمہ گیری کا پیغام دیا۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں سے نئے خیالات، نئے تصورات، نئے معتقدات کی مختلف لہریں اٹھیں اور روحانیت کا ایسا دھارا بن گئیں جنہوں نے انسانیت کو عرش کی بلندی کی طرف اُچھالا۔"

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ یادِ رفتگاں میں فرماتے ہیں:۔

پھلواری، پٹنہ سے چند میل پچھم ایک مردم خیز قصبہ ہے جو صدیوں سے اس صوبہ کا علمی اور مذہبی مرکز ہے۔ یہاں خانقاہ مجیبی قائم ہے جہاں ظاہر و باطن اور علم و عمل دونوں کے سرچشمے آکر ملتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں۔ "حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے ملفوظات میں اس خاندان کے معاصر شیخ[1] کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے۔ مولانا شاہ اسمعیل شہید نے اپنے سفر بہار و بنگال میں اس خانقاہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا ہے۔" یہ انہوں کے علاوہ دوسروں کے بیانات ہیں جن سے واضح ہے کہ آج سے یا دور خلافت یا امارت سے نہیں بلکہ صدیوں قبل سے پورے صوبہ بہار میں پھلواری کو تاریخی اور مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں کے بزرگوں نے اپنی درویشانہ شان کو باقی رکھتے ہوئے علمی خدمات اور علمی کارنامے پیش کئے، ملک و قوم کی مذہبی اور سیاسی نگرانی و قیادت کی، انگریزی حکومت سے پہلے مسلمانوں کے دور حکومت میں یہاں کے علماء، قاضی اور مفتی ہوا کرتے تھے۔ ملک و ملت کی ہدایت و رہبری کے ذمہ دار ہوتے رہے۔ پھر انگریزی دور میں انقلابی تحریک اور خلافت موومنٹ میں اس سرزمین کے علماء و فضلاء کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ خاص کر خانقاہ مجیبی کے بوریہ نشین درویشوں نے تحریک آزادی کے سلسلہ میں وہ کارنمایاں کئے کہ ہندوستان کے دوسرے خانوادوں میں اس کی مثال مشکل سے ملیگی (اسی خانقاہ کی ایک درویش با خدا، فانی فی اللہ بزرگ شخصیت کا واقعہ ہے کہ ان کے علمی و عملی کارناموں اور پرسکون و خاموش تبلیغی و اصلاحی خدمات سے متاثر ہو کر حکومت انگلشیہ نے شمس العلماء کا خطاب ان کی خدمت میں پیش کیا لیکن ماسوی اللہ سے ترک کرنے والی اس شخصیت کو حکومت کے اس اعزاز و اکرام

---

[1] اس سے مراد حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ ہیں۔

سے کلفت لوازکر رہا۔ (جس کا اظہار اپنے بعض خطوط میں فرمایا ہے) بالآخر کچھ دنوں کے بعد آلائش دنیاوی سے مُبرّا اس بزرگ ذات نے اپنی رنجش و بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے شمس العلماء کا خطاب حکومت انگریزی کو واپس کیا اور زبان حال سے فرمادیا ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ ۔ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

یہ واقعہ حضرت غوث وقت سید الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین قادری قدس اللہ سرہٗ کا ہے جن کے دیدار سے مشرف ہونے والی آنکھیں آج بھی موجود ہیں اور جن کے دامن فیض و عقیدت سے وابستہ حضرات اس محفل میں بھی ہیں۔ اور اسی خانقاہ کے سجادہ و بدیہ پر بیٹھنے والی ایک عاقبت اندیش اور حقیقت بین ذات تھی جس نے حالات کے اعتبار سے اس سرزمین میں ملک کے اصلاحی و سماجی کاموں کا پہلی بار بیڑا اٹھایا۔ امارت قائم ہونے سے ڈیڑھ دو سال قبل سنہ ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں پھلواری شریف میں محکمہ قضا نام کا ایک ادارہ قائم کیا تاکہ مسلمانوں کے مقدمات، انگریزی حکومت کی عدالتوں میں جانے کے بجائے یہاں سے فیصل ہوا کریں۔ ایسی جامع اور مکمل شخصیت اگر ایک طرف قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف تحریک آزادی کے علمبرداروں میں شامل ہی نہیں بلکہ پیش پیش ہیں۔ علم کی فضیلت نہ اس راہ میں مانع ہوئی نہ طریقت کی عظمت حائل ہوسکی۔ بلکہ تمام فضیلت و مرتبت اور عزت و وقار کے ساتھ کبھی خلافت کانفرنس آرہ کے منصب صدارت سے مجاہدانہ تقریر فرما رہے ہیں اور کبھی اجلاس جمعیۃ علماء بہار (دربھنگہ) کی کرسی صدارت سے جوش و ولولہ سے بھرپور مقالہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ بعض شعلہ بار تقریریں، حکومت وقت کی ناگواری کا باعث بن کر پروانہ گرفتاری کی آمد کی خبر بھی لائیں، لیکن نہ پیشانی مبارک پر کوئی بل آیا، نہ جوش عمل میں کوئی فرق۔

اپنی تقریروں اور بیانات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں تحریک آزادی کی روح پھونکنے والی یہ ذات امام وقت حضرت محی الملۃ والدین مولانا شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ کی تھی۔ تحریک آزادی کے باب کے خاتمہ پر سنہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی آزادی کا اعلان امروز فردا میں ہونے والا تھا کہ اس عظیم المرتبت شخصیت نے دنیا سے سفر آخرت اختیار کیا اور واصل بحق ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیات مستعار کو حصول آزادی کا انتظار تھا۔ اس طرح بعد کی نسلوں پر احسان عظیم کرگئے ؎

اللہ! اُن کا اور بھی رتبہ بلند ہو

یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے فیوض و برکات آج بھی جاری ہیں اور برابر ہی جاری رہیں گے۔ درحقیقت ان بزرگوں نے اپنے عمل و کردار سے وہ نقوش و آثار چھوڑے ہیں جن کی اتباع بعد کی امتوں کی اصلاح و ہدایت کا بہترین ذریعہ ہے۔

پھلواری کی اس خاک پاک نے دیکھا جائے تو کتنی کتنی معظم ہستیاں پیدا کیں، کیسے کیسے اللہ کے مقرب اور مقبول بندے اس خطۂ زمین سے اٹھے، اور ان سب کا تفصیلی بیان ممکن ہے اور نہ محض نشاندہی، کیوں کہ اس بحر مواج سے گوہر نکالنا اپنے ہمت و حوصلہ سے باہر کی بات ہے۔ لہٰذا کہنا پڑیگا کہ ع

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

رہی پھلواری کی افادیت اور اس کی علمی و دینی عظمت تو اس کا اعتراف ہر دور میں وقت کے معاصر اکابر اسلام کرتے رہے ہیں۔ مولانا اسماعیل دہلوی کا پھلواری آنا اور اوپر کے ایک حوالہ سے معلوم ہوا۔ مولانا دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کے رفقاء نے جن میں سید احمد شہید بریلویؒ بھی شامل تھے، قریباً پورے ہندوستان کا سفر اصلاح و تبلیغ کی غرض سے کیا تھا۔ چنانچہ پھلواری تشریف لائے تو حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کا عہد حیات تھا۔

حضرت فرد الاولیا مولانا شاہ ابوالحسن فرد قادری قدس سرہ سے مکالمہ ہوا۔ وقت کے اہم مباحث پر گفتگو ہوئی، اور یہ حضرات پھلواری کے بزرگوں کے علمی مراتب اور فضائل و کمالات کے معترف ہو کر واپس گئے۔ اسی طرح علمائے فرنگی محل لکھنؤ کے گویا مورث حضرت ملا عبد العلی بحر العلوم بھی پھلواری تشریف لائے ہیں اور حضرت ملا وحید الحق ابدالی اور ان کے صاحبزادے حضرت سید العلما مولانا احمدی قادری پھلواروی قدس سرہم کی علمی و درسی صلاحیت کا اعتراف کیا۔ ملک کے مشہور فارسی شاعر راسخ عظیم آبادی کو حضرت فرد الاولیا مخدوم شاہ ابوالحسن فرد قادری قدس سرہ سے عقیدت مندی اور ایک حد تک اصلاح سخن کی سعادت حاصل تھی۔ چنانچہ حضرت راسخ کا خط حضرت فرد الاولیا کے نام لبطور یادگار موجود ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ملک فارس کے مشہور شاعر تجر طہرانی بھی پھلواری آئے ہیں۔ اور مولانا غلام امام شہید صاحب مولود شہیدی) بھی پھلواری تشریف لائے۔ اور یہاں کے بزرگوں کو اپنا پر کیف مولود بھی سنایا ہے۔

اس آخر دور میں جس کے دیکھنے والے ابھی موجود ہوں گے، خلافت موومنٹ کے زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی مولانا شوکت علی اور مہاتما گاندھی جی بھی یہاں آچکے ہیں اور اس خانقاہ کی جانب سے ان کی ضیافت کی گئی ہے۔

اس طرح کے واقعات بہت ہیں۔ جو اس خطہ کی اہمیت و ندرت کو اجاگر کرتے ہیں جس کو بہت حد تک لوگ جانتے بھی ہیں۔ اب دیکھئے کہ پھلواری کے اکابر و بزرگان نے اپنے تمام دوسرے مشاغل کے ساتھ اپنے علمی اشتغال کو کس طرح قائم رکھا؟ علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ نے حضرت اقدس بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ کے تذکرہ میں لکھا ہے " ان کی نشست گاہ ایک کتب خانہ تھی۔ ان کے چاروں طرف کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا۔ اور اس کے بیچ میں یہ زندہ کتب خانہ جلوہ افروز رہا کرتا تھا"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے تمام مشاغل کے رہتے ہوئے مطالعہ اور کتب بینی کے ساتھ ان بزرگوں کا کیا لگاؤ تھا؟ ہر دور میں یہاں کے بزرگوں نے تدریس اور علمی اشتغال رکھے ہیں۔ فتاویٰ و مسائل کے لئے شروع سے پھلواری، اہل بہار کا مرکز و مرجع رہی۔ ظاہر ہے کہ یہ علمی امور ایسے ہیں جن کے لئے کتابوں خصوصاً اہم اور نادر کتابوں کی تلاش رہتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر یہاں پھلواری کا ہر گھر ایک درسگاہ تھا جہاں باہر کے طلبہ قیام کر کے علم و فضل کی تحصیل کرتے تھے تو تقریباً ہر گھر میں ایک چھوٹا کتب خانہ بھی تھا۔ حالات اور امتداد زمانہ نے تمام قدیم مقامات کے نوادر کو ختم کر دیا ہے تو کوئی تعجب نہیں اگر یہاں کی نادر کتابیں اور کتب خانے بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہے ہوں۔ پھر بھی لائق ذکر کتب خانے جو پھلواری میں عہد قدیم میں تھے اور بعض کسی نہ کسی شکل میں اب تک موجود ہیں ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی (جو فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں ہیں) اور ان کے بنی اعمام حضرت محبوب رب العالمین خواجہ عماد الدین قلندر قدس اللہ سرہما کا کتب خانہ، اگلے دور میں نادر کتب خانہ شمار کیا جاتا تھا۔ بعد میں حضرت خواجہ کا کتب خانہ الگ ہو گیا اور حضرت ملا فصیح الدین کا الگ! چنانچہ حضرت خواجہ کا کتب خانہ اب ان کے احفاد و جانشینوں کے ذریعہ خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی میں حضرت مولانا شاہ صبیح الحق صاحب عمادی مدظلہ کی تولیت و نگرانی میں ہے۔ اور حضرت ملا فصیح الدین جعفری کا کتب خانہ سنگی مسجد میں رہا جو بعد میں حضرت مولانا عبد الغنی پھلواروی کے پاس آ گیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کی کتابیں خاندان میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت شاہ رشید الحق پھلواروی اور حضرت مولانا قاضی نور الحسن پھلواروی علیہ الرحمہ تک پہنچیں۔

دوسرا کتب خانہ حضرت مخدوم سید منہاج الدین راستی (خلیفہ شیخ الاسلام مخدوم شرف الدین بہاری قدس اللہ سرہ) کے خاندان کا تھا۔

پھلواری میں حضرت قاضی مخدوم عالم راستی پھلواروی تک پہنچا۔ اور ان کے بعد خاندانی حیثیت سے حضرت مولانا تمنا عمادی مدظلہ کو ملا۔ مولانا موصوف نے پاکستان جانے کے وقت اس کا زیادہ حصہ خانقاہ سلیمانیہ کے کتب خانہ میں دیدیا اور کچھ تھوڑی کتابیں خانقاہ مجیبیہ کے کتب خانہ میں عنایت فرمائیں۔ اور جہاں تک ممکن ہوا وہ کتابیں اپنے ساتھ بھی لے گئے۔ تیسرا مشہور کتب خانہ حضرت مولانا حکیم احمد اشرف علیہ الرحمہ (مورث و جد بزرگوار حضرت مولانا حکیم محمد شعیب نیر پھلواروی) کا تھا جو بعد میں ان کے دو صاحبزادے حضرت مولوی احمد یعقوب علیہ الرحمہ اور مولوی محمد وحید علیہ الرحمہ کو تقسیم ہو کر ملا۔ دوسرا حصہ بعد میں حضرت مولانا عبد الغنی پھلواروی کے کتب خانہ میں شامل ہو گیا۔ اور پہلا حضرت احمد یعقوبؒ کے خاندان میں وراثۃً منتقل ہوتا رہا۔ سنہ ۱۳۱۳ھ میں قضائے الٰہی سے نذر آتش ہوا۔ جو کتابیں جلنے سے بچ رہیں وہ کتابیں حضرت مولانا تاج الدین احمد تمنوی نے حضرت فیاض المسلمین قدس سرہٗ کو ہبہ کردیں اور کچھ اپنے پاس رکھیں۔ اس کتب خانہ کی کچھ یادگار کتابیں اس خاندان میں مولانا شاہ عز الدین صاحب زید مجدہ کے ذاتی لائبریری میں بھی موجود ہیں۔ ان تینوں اہم کتب خانوں کے علاوہ ایک قابل ذکر کتب خانہ مولانا علی اعظم پھلواروی علیہ الرحمہ کا بھی تھا۔ یہ وہ قابل ذکر کتب خانے ہیں جن کی نشاندہی بزرگوں نے کی اور بعض قدیم کتابوں کے علامات و نشانات سے جن کا پتہ ملا۔ اس کے علاوہ اہل علم اور صاحب فضل حضرات کے اس قصبہ میں تقریباً ہر گھر میں کم و بیش سیکڑوں کتابیں رہا کرتی تھیں جو بجائے خود چھوٹے چھوٹے کتب خانے کہے جانے کے قابل تھے۔ چنانچہ ان ہی میں ایک چھوٹا کتب خانہ اس وقت خانقاہ سلیمانیہ میں حضرت مولانا شاہ غلام حسنین صاحب چشتی مدظلہ کے پاس بھی موجود ہے۔

لیکن ان باتوں کے باوجود یہ صحیح ہے کہ جس طرح صوبہ بہار کی مرکزیت پھلواری کو حاصل ہے اور پھلواری کی مرکزیت خانقاہ مجیبی کو حاصل رہی۔ بلکہ آستانہ پیر مجیب رضی اللہ عنہ کے فیض سے یہاں کا ہر خانوادہ متمتع ہوتا رہا۔ اسی طرح خانقاہ مجیبی جیسے مرکزی مقام کو یہ خصوصیت بھی حاصل رہی کہ پھلواری کے ان تمام متفرق کتب خانوں کے بعد ایک اہم اور جامع کتب خانہ خانقاہ مجیبی میں تقریباً ڈھائی تین سو سال سے موجود ہے۔ اس کی ابتدا اگرچہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری رضی اللہ عنہ کے عہد سے ہوئی۔ لیکن اس میں بہت سی قلمی کتابیں اس عہد سے بہت پہلے کی لکھی ہیں۔

یہ کتب خانہ مجیبیہ حضرت تاج العارفین کے عہد سے اب تک ہر صاحب سجادہ کے دور میں ان کی توجہ و عنایت سے فروغ پاتا رہا۔ اور ہر ایک بزرگ نے اپنے زمانہ میں اس میں اضافہ فرمایا۔ سب سے زیادہ اہم اضافہ حضرت اقدس بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہٗ نے اپنے زمانہ میں اس میں فرمایا۔ آپ نے اپنی طرف سے بیش بہا کتابیں منگوا کر بہت کثیر تعداد میں کتب خانہ میں داخل کیں۔ دوسری جگہوں سے مختلف ذرائع سے قلمی اور نایاب کتابیں منگوا کر ان کی نقلیں کرائیں۔ اس طرح آپ کی ذات سے ایک دوسرا مکمل کتب خانہ تیار ہو گیا جس کو موجودہ صاحب سجادہ حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ صاحب قادری مدظلہ نے قدیم کتب خانہ میں ضم کر کے "کتب خانہ مجیبیہ بدریہ" نام رکھ دیا ہے۔

اس کتب خانہ کی قدامت اور ندرت کے باوجود اس کے لئے یہ حسرت کی بات تھی کہ کتب خانہ کی اپنی کوئی عمارت نہ تھی۔ خانقاہ مجیبیہ کے ایک اندرونی حصہ سے کتب خانہ کا کام اب تک لیا جاتا رہا۔ کتب خانہ کی اپنی عمارت بننے کی خواہش حضرت اقدس بدر الکاملین قدس اللہ سرہٗ کو بہت رہی اور بعد میں حضرت اقدس محی الملۃ والدین قدس اللہ سرہٗ بھی اس کے بہت خواہاں رہے۔ لیکن اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لئے ان بزرگوں کے عہد میں یہ کام نہ ہو سکا۔

اب جناب حضور مولانا شاہ محمد امان اللہ صاحب قادری مدظلہ نے ہمت و توجہ فرمائی، منظوری بھی ہو گئی تھی چنانچہ بہت جلد کتب خانہ کی نئی عمارت مکمل ہو گئی۔ جس میں تمام کتب بھی منتقل کر دی گئیں۔ لیکن الحمد للہ کہ کتابیں اتنی زیادہ ہیں کہ نئی عمارت کی دو منزل بھی ان تمام کے لئے کافی نہ ہو سکی۔ مجبوراً مطبوعات عربی و فارسی اور قلمی کتابوں کو نئی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اور مطبوعات اردو کو ابھی اپنے سابق مقام پر رہنے دیا گیا ہے۔

باوجود انتہائی کوشش کے، تمام کتابوں کی مکمل فہرست ابتک تیار نہ ہو سکی۔ جس سے کتابوں کی تعداد کا صحیح اندازہ کیا جاتا۔ پھر بھی جہاں تک فہرست لکھی گئی ہے اس سے تخمینہ کیا جاتا ہے کہ عربی فارسی اردو اور ہر زبان کی قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی جملہ تعداد ۸ یا ۱۰ ہزار سے کم نہ ہو گی — یہ ایک اندازہ اور تخمینہ ہے۔ ورنہ بالکل صحیح بات تکمیل فہرست کے بعد ہی کہی جاسکتی ہے۔

بہر حال اس وقت کتب خانہ مجیبیہ کی نئی عمارت مکمل ہو چکی ہے اس لئے وقت آ گیا تھا کہ اس کی افتتاحی تقریب انجام دیدی جائے۔ چنانچہ اسی لئے آپ حضرات کو تکلیف دی گئی ہے۔ آپ خود چل کر افتتاحی رسم میں شریک ہوں اور کتابوں کا معائنہ کر کے اندازہ لگائیں کہ یہاں کے بزرگوں نے اس علمی اور نادر سرمایہ کو کتنی محنت و جانکاہی سے جمع کیا اور کس قدر حفاظت و صیانت سے ابتک اس کو صحیح و درست حالت میں باقی رکھتے چلے آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس کتب خانہ کے بقاء و تحفظ میں یہاں کے اکابر و اسلاف کا جتنا حصہ ہے، بلا شبہ ہمت و توجہ کے لحاظ سے اس سے کم حصہ موجودہ صاحب سجادہ حضور شاہ محمد امان اللہ صاحب مدظلہ کا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ہی کے عہد میں آپ کی توجہ و عنایت سے اس کی نئی عمارت مکمل ہوئی۔ اور آپ برابر اس میں نئی نئی کتابوں کا اضافہ فرما رہے ہیں۔

یہ آستانہ مجیبیہ اور اس کے تبرکات و آثار، کتب خانہ مجیبیہ اور اس کا نادر علمی سرمایہ، سب کی رونق آپ کی ذات سے قائم ہے۔ سب آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہیں، اس لئے خدا وند قدوس آپ کے عہد میں ترقی و فروغ عطا فرمائے۔ اور آپ کے وجود کو ہر طرح کی برکتوں سے نوازے تاکہ آپ سے وابستہ تمام چیزیں ترقی و رونق کے ساتھ قائم رہیں ؎

باشد چو زدیوانہ آبادی کوئے زلف　　　　زلف تو و ایں فرد دیوانہ سلامت باد

دعا ہے کہ آستانہ مجیبیہ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ملک و ملت کے لئے فیض رساں رہے اور ہمیشہ اس کی برکتیں اور فیوض جاری رہیں ع

تا ہست جہاں بزم تو اندازہ سلامت باد

آخر میں عرض ہے کہ کتب خانہ کی نئی عمارت مکمل ہو جانے اور اس میں کتابوں کے منتقل ہو جانے سے کتب خانہ کا کام ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اسکے آگے عمارت پیش نظر اس سلسلہ میں کیا کیا کام ہیں؟ اس کو ان چند نمبروں میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۔ کتب خانہ کی عمارت میں مزید توسیع کرنا۔ تاکہ مکمل طور پر تمام کتابیں اس میں رکھنے کی گنجائش ہو سکے۔

۲۔ تمام کتب کی مکمل فہرست [illegible] کرنا۔

۳۔ مرمت طلب کتب [illegible] کی جلد سازی کا مکمل انتظام کرنا۔

[illegible] ۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں وقت لگے گا اس لئے بتدریج

[illegible] ساتھ ان تینوں امور کی انجام دہی کے لئے سرمایہ کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ جس پروردگار نے اپنے فضل وکرم سے اتنا سامان کردیا کہ آج [illegible] ہو رہا ہے اسی پر توکل و بھروسہ ہے کہ ان باقی امور کو بھی انجام تک پہنچانے کا سامان مہیا فرمائے گا۔

[illegible] اس آستانہ کے بزرگوں کا اصلی سرمایہ رہا ہے۔ ہمیں بھی اسی پر عمل کرنا ہے ع خواجہ بیر سامان ست ارباب توکل را

دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف میں سالانہ امتحان اور تعطیل کلاں :-

۱۲ و ۱۳ شعبان، دارالعلوم کے طلبہ کے سالانہ امتحانات کی تاریخیں رکھی گئی ہیں۔ ان تاریخوں میں دارالعلوم کے تمام درجے عربی اور ابتدائی اور درجات حفظ کے امتحانات، جناب مولانا سید صدر الحق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی زیر نگرانی انجام پائیں گے۔ اور اس کے بعد ہی دارالعلوم میں رمضان کی تعطیل کلاں ہو جائے گی۔ ۱۲ شوال تک کے لئے مکمل رخصت ہو جائے گی۔

نیلم شاہ نظامی کو حادثات :-

جناب عبدالقادر بنگالی عرف نیلم شاہ نظامی کے نوجوان داماد نے ابھی ۲۰ روز قبل ایک اتفاقی حادثہ میں انتقال کیا۔ اور اس کے ۲۵ روز بعد نیلم شاہ کی اہلیہ محترمہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ان پیہم سنگین حادثات پر ادارۂ المجیب موصوف کو کلمۂ تعزیت پیش کرتا ہے اور ان کے غم میں اپنے کو شریک تصور کرتا ہے۔ موصوف کے لئے یہ سخت آزمائش کا وقت ہے۔ خدائے پاک انہیں اس میں پورا اتارے ع جانچ ہوتی ہے ان ہی کی جن پر مہربان ہے کرم۔ دعا ہے کہ موصوف کو پروردگار صبر جمیل فرمائے۔ اور مرحومین کو مغفرت و رحمت سے سرفراز کرے۔

چاند کی اطلاع ـــــ ماہ شعبان ۱۳۸۴ھ

۲۹ رجب شنبہ کو پھلواری شریف میں چاند دیکھا گیا اگرچہ چاند بہت باریک تھا لیکن اکثر لوگوں نے دیکھا۔ اس لئے یکم شعبان مطابق ۶ دسمبر روز یکشنبہ ہوئی۔ اور ۱۱ شعبان مطابق ۱۶ دسمبر روز چہارشنبہ ہوگی۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ

(از جناب مولانا محمد شفیع اللہ صاحب سہسرامی مجیبی)

قدوۃ السالکین شیخ ہارونی رحؒ جیسی کامل ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوا کرتی ہیں، آپ کی باعظمت و بلند پایہ شخصیت دنیائے اسلام میں اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ مزید کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی جلالت شان اور علو مرتبہ پر تمام ارباب کمال و اہل حقیقت متفق ہیں، آپ نے باطنی و روحانی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جیسی عظیم الشان اور بے مثال خدمات انجام دی ہیں ان کو عالم اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتا ذیل میں اکابر چشتیہ کی معتبر کتابوں، مسالک السالکین انیس الارواح، دلیل العارفین، انوار العاشقین وغیرہ کو ماخذ قرار دے کر آپ کا مختصر تذکرہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

آپ کا اسم مبارک عثمان رحؒ ہے، کنیت ابوالنور ہے، آپ نسباً سید تھے، نواحی نیشاپور میں ہارون۔ یا ہرون نامی ایک مردم خیز قصبہ ہے اسی مبارک قصبہ میں آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۵۲۶ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم و تربیت آپ نے اپنے وطن مالوف کے ہی کاملین علماء و صلحاء سے پائی، اور عہد طفولیت کا زیادہ وقت آپ نے اپنے مولد و مسکن ہی میں گذارا۔ بعد ازاں نیشاپور وغیرہ علمی مراکز میں پہنچے اور ائمہ علوم کے زیر تربیت رہکر حدیث، فقہ، تفسیر، کلام وغیرہ علوم و فنون میں آپ نے پوری پوری مہارت حاصل کر لی، علوم دینیہ میں آپ نے اس قدر فضل و کمال حاصل کر لیا کہ بہت جلد اپنے معاصر علماء و فضلاء سے ممتاز و فائق ہو گئے۔ اور علوم دینیہ کی ممارست و مہارت تامہ نے آپ کے قلب و دماغ کے روحانی قوی کو اس قدر شگفتہ اور روشن کر دیا کہ علوم متداولہ کی تکمیل سے فراغت پاتے ہی روحانی تعلیم و تربیت کیطرف متوجہ ہو گئے، باطنی و روحانی حقائق و معارف کا ذوق و شوق پیدا ہوا ہی تھا کہ حسن اتفاق سے اچانک حضرت چرک نامی مجذوب سے آپ کی ملاقات ہوئی، جن کی پاکیزہ صحبت سے آپ کے درد آشنا قلب میں وارفتگی کی والہانہ کیفیات رونما ہو گئیں۔

اسلاف کرام نے علوم و معارف کی تحصیل و تکمیل کے لئے دشت نوردی اور کوہ پیمائی کی تکلیفوں کو ہمیشہ سے عین راحت سمجھا ہے، اسی لئے وہ طلب اور راہ سلوک میں آنے والی تمام مشکلات کو بخوشی و خرمی کے ساتھ برداشت کرتے رہے ہیں، خواجہ ہارونی رحؒ نے بھی اسی سنت جاریہ کے مطابق علوم و معارف کی جستجو میں عرب و عجم کے مختلف علمی اور روحانی مراکز و مدارس کے متعدد سفر کئے اور انتہائی ذوق طلب کیساتھ جملہ علوم و فنون کا اکتساب فرمایا اور تمام [illegible] دیکھتے ہی دیکھتے آپ جلیل القدر عالم اور [illegible] [illegible] روشن ہو گئی [illegible]

[illegible]

[illegible] شیخ الاسلام خواجہ مودود چشتی رحؒ کی بابت [illegible]

[illegible] روحانی تربیت پائی اور انہی [illegible] سے

فرمائے اور آپ ہی کے دست مبارک پر بیعت بھی فرمائی، اور آپ ہی نے خرقۂ خلافت ومصلی بھی حضرت خواجہ ہارونیؒ کو مرحمت فرمایا۔

حضرت خواجہ ہارونیؒ نے اپنے مرشد کامل حضرت حاجی زندنیؒ کی زیر تربیت ولایت وعرفان کے مدارج عالیہ طے کرنے میں جو نمایاں کامیابی حاصل کی وہ خداوند قدوس کا ایک خصوصی عطیہ تھا، روحانیات وعرفانیات اور ولایت وحقیقت کے مراتب مقدسہ پر فائز المرام ہونے کے باعث آپ نہ صرف اپنے اقران وامثال میں ہی خلاق وممتاز ہوئے بلکہ اپنے مخصوص اوصاف ومحامد کے سبب دنیائے اسلام میں آپ کی باکمال وجامع شخصیت کی برا سان وعدیم المثال مانی جاتی ہے، حضرت خواجہ ہارونیؒ اگرچہ علوم ظاہری میں بھی نہایت بلند پایۂ عالم تھے، لیکن یہ کتابی اور رسمی علوم آپ کے سرمایۂ فخر وامتیاز نہ تھے، بلکہ آپ کا اصلی وحقیقی مقام عرفان وتقرب خداوندی ہے، کیونکہ حقائق ومعارف، اسرار ورموز اور روحانی نفحات وقدسی واصوات کے آپ مالک ومقتدا ہیں، اہل طریقت اور مشائخ حقیقت کے آپ امام ہیں۔

آپ کا عہد فیض مہد اسلامیات وعرفانیات کے عام شیوع کے لئے نہایت زریں وممتاز دور تھا، بلاد اسلامیہ بغداد، بخارا، سمرقند، وغیرہ علم وفضل کے مشہور ومقبول مراکز تھے جہاں دریائے علم وعرفان اور اسرار ورموز شریعت ہر طرف موجزن دکھائی دیتا تھا اسی مقدس دور کی ممتاز شخصیتوں میں شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، علامہ ابن جوزیؒ، شیخ نجم الدین کبریٰؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ مودود چشتیؒ وغیرہ وہ باکمال وبرگزیدہ اولیاء اللہ تھے جن کے باطنی کمالات وروحانی تصرفات کی دھوم چار دانگ عالم میں مچ رہی تھی، لیکن حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ اپنے مخصوص محاسن وکمالات کے باعث ان سب اولیاء اللہ میں ایک جداگانہ وممتاز مقام ومرتبہ پر فائز تھے۔

اخلاق

اخلاق :- حضرت خواجۂ ہارونیؒ نہایت خوش اخلاق اور حلیم الطبع بزرگ تھے، آپ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کی جاذبیت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ خواص وعوام پروانہ وار آپ کے گرد جمع رہتے تھے، سفر وحضر میں شب وروز گروہ در گروہ مخلوق آپ کی بافیض صحبت سے فیضیاب ہوتی تھی، چونکہ رب العالمین نے آپ کو تبلیغ اسلام کی خدمات تفویض فرمائی تھی، اور آپ کی زندگی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف تھی؛ اس لئے مختلف دیار وامصار کا آپ سفر اختیار فرماتے اثناء سفر میں بے شمار لوگ آپ کے دست حق پرست پر تائب ہوتے اور ہدایت واصلاح سے بہرہ یاب ہوتے تھے،

حضرت شیخ ہارونیؒ کی بلند پایہ شخصیت قرآنی تعلیمات کا مجسم نمونہ تھی، شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ کے آپ کامل متبع تھے، خداوند قدوس نے آپ کو روحانیات کا لازوال خزانہ عطا فرمایا تھا۔ اس نے اپنے اخلاق وکردار کی صداقتوں کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں ہر لحہ آپ منہمک رہا کرتے تھے۔

عبادت وریاضت

عبادت وریاضت :- خواجۂ ہارونیؒ کی ذات ستودہ صفات ... ما خلقت الجن الآیۃ کی مظہر اتم تھی آپ کی زندگی کا بہترین مشغلہ عبادت الٰہی تھا، مصروف ریاضت ومجاہدہ، عبادت ومراقبہ، ذکر وفکر میں محو ومستغرق رہا کرتے تھے، ریاضت کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ ستر سال تک نفس کو سیراب ہو کر پانی پینے نہیں دیا اور نہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا، فرمایا کرتے تھے کہ اس فقیر پر افسوس ہے جو رات کو خوب سوئے اور دن کو خورد ونوش میں لگا رہے اور اور پھر بھی درویش کہلاتے، شب بیداری کا یہ عالم تھا کہ ساری کی ساری رات پلک سے پلک نہیں ملتی تھی، آپ کی غیر معمولی ریاضت ومجاہدہ نے بڑے بڑے زاہد ومرتاض مجاہدہ کرنے والے درویشوں کو بھی محو حیرت بنا دیا تھا، قائم اللیل ہونے کے ساتھ آپ صائم النہار بھی تھے۔

جانشینی :- خداوند قدوس نے حضرت شیخ ہارونیؒ کو اپنے بندوں کی ہدایت واصلاح کا منصب عالی عطا فرمایا تھا، اسی لئے امیر وکبیر وزیر وبادشاہ

اور غرباء بے سہارا ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی دینی اصلاح و فلاح کے لئے بھی اور دنیاوی حاجات برآری کے لئے بھی ہر وقت آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے مگر اس کے باوجود زر و مال، عیش و تنعم کے جانب سے قناعت و بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی سلاطین و امراء سے زمانہ کا احسان مند ہونا گوارا نہیں فرمایا، ذرائع و وسائل کے ہوتے ہوئے بھی آپ دنیاوی جاہ و حشمت سے بے نیاز رہے۔

تبلیغی جدوجہد:۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ ہارونیؒ کی سیر و سیاحت صرف تبلیغی مقاصد کے لئے ہوا کرتی تھی، مختلف شہروں اور علاقوں میں دور و نزدیک جہاں کہیں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، حسب ضرورت اُسی جگہ کچھ دن قیام فرماتے تھے اور مخلوق خدا کو صلاح و فلاح کے طریقوں سے آگاہ فرماتے تھے، اور ایمان و عرفان کی لازوال نورانیت سے ان کے دلوں کو معمور و منور فرما دیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کے عمل و اخلاق کی مکمل نگرانی فرمایا کرتے تھے، تاکہ کوئی شخص حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کر سکے، یہ نگرانی اور پابندی اس لئے ملحوظ ہوتی تھی کہ تبلیغ اسلام کے طرف سے ادنیٰ تغافل بھی آپ کتاب و سنت سے تغافل و بے اعتنائی کرنے کے مترادف سمجھتے تھے۔

جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مشائخ کرام عمل و کردار کے ذریعہ تبلیغ دین فرمایا کرتے ہیں، اور وہ اخلاق فاضلہ اور اسلامی تعلیمات کے پیکر مجسم ہوتے ہیں اس لئے ان حضرات کی باطنی توجہات اور پرخلوص دینی خدمات کے اثرات کیمیا تاثیر ہوا کرتے ہیں،

آنچہ زر میشود از پرتو آں قلب سیاہ
کیمیائے است کہ در صحبت درویشان است

یہی وجہ ہے کہ صرف زبان و قلم سے اسلامی حقانیت و صداقت کی تبلیغ کرنے کو یہ حضرات قطعی بے سود سمجھتے ہیں، ان کے یہاں تو اخلاق و کردار کی بلندی تبلیغ اسلام کا سب سے اہم اور موثر ذریعہ ہے کیونکہ عمل و اخلاص کے شعوری و غیر شعوری اثرات زیادہ گہرے اور پائیدار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ ہارونیؒ شریعت اسلامیہ کے امام اور طریقت و حقیقت کے مقتدائے اعظم تھے، آپ نے اپنے اخلاق کریم اور باطنی و روحانی تصرفات کے ہی ذریعہ اسلامیات کی صداقتوں کو مقبول خلائق بنانے میں جیسی غیر فانی خدمات انجام دی ہیں وہ ساری امت کے لئے ایک نورانی وسیلۂ نجات ہے،

شخصیت کی تعمیر:۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی پیکر مجسم شخصیتوں کی تربیت اور تعمیر کا کام سب سے زیادہ مشکل ہے، کیونکہ انسانی افراد کی تعمیر حیات کرنے کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ سب سے پہلے معمار و مربی خود بھی اپنی تعمیر و تکمیل کرلے، پھر دوسروں کی تربیت و تعمیر کے ہر گوشے سے بھی واقف و آگاہ ہو، اور اس منزل کے جملہ نشیب و فراز سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو، تاکہ مختلف ذوق، مختلف مزاج، اور مختلف صلاحیتوں کے افراد انسانی کو گمراہ [illegible] اخلاقی شخصیں سب سے قیمتی گوہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حقانیت کے [illegible] خزانۂ کائنات میں [illegible] اسلام [illegible] سے پہلے اپنی تکمیل و تعمیر کے لئے [illegible] کی زیر تربیت [illegible] انتہائی محنت و مشقت کے ساتھ سخت ترین ریاضت و مجاہدے کئے [illegible] بھی ان کی تربیت پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مخلوق خدا کی [illegible] مخلوق خدا کی اصلاح و تربیت کیلئے [illegible] شیخ و مرشد کامل کی حسب ہدایت [illegible] مشکل کام [illegible] باطنی تربیت کا سب سے [illegible]

شخصیت کی اہم ترین خدمات تفویض فرمائی گئی تھی الغرض حضرت خواجہ ہارونی کی عظیم المرتبہ ہستی بہت ہی نمایاں ہے۔ آپ نے اعلیٰ شخصیتوں کی تعمیر کرنے میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ دراصل آپ کی بے مثال کرامت ہے جس سے دنیائے انسانیت قیامت تک مستفیض ہوتی رہے گی۔

یوں تو آپ کی ذات ستودہ صفات نے بے شمار مریدیں و معتقدین کو مرتبۂ کمال تک پہنچایا ہے اور آپ نے اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعہ ہزارہا لوگوں کو عرفان الٰہی کے مدارج عالیہ پر فائز فرمایا ہے لیکن آپ کے مناقب عالیہ میں آپ کی اس کرامت کو بقائے دوام حاصل ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص باطنی توجہات کے ذریعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تربیت نمایاں اور ان کو روحانی و باطنی مدارج کے درجۂ کمال تک پہنچا کر ان کی شخصیت عظیمہ کو مشائخ طریقت و حقیقت کا مقتدائے اعظم بنا دیا۔ جنہوں نے بلحاظ رشد و ہدایت برصغیر ہند میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس سے عظمت اسلام کی روح برصغیر ہند و پاک میں قیامت تک زندہ اور باقی رہیگی، حضرت خواجہ عثمانیؒ کا یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر فرشتے بھی رشک کر سکتے ہیں۔

بے شمار کرامات :- اولیاء اللہ سے کرامات و خوارق عادات کا صادر ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات جس طرح ان کی زندگی میں ظاہر ہوتی ہیں اسیطرح وفات کے بعد بھی ان کی کرامتوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ ہارونیؒ روحانیات کے بحر بیکراں تھے آپ سے بے شمار کرامتوں کا صدور ہوا، دجلہ عبور کر جانا، زندہ و مردہ مریدین کے لئے ذریعۂ نجات و فلاح ہونا، آپ کی دعا مستجاب سے مشکلات کا حل ہو جانا وغیرہ صدہا کرامات کا صدور آپ سے ہوا لیکن میرے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے اپنی عملی زندگی کے پاکیزہ نمونوں کے ذریعہ اور اپنے روحانی کمالات و تصرفات کے ذریعہ بتائید خداوند قدوس بے شمار لوگوں کو گمراہی و بے دینی کی عمیق کھائیوں سے نکال کر نجات و فلاح کی دائمی دولت و نعمت سے سرفراز فرمایا، اور آپ کے دامن فیض میں پناہ لینے والے، اور آپ کی زیر تربیت تعلیم پانے والے ہزارہا افراد انسانی کو دین و عرفان کے بلند ترین مقام کا ملزوم فرمایا، اور آپنے اپنی کیمیا تاثیر تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایسی عظیم ترین شخصیتوں کو منصۂ شہود میں لائے جن کی عظمت و بزرگی کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہےگا اور جن کی محبت و عقیدت کے توسل سے خدا کی مخلوق دائمی نجات سے بہرہ مند ہو کر فردوس بریں میں جگہ پاتی رہیگی،

وفات حسرت آیات :- حضرت خواجہ ہارونیؒ جب خدمات تبلیغ و تربیت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے، اور اپنے مقدس قلب کے اسرار و رموز باطنی کا اپنے خلفاء نامدار کو امانتدار بنا چکے، اور بندگان خدا کی صلاح و فلاح کے تمام مخصوص طریقوں کی تربیت دے چکے، اور دنیا کو توحید پرستی و مشاہدۂ جمال خداوندی کی روشنی سے منور کر چکے، تو آپ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی، بلاآخر وہ وقت آہی گیا جس کا آنا سب کے لئے ناگزیر ہے

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید :

زجام دہر مے کل من علیہا فان !

حضرت خواجہ ہارونیؒ کی حیات مستعار جب ایک سو ستر برس کو پہنچ گئی تو آپ ۶ شوال ۶۱۷ھ کو اس دار فانی سے عالم جاوداں کی طرف رحلت فرما گئے [illegible]

[illegible] آپ کا مزار [illegible] مکہ معظمہ میں [illegible]

آپ کا عرس ۶ [illegible]

[illegible]

اور فریاد بے سہارا ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی دینی اصلاح و فلاح کے لئے بھی اور دنیاوی حاجات برآری کے لئے بھی ہر وقت آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے مگر اس کے باوجود زر و مال، عیش و تنعم کے جانب سے قناعت و بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی سلاطین و امراء زمانہ کا احسان مند ہونا گوارا نہیں فرمایا، ذرائع و وسائل کے ہوتے ہوئے بھی آپ دنیاوی جاہ و حشمت سے بے نیاز رہے۔

تبلیغی جد و جہد:۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ ہارونیؒ کی سیر و سیاحت صرف تبلیغی مقاصد کے لئے ہوا کرتی تھی، مختلف شہروں اور قریوں میں دور و نزدیک جہاں کہیں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، حسب ضرورت اُسی جگہ کچھ دن قیام فرماتے تھے اور مخلوق خدا کو صلاح و فلاح کے طریقوں سے آگاہ فرماتے تھے، اور ایمان و عرفان کی لازوال نورانیت سے ان کے دلوں کو معمور و منور فرما دیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کے عمل و اخلاق کی مکمل نگرانی فرمایا کرتے تھے، تاکہ کوئی شخص حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کر سکے، یہ نگرانی اور پابندی اس لئے ملحوظ ہوتی تھی کہ تبلیغ اسلام کے طرف سے ادنیٰ تغافل صدکو بھی آپ کتاب و سنت سے تغافل و بے اعتنائی کرنے کے مرادف سمجھتے تھے۔

جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مشائخ کرام عمل و کردار کے ذریعہ تبلیغ دین فرمایا کرتے ہیں، اور وہ اخلاق فاضلہ اور اسلامی تعلیمات کے پیکر مجسم ہوتے ہیں اس لئے ان حضرات کی باطنی توجہات اور پر خلوص دینی خدمات کے اثرات کیمیا تاثیر ہوا کرتے ہیں،

آنچہ زر میشود از پرتو آں قلب سیاہ
کیمیائے است کہ در صحبت درویشان است

یہی وجہ ہے کہ صرف زبان و قلم سے اسلامی حقانیت و صداقت کی تبلیغ کرنے کو یہ حضرات قطعی بے سود سمجھتے ہیں، ان کے یہاں تو اخلاق و کردار کی بلندی تبلیغ اسلام کا سب سے اہم اور موثر ذریعہ ہے کیونکہ عمل و اخلاص کے شعوری و غیر شعوری اثرات زیادہ گہرے اور پائیدار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ ہارونیؒ شریعت اسلامیہ کے امام اور طریقت و حقیقت کے مقتدائے اعظم تھے، آپ نے اپنے اخلاق کریم اور باطنی و روحانی تصرفات کے ہی ذریعہ اسلامیات کی صداقتوں کو مقبول خلائق بنانے میں جیسی غیر فانی خدمات انجام دی ہیں وہ ساری امت کے لئے ایک نورانی وسیلۂ نجات ہے،

شخصیت کی تعمیر:۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی پیکر مجسم شخصیتوں کی تربیت اور تعمیر کا کام سب سے زیادہ مشکل ہے، کیونکہ انسانی افراد کی تعمیر حیات کرنے کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ سب سے پہلے معمار و مربی خود بھی اپنی تعمیر و تکمیل کرلے، پھر دوسروں کی تربیت و تعمیر کے ہر گوشے سے بھی واقف و آگاہ ہو، اور اس منزل کے جملہ نشیب و فراز سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو، تاکہ مختلف ذوق، مختلف مزاج، اور مختلف صلاحیتوں کے افراد انسانی کو کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و اخلاص کی روشنی میں لا سکیں کیونکہ خزانۂ کائنات میں اخلاقی شخصیتیں سب سے قیمتی گوہر ہے، یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ نے پہلے اپنی تکمیل و تعمیر کے لئے بڑے بڑے کاملین کی زیر تربیت رہکر انتہائی محنت و مشقت کے ساتھ سخت ترین ریاضت و مجاہدے کئے ہیں، اور حسب استعداد و صلاحیت جب اپنی تعمیر و تربیت میں کامیاب ہو گئے اور خود کامل مربی نے بھی اُن کی تربیت پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مخلوق خدا کی اصلاح و تربیت کی خدمات انجام دینے کی اُنہیں اجازت دیدیتے ہیں تو اس کے بعد شیخ و مرشد کامل کی حسب ہدایت مخلوق خدا کی اصلاح و تربیت کیطرف متوجہ ہو جاتے ہیں، خدا جن کاملین نے انسانی افراد کی شخصیت کی تعمیر کی ہے۔ انہوں نے روحانی و باطنی تربیت کا سب سے مشکل کام انجام دیا ہے، اس لئے ایسے کاملین کا مقام بھی بہت بلند ہے کیونکہ انہوں نے شخصیت کی تعمیر کے اہم کام کو انتہائی انہماک اور خلوص سے انجام دیا ہے جن اکابر اولیاء اللہ کو تعمیر

شخصیت کی اہم ترین خدمات تفویض فرمائی گئی تھی انہیں حضرت خواجہ ہارونیؒ کی عظیم المرتبت ہستی بہت ہی نمایاں ہے۔ آپ نے اعلیٰ شخصیتوں کی تعمیر کرنے میں جو موثر خدمات انجام دی ہیں وہ دراصل آپ کی بے مثال کرامت ہے جس سے دنیائے انسانیت قیامت تک مستفیض ہوتی رہے گی۔

یوں تو آپ کی ذات ستودہ صفات نے بے شمار مریدین و معتقدین کو مرتبۂ کمال تک پہنچایا ہے اور آپ نے اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعہ ہزارہا لوگوں کو عرفان الٰہی کے مدارج عالیہ پر فائز فرمایا ہے لیکن آپ کے مناقب عالیہ میں آپ کی اس کرامت کو بقا و دوام حاصل ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص باطنی توجہات کے ذریعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تربیت فرمائی اور ان کو روحانی و باطنی مدارج کے درجۂ کمال تک پہنچا کر ان کی شخصیت عظیمہ کو مشائخ طریقت و حقیقت کا مقتدائے اعظم بنا دیا۔ جنہوں نے بلحاظ رشد و ہدایت برصغیر ہند میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس سے عظمت اسلام کی روح برصغیر ہند و پاک میں قیامت تک زندہ اور باقی رہیگی، حضرت خواجہ عثمانیؓ کا یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر فرشتے بھی رشک کر سکتے ہیں۔

بے شمار کرامات

:۔ اولیاء اللہ سے کرامات و خوارق عادات کا صادر ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، علما محققین نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات جس طرح ان کی زندگی میں ظاہر ہوتی ہیں اسیطرح وفات کے بعد بھی ان کی کراموں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ ہارونیؓ روحانیات کے بحر بیکراں تھے، آپ سے بے شمار کرامتوں کا صدور ہوا، دجلہ عبور کر جانا، زندہ و مردہ مریدین کے لئے ذریعہ نجات و فلاح ہونا، آپ کی دعا مستجاب سے مشکلات کا حل ہو جانا وغیرہ صدہا کرامات کا صدور آپ سے ہوا لیکن میرے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے اپنی عملی زندگی کے پاکیزہ نمونوں کے ذریعہ اور اپنے روحانی کمالات و تصرفات کے ذریعہ بتائید خداوند قدوس بے شمار لوگوں کو گمراہی و بے دینی کی عمیق کھائیوں سے نکال کر نجات و فلاح کی دائمی دولت و نعمت سے سرفراز فرمایا، اور آپ کے دامن فیض میں پناہ لینے والے، اور آپ کی زیر تربیت تعلیم پانے والے ہزارہا افراد انسانی کو دین و عرفان کے بلند ترین مقام پر فائز المرام فرمایا؛ اور آپنے اپنی کیمیا تاثیر تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایسی عظیم ترین شخصیتوں کو منصۂ مشہود میں لائے جن کی عظمت و بزرگی کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہے گا اور جن کی محبت و عقیدت کے توسل سے خدا کی مخلوق دائمی نجات سے بہرہ مند ہو کر فردوس بریں میں جگہ پاتی رہیگی،

وفات حسرت آیات

:۔ حضرت خواجہ ہارونیؒ جب خدمات تبلیغ و تربیت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے، اور اپنے مقدس قلب کے اسرار و رموز باطنی کا اپنے خلفاء نامدار کو امانتدار بنا چکے، اور بندگان خدا کی اصلاح و فلاح کے تمام مخصوص طریقوں کی تربیت دے چکے، اور دنیا کو توحید پرستی و مشاہدۂ جمال خداوندی کی روشنی سے منور کر چکے، تو آپ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی، بالآخر وہ وقت آہی گیا جس کا آنا سب کے لئے ناگزیر ہے

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید !

ز جام دہر مئے کل من علیہا فان !

حضرت خواجہ ہارونیؒ کی حیات مستعار جب اکیانوے[۹۱] منزلیں طے کر چکی تو آپ ۶ شوال ۶۱۷ھ کو اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کا مزار مقدس مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ اور جنت المعلیٰ کے مابین واقع ہے مسالک السالکین،

آپ کا عرس

:۔ یوں تو درگاہ معلی اجمیر میں بے شمار معمولات خیر شب و روز عمل میں آتے رہتے ہیں، جلسۂ سیرت مقدسہ، خلفاء راشدین کی تاریخہائے وفات پر مجالس وعظ، بیان شہادت امام عالیمقام، اور اولیاء اللہ کی تقریبات اعراس، قرآن خوانی، ایصال ثواب، دینیات کی تعلیم، دورۂ حدیث و تفسیر وغیرہ کار خیر کے لئے درگاہ حضرت خواجہؒ ایک مقدس گہوارہ ہے۔

انہیں معمولات خیر میں سے ایک اہم اور قابل ذکر تقریب حضرت خواجہ ہارونیؒ کے عرس مبارک کی بھی ہے جو ہر سال ۶ شوال کو بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے، چھٹی تاریخ کی شب میں اور چھٹی تاریخ کو دن میں سماع نقل ہوتا ہے، اس سعادت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے دور و نزدیک سے اہل عقیدت کافی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں،

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ارشادات گرامی،

(۱) آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حکم شریعت کا ہے کہ شراب کو حرام فرمایا ہے ورنہ طریقت میں تو جو پانی پینا طاعت و عبادت خداوندی میں کاہلی اور سستی پیدا کرے وہ بھی مثل شراب کے حرام مطلق ہے۔

اللہ اکبر جو ذات ملکی صفات اس درجہ محتاط ہو کہ شریعت کے طرف سے مباح و جائز چیزوں کو بھی مذموم اور فاسد اثرات پیدا کرنے کے باعث حرام و قبیح سمجھے وہ شریعت کے احکام اور امر و نواہی پر کس درجہ پابندی سے عمل پیرا ہوگی، یہ حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ ہارونیؒ نے اس ارشاد گرامی میں عمل و کردار کی کاہلی و سستی سے باز رکھنے کے لئے ایک زبردست تنبیہ فرمائی ہے۔

(۲) ارشاد فرمایا کہ حلال روزی کمانے والا انسان خدا کا محبوب بندہ ہے مگر یہ فضیلت اس کسب کرنے والے کے لئے ہے جو نماز کو وقت سستی نہ کرتا ہو بلکہ وقت پر فوراً نماز میں حاضر ہو اور حد شریعت سے ایک ذرہ برابر بھی قدم باہر نہ رکھے،

(۳) ارشاد فرمایا کہ خوب جان لو کہ کوئی عمل نماز سے بڑھ کر نہیں جو شخص نماز نہیں پڑھتا ہے وہ آخر کو پشیمانی اٹھائے گا۔

(۴) ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر سخت ناراض ہوں گے جو لوگ اذان کا جواب نہیں دیتے، اور اذان سنکر چپ نہیں رہتے اور جو لوگ جمعہ کی نماز کو فوت کرتے ہیں۔

(۵) ارشاد فرمایا کہ وہی شخص خدا مقرب بندہ ہو سکتا ہے جو علوم دینیہ کا درس دے اور پابندی سے قرآن شریف کی تلاوت کرے، تلاوت قرآن مجید اور دینی تعلیم کے طرف کس درجہ ترغیب فرمائی ہے۔ بخلاف اس زمانہ کے جاہل لوگوں کے وہ علوم دینیہ کو طریقت کے لئے مخالف بلکہ رہزن سمجھتے ہیں۔

(۶) ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص علم دین رکھتا ہے اللہ تعالے حکم دیتا ہے کہ اس کا نام آسمان پر ولی مشہور ہو،

(۷) ارشاد فرمایا کہ کفر کی ایک قسم یہ ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھی جائے۔

(۸) علم دین کے فضائل میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص حق تعالے کا ایک کلمہ بھی سنے تو وہ سال بھر کی عبادت شب نہ روزے سے بھی بڑھ کر ہے، اور جو شخص عالم حقانی کے درس میں بیٹھے تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا علم اللہ کے لئے روشنی اور نور بصر ہے، علم جنت کا راہ بتاتا ہے، علم کو خدا وند تعالے کبھی اور کہیں بھی ضائع نہیں کرتا ہے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، فرمایا علماء دین کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے، اور جو لوگ علماء و فضلا اور مشائخ سے اعراض کرتے ہیں ان کی حضرت خواجہ ہارونیؒ نے سخت مذمت فرمائی ہے۔ (السنۃ الجلیہ مصنفہ مولانا تھانویؒ)

روحانی اولاد:۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے متعلق کسی مستند تاریخ میں اس امر کی وضاحت نہیں ہے کہ آپ نے ازدواجی زندگی گذاری یا عالم تجرد میں بسر فرمایا، اس لئے آپ کی نسبی اولاد کے بارے میں بھی کوئی تصریح کسی تذکرہ میں نہیں پائی جاتی ہے، اغلب یہ ہے کہ آپ سے صلبی اولاد کا سلسلہ جاری نہیں ہوا، البتہ آپ کے روحانی فرزندوں کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، جنہوں نے آپ کے سایۂ عاطفت میں رہکر اخلاقی، دینی اور روحانی تربیت پاکر

آپ کی دی ہوئی تعلیمات کو عالم اسلام میں پھیلایا جن کی وساطت سے سلسلہ بہ سلسلہ قیامت تک آپ کے فیوض و برکات سے اسلامی دنیا مستفیض ہوتی رہیگی ، اس طرح خداوند قدوس نے نسبی اولاد سے بھی زیادہ آپ کے نام اور کام کو زندگی اور بقاء دوام کی نعمت سے سرفراز فرمایا ،

یوں تو حضرت خواجہ ہارونی نے بے شمار افراد کی سیرت و شخصیت کی تعمیر فرما کر انہیں روحانیات و عرفانیات کے لقب عالیہ پر فائز فرمایا ہے ، لیکن آپ کی تعلیمی و تربیتی مساعی جمیلہ کا سب سے بڑا شاہکار مبلغ اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا وجود گرامی ہے جن کی روحانی و اخلاقی شخصیت خزانۂ کائنات کا ایک بیش بہا گوہر ہے ۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد روحانیات کی تکمیل کے لئے ۵۶۲ھ میں بغداد شریف تشریف لے گئے ۔ کیونکہ ان دنوں یہ شہر بلاد اسلامیہ میں سب سے بڑا دینی و روحانی مرکز تھا ۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی اور دیگر اکابر اولیاء اللہ بغداد شریف میں رونق افروز تھے ، اسی مبارک شہر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت فرمائی ، اور بیس برس تک مرشد کامل کے ملازم خدمت رہکر باطنی و روحانی علوم و اسرار کی تکمیل فرمائی ، تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد حضرت شیخ ہارونی نے ۵۸۲ھ میں آپ کو خلافت و خرقہ اور سند اجازت سے بھی سرفراز فرمایا ۔

بعد ازاں حج بیت اللہ و زیارت مرقد انور کے لئے تشریف لے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہم کلامی حاصل کیا ، نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ عازم ہندوستان ہوئے اور ۵۸۸ھ میں اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہندوستان کی سرزمین کو شرف بخشا ۔ اور ۵۸۹ھ میں آپ اجمیر تشریف لے آئے اور اسی شہر کو آپ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے دینی مرکز قرار دیا ، جہاں سے روحانیات و عرفانیات کا وہ ابدی چشمہ پھوٹا جس نے برصغیر ہند کو حقیقت و طریقت کے گلہائے رنگارنگ سے رشک صد چمن اور رشک گلزار گلستان بنا دیا ، اسی دار الخیر اجمیر کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی مقدس خوابگاہ ہونے کا بھی لازوال شرف حاصل ہے جہاں ہر سال ماہ رجب کی پہلی تاریخ سے چھ تاریخ تک آپ کے عرس مبارک کی تقریب سعید نہایت بڑے پیمانے پر بہت ہی اہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہے ۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔

نوید بعثت

(از جناب مولانا **ابوالفرح** ذہنی ــــ چترہ کالج)

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء کرام مبعوث ہوئے ان کی بعثت کا مقصد وحید یہی تھا کہ وہ کفر و شرک کی تاریکیوں کو دور کریں - اسلام کی روشنی پھیلائیں اللہ العالمین جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کی وحدانیت کی منادی کریں - اور جو ان احکام کی پیروی کریں انہیں اللہ تعالیٰ کے نعائم کی خوش خبری سنائیں لیکن جو ان احکام سے روگردانی کریں انہیں عذاب الٰہی کی وعیدیں بتائیں -

واقعات و شواہد کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ نے اس عہد کو پورا کیا اور جہاں اپنے بعد آنیوالے نبی کے متعلق پیشن گوئی کی وہاں حضرت رسول کریمؐ کی بعثت کے بارے میں بھی فرمایا - اسی کو کسی نے کہا ہے -

ترا ذکر موسیٰ کی توریت میں ہے — پتے دے رہا ہے خدا کیسے کیسے
بشارت تری ابن مریم نے دی ہے — نشاں دے گئے انبیاء کیسے کیسے

چنانچہ جتنے بھی صحف سماوی اور کتب الٰہی موجود ہیں اور جن میں حد سے زیادہ تحریف اور ترمیم و تنسیخ کر دی گئی ہے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشن گوئیاں جیسی آج سے سیکڑوں اور ہزاروں برس پہلے تھیں ویسی آج بھی ہیں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر

(وہ لوگ جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنے سامنے توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ (رسول) نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں -)

اب ذرا اجمالی طور پر کچھ انبیاء کرامؑ کی پیشن گوئیاں ملاحظہ ہوں :-

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت آدمؑ ہند میں نازل ہوئے، پریشان و متوحش ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے اذان کہی جس میں دو مرتبہ اللہ اکبر دو مرتبہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور دو مرتبہ اشہد ان محمد الرسول اللہ کہا،

جب آپ (حضرت آدمؑ) کی وفات قریب ہوئی تو اپنے صاحبزادے حضرت شیثؑ کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم خلیفہ ہوگے تم اللہ کے ذکر کے ساتھ (حضرت) محمد الرسول اللہ کو ہر دفعہ ذکر کرنا کیونکہ میں نے ان کا نام پائے عرش و کرسی، طوبیٰ اور سدرہ کے پتوں اور تمام آسمان اور جنتیوں اور ان کے ہر غرفہ اور ہر قصر پر اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے۔

تب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے وادی غیر ذی زرع میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو حضرت ابراہیمؑ نے اور دعاؤں کے ساتھ یہ بھی مانگی

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (اے العالمین! میری اولاد میں ایک رسول مبعوث کرنا جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، ان کے نفس کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے)

اس کے جواب میں حضرت باری عزاسمہ نے صحیفہ ابراھیم میں اس طرح فرمایا کہ "اے ابراہیمؑ ہم نے تیری دعا تیرے لڑکے اسماعیل کی شان میں قبول فرمائی۔ اس پر اور اس کی نسل پر ہم برکتیں نازل فرمائیں گے اور اس سے ایک معظم و مکرم لڑکا پیدا فرمائیں گے جس کا نام محمدؐ ہوگا اور وہ میرا برگزیدہ ہوگا اور اس کی امت سب امتوں سے بہتر ہوگی۔

صحیفہ حیقوق علیہ السلام میں حضورؐ کی بعثت کے متعلق اس طرح تذکرہ ہے:- "اللہ تعالیٰ کوہ فاران سے برکت و پاکی کے ساتھ آیا اور زمین ثنائے احمدؐ اور ان کی پاکیزگی سے بھر گئی اور احمدؐ تمام روئے زمین کا اور جملہ اُمم کی گردنوں کا مالک ہوا۔ اور تمام زمین احمدؐ کے نور سے بھر وہ اپنے گھوڑوں کو خشکی اور تری میں کرے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آخری وعظ میں فرمایا تھا: "میری اور بہت سی باتیں کہ میں کہوں، پر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن "جب روح حق" آئے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گا، بلکہ جو کچھ وہ سنے گا کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اور وہ میری بزرگی کرے گا۔ (انجیل یوحنا باب ۱۶)

اس پیشن گوئی سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ (حضرت عیسیٰؑ) کے بعد وہ نبی ہیں جس نے سچائی کی راہ بتائی یعنی مکمل دین بتایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور یہ بھی آپؐ ہی کی شان میں ہے "اپنی نہ کہے گا جو سنے گا کہے گا" ماینطق عن الھوی ان ھوا الا وحی یوحی۔ اب حضرت عیسیٰ کے اس جملہ "میری بزرگی کرے گا" پر نظر ڈالئے تو یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کی یعنی حضرت عیسیٰ کی تعظیم و تکریم کرنے والے اور ان کی عظمت کو ان کے بعد دنیا کے سامنے بیان کرنے والے بھی آپ ہی ہیں کیونکہ۔

(۱) حضورؐ ہی نے آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصدیق کی۔

(۲) ایک دفعہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس انجیل لایا تو آپ نے از راہ ادب اسے اپنے تکیہ پر رکھا۔

(۳) ایک مرتبہ عیسائیوں کا ایک گروہ آپ کی خدمت میں آیا۔ کچھ دیر بعد ان کی نماز کا وقت آگیا تو آپ نے مسجد میں انہیں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔

حضرت عیسیٰؑ کی دوسری پیش گوئی پارہ ۲۸ سورہ الصف آیت نمبر ۶ میں اس طرح ہے۔

اذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمدؐ .. ..

اور (وہ وقت یاد کرو) جب حضرت عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے۔ (یعنی) توراۃ اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک پیغمبر جو میرے پاس آئیں گے، اور جن کا نام احمدؐ ہوگا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔

ہر میاہ نبی کی کتاب کے درس ۲۸-۲۹ کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے "اٹھو قیدار پر چڑھو اور پورب کے لوگوں کو ہلاک کرو ان کے خیموں اور گلوں کو وے لے لیں گے اور ان کے سارے برتنوں اور ان کے اونٹوں کو وے اپنے لئے لیتے جائیں گے۔"

جانتے ہیں اس پیش گوئی میں قیدار اور پورب کے لوگوں سے کون مراد ہیں ہ لیجیے سنئے :-

حضرت اسمٰعیلؑ کے سب سے مشہور فرزند کا نام قیدار تھا جو قریش مکہ کے مورث اعلیٰ ہیں اسی لئے قیدار پر چڑھائی سے مراد مکہ پر یورش ہے جس کی تصدیق فتح مکہ نے کی۔ پورب کے لوگوں سے مراد طائف اور حنین کے لوگ ہیں۔ طائف اور حنین مکہ معظمہ کے پورب میں واقع ہیں جو فتح مکہ کے بعد مفتوح ہوئے جنین وہی ہے جس کی مشہور جنگ غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں حضرتؐ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔

کتاب یسعیاہ ۲۹ - ۱۲ میں لکھا ہے "ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ وہ اُسے پڑھے۔"

اس پیشین گوئی کی روشنی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی کے لفظ "اقراء" کو دیکھئے پھر اور آپ کے امی ہونے کو خیال فرمائیے تو یہ بات بہت آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ یہ پیش گوئی صرف حضرت رسالت مآبؐ کے حق میں ہے جس میں آپ کے بعثت کی بشارت دی گئی ہے۔

ملاکی نبی کی کتاب جو اپنے زمانہ کی سب سے آخری کتاب ہے اور جن کا زمانہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی درمیانی مدت کا زمانہ ہے۔ اس کے باب ۳ درس ۱ میں ہے۔

"وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آئے گا رب الافواج فرماتا ہے پھر اس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا؟ اور جب وہ نمودار ہوگا تو کون ہے جو کھڑا رہے گا۔۔۔"

اور اس پیشین گوئی کا مصداق سوائے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

(۱) اس کا مصداق حضرت عیسیٰؑ کو نہیں بنایا گیا حالانکہ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تمام پیشین گوئیاں جمع کردی گئی ہیں۔

(۲) عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا رسول نہیں بلکہ ابن اللہ کہتے ہیں۔

(۳) ہیکل میں ان کے سامنے دشمن مغلوب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خود انہیں مغلوب کر لیا تھا

(۴) پیشین گوئی میں ہے "ناگہاں آئے گا" جس سے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد لئے جائیں گے اس لئے کہ آپ ہی ناگہاں مکہ تشریف لائے اسے فتح کیا اور فتح مکہ کے وقت کوئی بھی آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور نہ کھڑا ہو سکا۔

امام بیہقی وہب ابن منبہ سے راوی ہیں کہ زبور مقدس میں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی۔ کہ اے داؤدؑ عنقریب تیرے بعد وہ سچا نبی آئے گا جس کا نام احمد و محمد (ص) ہے، میں اس سے کبھی ناراض نہ ہوں گا اور نہ وہ میری نافرمانی کرے گا اے داؤدؑ میں نے محمد اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی ہے ـــ

اب توریت مقدس کی ان چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے جس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق بالکل واضح پیشین گوئی موجود ہے "اے موسیٰ میری حمد کر کہ میں نے تجھ پر احسان کیا۔ تجھ سے احمدؐ پر ایمان لانے کے بارے میں کلام کیا۔ اگر تو احمد پر ایمان لانا قبول نہ کرتا تو میرے گھر میں مجھ سے نزدیک نہ ہوتا۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے محبوب حضرت رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نوید ابتدائے آفرینش سے سناتا رہا اور اہل ایمان و ایقان اللہ کے محبوبؐ کی آمد کے منتظر رہے اور بالآخر ۱۲ ربیع الاول مطابق ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور مقصد بعثت کے تمام گوشوں کا لحاظ فرماتے ہوئے اسے اس طرح بہ تمام و کمال پایۂ تکمیل کو پہنچایا کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا " ورفعنا لک ذکرک " (اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا) اس آیت کے ضمن میں حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آیہ ورفعنا لک ذکرک کے بارے میں (حضرت) جبرئیل سے سوال کیا (یعنی یہ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا ذکر کس طرح بلند فرمایا) تو جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اذا ذکرت ذکرت معی (یعنی جب میں یاد کیا جاؤں گا تو آپ بھی یاد کئے جائیں گے)

اب نوید بعثت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کے بعد کیا اچھا ہو کہ ہم اور آپ دربار رسالت پناہ میں یہ تحفہ پیش کردیں۔ اللھم صلی علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد بعدد کل معلوم لک

امیر آروی

(تذکرہ شعرائے آرہ کے باب میں)

احباب شاہجہاں خاں نسیم بی۔ اے (علیگ)

(۲)

امیر صاحب کا کلام اردو میں اپنے طرز کی ایک امتیازی اور انفرادی چیز ہے کیونکہ ان کے شعر میں کہیں بھی نیستاں و جیستاں (جو غالب، مومن ناسخ اور بعض دوسروں میں بہت کثرت سے ہے) نہیں ہے۔ زبان کے ساتھ ساتھ مضمون کو اس سادگی سے نباہتے تھے کہ جو فرد بھی شاعر ہو وہ بھی کچھ لطف اندوز ہو جائے خواہ بات کچھ اندر ہی ہو۔ بول چال اور محاورہ زبان کا استعمال اس عمدگی اور نفاست سے کیا ہے کہ بستر مرگ کا مونس و غمخوار بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نہیں سمجھا، امیر صاحب کی شاعری میں کوئی فلسفہ نہیں تھا اور نہ کوئی بنیادی اصول (Theory) نہ وہ رونے دھونے کو سننے بیٹھنے کے شاعر تھے۔ نہ دربار کی جاہ و حشمت بڑھانے کے لئے۔ نہ وہ انقلاب کے پیامبر تھے۔ نہ حکومت کے کاروان کے شریک۔ نہ کسی سیاسی جماعت کے رکن۔ اور نہ مذہب سے مبلغ۔ ان کی شاعری میں حسن ہر جگہ جلوہ گر ہے۔

وہ انگریز شاعر کیٹس (KEATS) کی طرح تمام چیزوں میں حسن کا عنصر پاتے اور یہ سمجھتے کہ دنیا اسی فریب خیال میں محو اور گرداں ہے۔ کیٹس کہتا ہے ع

BEAUTY is truth truth beauty that is all ye know on earth and all ye need to know

یعنی حسن ہی حقیقت ہے جسے ضرورت ہے کہ دنیا کا ہر شخص جانے اور سمجھے۔ امیر صاحب نے کبھی حسن کو شیشہ و ساغر میں دیکھا تو کبھی وعظ و نصیحت میں، کبھی مرد و عورت میں اور کبھی خود میں۔ اس لئے انہوں نے یہ کوشش کی کہ ان کی زبان سے جو بات نکلے جو بھی حسن کا مرجع ہو حقیقت کا آئینہ ہو۔ ہر شخص کے کام کی بات ہو اور ہر فرد و بشر کی سماعت کو بھلی لگتی ہو۔ شاعر اگر یہ سمجھ بیٹھے کہ اس کی بات ایک مخصوص خطہ کے لئے نہیں اور اس کا کلام ایک مخصوص طبقہ کے لئے نہیں تو اس سے بڑھ کر فنکار کے دانشمندی کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ یوں ہی نہیں منہ بچھائے ہوئے ہیں　　کسی کے سکھائے پڑھائے ہوئے ہیں

اس نظم پر ان کے محترم استاد جناب سید امیر حسن صاحب بیدار آروی (مرحوم) نے اصلاح دی۔ اُستاد (مرحوم) نے بہت سے بند اڑا دیئے اور ارشاد فرمایا کہ شاعری کی روایت سے آگے بڑھنا نوآموز کے لئے زیبا نہیں۔ ان سب باتوں کے پس منظر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی عنوان نے امیر صاحب کو شاعر بنایا اور اس لئے امیر صاحب کی اُپج ایک فطری شاعر کی حیثیت سے ہوئی۔ یہ نظم شیلی (Sheelly) کی نظم (Sky larc) کی طرح شاعر کے شخصی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ امیر صاحب کو زمانہ کے ساتھ ساتھ غزل ہی کو اپنانا پڑا۔ غزل ہی وہ صنف سخن ہے جس میں شاعر کو قدرے سرچھپانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ غزل میں شاعر تمام تر باتیں کہہ ڈالتا ہے مگر اس انداز سے کہتا ہے کہ تمام باتیں ایک حسین اور بارنگ لبادہ سے ڈھکی (ادبیت) رہتی ہوں۔ ابھی شاعری کی استعداد ہی ہوئی تھی کہ اسکول سے رشتہ چھوٹا مگر استاد نہ چھوٹنے پائے تھے۔ کالج میں پڑھتے ہوئے بھی اصلاح کے لئے یہ آرہ جناب بیدار آروی کے پاس پہنچ آتے تھے۔ اس لئے ابتدائی شاعری پر مولانا کی اصلاح اور صحبت کا اثر نمایاں ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل نہ بےخوف رہے کیوں دمِ محشر اپنا ۔۔۔ جب محمد کو سمجھتے ہیں پیمبر اپنا

ہے مدینہ ہی میں جب شافعِ محشر اپنا ۔۔۔ ہم گنہگاروں کو خوف جہنم سے ہو

گلشن جنت میں داخل وہ بشر ہو جائے گا ۔۔۔ جس کے دل میں عشقِ شاہِ بحر و بر ہو جائے گا

باندھنا بھول گیا شیخ بھی دستاروں کا ۔۔۔ ہو گیا ساتھ جو کسی رند مےخواروں کا

ان اشعار میں جا بجا تو اعد کی غلطیاں ہیں۔ وزن، محاورہ، تذکیر و تانیث وغیرہ کی غلطیاں مبتدی سے ہی ہو سکتی ہیں۔ لیکن ذہین اور طباع ہونے کی وجہ سے یہ سب خامیاں بہت جلد دور ہو گئیں۔ بچپن میں قدیم تعلیمی اصول کے تحت ان کے صرف نحو اور عروض کی تعلیم نہ مل سکی مگر استادوں کے کلام پر اکثر طبع آزمائی کی۔ اور شعر کہنا عملی طور پر سیکھا۔

گر خدا ناخدا نہیں ہوتا ۔۔۔ غرق ہو جاتی ہے کشتی اعمال

کوششوں سے تو کیا نہیں ہوتا ۔۔۔ اس کا ہاتھ آنا کوئی مشکل ہے

بی۔ این کالج کے مشاعرے میں جس میں حضرت شاد عظیم آبادی بھی باوجود علالت اور ضعف کے شریک تھے حضرت امیر آروی نے یہ مطلع پڑھا تھا کہ حضرت شاد نے زور سے واہ واہ کی۔ غالباً وہ مطلع یہ ہے۔

خضر سمجھا تھا جسے رہزنِ دوراں نکلا

جو مسیحا تھا وہی جان کا خواہاں نکلا

امیر صاحب کو دوسرا شرف تلمذ جو ملا وہ جناب وحید آروی کا تھا۔ اس کے بعد حکیم عبدالحلیم صاحب طبیب آروی اور جناب ابو الحسن صاحب فکر آروی سے مشورہ سخن فرماتے رہے۔ وحید صاحب نے ان کو ان کے مخصوص رنگ پر چھوڑ دیا۔ صرف زبان دانی کی اصلاح دی۔ اس دور کے کلام میں صوفی کیفیات اور نفسیاتی تجزیہ سے امیر صاحب کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ امیر صاحب کو جس نے اسکول کالج اور ملازمت کے ابتدائی سالوں میں دیکھا اس نے اور وضع دار مسلمان پایا جو سفید پائجامہ، کبھی کبھی شروانی، مخمل کی سیاہ

ٹوپی سے آراستہ تھے جس نے زندگی کے آخری بیس سالوں میں دیکھا اس نے انہیں ایک رند پایا۔ کبھی بے راہ روی، مجنونانہ ہیئت۔ بقول شخصے ؎

بال بکھرے ہیں تو بکھرے ہی سہی

گرد پڑتی ہے تو پڑ جانے دو رخساروں پر

ایک معمولی دو روپے کا کرتا یا قمیص، پھٹے ہوئے پائینچے کا پائجامہ، بدرنگ جوتا، ننگے سر، قدم لڑکھڑاتے، جب کسی شخص کو کوئی دیکھتا تو شک کرتا کہ امیر آ رہی ہیں۔ اگر تحقیق کرنا ہو تو بجائے نام وطن پوچھنے کے کوئی سیدھا سوال پوچھے اور جواباً مزاح کا عنصر پائے۔ تو سمجھ جائیے کہ یہی امیر آ رہی ہیں۔ اسی سج دھج کی مجنونانہ کیفیت کے دس سالوں میں محل سے دور رہتے ہوئے شاعر کی زبان سے جو آواز نکلی وہی اس کی شاعری کا سرمایہ ہے۔ اس دور میں ان پر آفتوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ بچوں کے اموات رفیقۂ حیات کی جدائی اور ملازمت کی الجھنیں یکے بعد دیگرے آئیں اور گزر گئیں مگر امیر صاحب کی شاعری نہ چھوٹی۔ اس دور کے ان کے کچھ شعر ملاحظہ ہوں۔

یہی اچھا ہے کشتی کو الٹ دے موج طوفانی

ٹھکانہ تو ملے گا گر اسے ساحل نہیں ملتا

وہاں ترکش ہوا خالی، یہاں پہلو ہوا خالی

کسی کا تیر غائب ہے ہمارا دل نہیں ملتا

کیا لکھوں انتظار کی صورت ۔۔۔ کچھ نہیں اب قرار کی صورت

ہیں قفس میں تو پھر نشاط کہاں ۔۔۔ گل کی صورت ہے خار کی صورت

قید میں ان کے بھی زنجیر کی جھنکار رہے

موسم گل میں اک دھوم مچا دینے رہیں

غیروں سے بڑھ کے دشمن میرے بزرگ نکلے ۔۔۔ طول حیات کی کیوں دی تھیں مجھے دعائیں

ترپی تاکہ رسوائی ہونے نہ پائے ۔۔۔ منہ اپنا کفن میں چھپائے ہوئے ہیں

امیر مینائی اور نوح ناروی کے آرہ شہر میں آنے سے امیر صاحب کی زبان پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ امیر صاحب چھوٹی بحروں میں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی بعض بعض غزلیں زباندانی کی اعلیٰ ترین نمونہ ہیں جو اردو زبان و ادب کے لئے اگر لوگ برا نہ مانیں تو سرمایہ ہیں۔ مثلاً :-

میری رسوائی آپ کی شہرت ۔۔۔ خوب ہے اشتہار کی صورت

سرفروشی میں یہ خیال کہاں ۔۔۔ جیت ہے کہ ہار کی صورت

سنتے ہو کیوں ہر کس و ناکس کی بات ۔۔۔ خود ہی طے کر لیں گے ہے آپس کی بات

دل نہ ہو قابو میں تو ہم کیا کریں ۔۔۔ یہ بھی ہے صاحب کسی کے بس کی بات

آپ ہی پر نہیں موقوف کچھ — کون سنتا ہے کسی بیکس کی بات
فیصلہ میرا کریں گے غیر کیا — وہ تو ہے صاحب تمہارے بس کی بات
اس کو بھی کیا پڑے گا اے امیر — جو یہاں رہ کر نہ مانے دس کی بات

رہ نہ بیٹھیں ہوش وحشت میں تو پھر ہم کیا کریں — رہ گیا دامن الجھ کے دشت کے خاروں میں آج
اُف قیامت میں بھی وہ جو چاہتا تھا ہو گیا — اک خدائی ہو گئی اُس کے طرفداروں میں آج
جرم الفت کی سزا جن کر لی ہے اے امیر — کہتے ہیں ہم تجھ کو چنوائیں گے دیواروں میں آج

آنکھیں اٹھا کر دیکھئے سرکار دیکھئے — باندھے کھڑا ہے ہاتھ گنہگار دیکھئے
خود آکے آپ گرمی بازار دیکھئے — کتنے بڑھے ہوئے ہیں خریدار دیکھئے
لائے گا رنگ روز کا آزار دیکھئے — مرجائے گا یہ آپ کا بیمار دیکھئے
سر اپنا کاٹ کر میں دکھاؤں گا آپ کو — یہ کام ہی ہے کون سا دشوار دیکھئے

مجھ سا نہ ہو سکا کوئی گرفتار بلا بھی — سایہ سے میرے بھاگی پھرتی ہے قضا بھی
میں نے کہا وعدہ کیا تو نے وفا بھی — وہ بول اٹھے یاد نہیں مجھ کو خدا بھی

امیر صاحب نے آسان سے آسان اور مشکل سے مشکل ردیف میں بھی زبان اور مضمون کی کامیابی کے ساتھ شعر نکالا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

رکھتا ہے ہاتھ کوئی بھی اس تیغ زن سے صاف
مثل خیار کٹ گیا سر میرا تن سے صاف
جو کہہ رہے ہو اس میں بھی شامل ہے کچھ فریب
یہ تو جھلک رہا ہے تمہارے سخن سے صاف

امیر صاحب نے عام بول چال کے قوافی سے جو مضمون نکالا ہے، وہ کسی فطری شاعر کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ یوں بھی بڑے دل دگر کی بات ہے۔ خصوصاً جب شاعر بے اختیار ہو کر کہتا ہے۔

دیکھو جسے وہی ہے یہاں مبتلائے دل
آتی ہے ہر طرف سے صدا ہائے ہائے دل

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر نے انیس کی پیروی کی مگر اس شعر سے قریب تر مزور نظر آتے ہیں۔ صوتی کیفیت کی ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔

امیر صاحب کے ان تمام اشعار کی روشنی میں ایک ادنیٰ محقق بھی کہہ سکتا ہے کہ شاعر کے کلام میں زبان کی روانی مثل آب رواں ہے۔ چاشنی اور لطافت طنز سے ظاہر ہے چونکہ طنز ہے اس لئے ظرافت بھی جس نے گدگدی کی طرح شعر کے رنگ دیپے میں ہے۔ زبان با محاورہ ہے۔ شاعر نے اس کمال کے ساتھ بعض بعض مصرعے نکالے ہیں جو کثرت استعمال سے آتش کے چند مصرعوں کی طرح ضرب المثل بن چکے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) جو یہاں رہ کے نہ مانے وہ کس کی بات ۔
(۲) اک خدائی ہوگئی ان کے طرفداروں میں آج ۔
(۳) سائل کی طرح جا کے صدائیں لگائیں ہم ۔
(۴) بیزار ہو چکے ہیں بہت زندگی سے ہم ۔

یہ تمام مصرعے اپنی معنویت میں خود شعر ہیں جیسے آتش لکھنوی کے بعض مصرعے چلتی جاگتی دنیا کے لئے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ ع

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

یہ قصہ ہے جب کہ آتش جواں تھا

امیر صاحب کا کلام غزل کے لغوی معنی پر نہایت مکمل اترتا ہے۔ تمام تر کلام گفتگو کا دیوان ہے۔ جیسے۔

کیا بُرا ہے، ہم برے ہیں، وہ برا کہنے کو ہیں
یہ ابھی ہے معلوم ان کو لوگ کیا کہنے کو ہیں

بات چیت کے ساتھ ساتھ دلیل بھی امیر صاحب کی شاعری کا ایک نمایاں پہلو ہے ۔

جلوۂ طور کی تھی ایک جھلک ورنہ بیٹھا تھا کون محفل میں
وصل شب ہے پہلے نکلے کون حسرتیں ہیں ہزار ہا دل میں

حسن تعلیل کی ایک مثال ملاحظہ ہو ۔

تیرے رخ پر نہیں ہیں خالِ سیاہ
ایک دھبا ہے ماہِ کامل میں

کبھی آرزو دل کی پوری نہ ہوگی — مقدر کو ہم آزمائے ہوئے ہیں
سر بزم جو بیٹھے معصوم بن کر — وہی تو مرا دل چرائے ہوئے ہیں
کہاں جائے گا میرے ہاتھوں سے بچ کر — تجھے آنکھ پر ہم چڑھائے ہوئے ہیں
تری تا کہ رسوائی ہونے نہ پائے — منہ اپنا کفن میں چھپائے ہوئے ہیں
فقط تیر چلنے کی ہے دیر دلبر — وہ چلے کماں پر چڑھائے ہوئے ہیں۔

مرا ہے امیر گنہگار بےکس
اسے دوش پر لوگ اٹھائے ہوئے ہیں

تمام قوافی لکھنؤ اسکول کے مروج اور حسین ترین محاورے ہیں۔ دوسری غزل کے چند اشعار ہیں۔

آنکھیں کس واسطے چراتے ہیں — کہیے صاحب کہاں سے آتے ہیں
وہ مرے گھر پر آج آتے ہیں — ہم بھی پھولے نہیں سماتے ہیں
مسکراتے ہوئے وہ آتے ہیں — دیکھیں کیا آج گل کھلاتے ہیں
یاد آتے ہو تم ہمیں ہر دم — ہم کبھی تم کو یاد آتے ہیں
آج ہم جان ہی پہ کھیلیں گے — سر ہتھیلی پہ لے کے جاتے ہیں
آمد آمد چمن میں کس کی ہے — غنچے گلشن میں مسکراتے ہیں

جو نہیں مانتے کسی کی امیر
آخرش اپنے منہ کی کھاتے ہیں

پھولے نہیں سمانا، گل کھلانا، آنکھیں دکھانا، سر ہتھیلی پہ لے کر چلنا، منہ کی کھانا یہ تمام محاورات ہیں۔ شاعر مرحوم کا دیوان اس طرح کے بیشتر محاورات اور ضرب الامثال سے بھرا پڑا ہے۔ اگر ان کو کوئی محقق ایک جگہ اکٹھا کرے تو یقین جانئے کہ ایک ایسی فرہنگ تیار ہو جائے جو اردو زبان و ادب کے نصاب میں بہت کارآمد ثابت ہو۔ زندگی کے آخر کچھ سالوں میں مشاعروں اور دیگر ادبی جلسوں میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ امیر صاحب جب خوش و خرم رہتے تھے تو فی البدیہہ متعدد شعر کہہ ڈالتے تھے۔ چاہے کلام میں کوئی ملت ہو مگر کوشش یہ کرتے تھے کہ سہل سے سہل قافیہ آسان سے آسان مضمون استعمال ہو۔ مثلاً:۔

نامۂ شوق مختصر ہی تو ہے — میرا خط پڑھئے دو سطر ہی تو ہے
نامہ بر مل نہ جائے غیروں سے — وہ فرشتہ نہیں بشر ہی تو ہے
تم ہو بیکار ہی خفا صاحب — جھوٹ سچ اڑتی ہے خبر ہی تو ہے
کس کے گھر کی تلاش ہے صاحب — آئیے آئیے ادھر ہی تو ہے

یوں لڑاؤ نہ کمسنی میں آنکھ — لگ نہ جائے کہیں نظر ہی تو ہے

پوچھتے ہو کیوں امیرؔ کے گھر

دو قدم بڑھ کے موڑ پر ہی تو ہے

۱۵ اگست ۱۹۵۸ء کا ذکر ہے کہ یوم آزادی کے مشاعرے میں جو ہندی کتب خانہ آرہ میں ہو رہا تھا یہ شریک تھے۔ انہوں نے کوئی غزل پڑھی۔ غزل کے بعد لوگوں کی بالخصوص کالج کے طلباء کی ضد ہوئی کہ کچھ اور کہیے۔ انہوں نے پوچھا کس چیز پر کہوں مختصر یہ کہ لڑکے قافیہ بولتے تھے مثلاً پان، دھان، میان، خان، جان، ران، شان، زبان وغیرہ۔ لڑکوں نے تقریباً بیس تیس قوافی بولے اور انہوں نے اسے برجستہ مصرع اور شعر کی شکل میں ترتیب دے دیا۔ یہاں تک کہ لڑکوں کے ذہن میں جب کوئی قافیہ نہیں رہا تو امیر صاحب نے اس مذاق سخن کو یا مسخرا پن کہئے یوں کہہ کر ختم کیا کہ ؏

جو کچھ آئے زبان پر کہیے

اس واقعہ سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ امیر صاحب اردو ادب کے بہت بڑے مفکر، مدبر اور شاعر تھے لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مشاطۂ سخن اس قدر تیز ہو چکا تھا کہ بات بات پر اور قدم قدم پر دل سے نکلی ہوئی آواز شعر کی زبان اور فکر کے پیکر میں ہوتی تھی۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے جدید محققین میں سے کسی کی نگاہ اس دُرِّ آبدار پہ نہ پڑی۔ امیر صاحب کو قافیہ ایسا سوجھ جاتا تھا جس پر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑتی تھی یا اگر پڑ جاتی بھی تو عام شعراء یہ سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے کہ اس میں مضمون ہی کیا ہو سکتا ہے۔ مگر امیر صاحب اس قافیہ سے وہ مضمون نکالا کہ سننے والا انگشت بدنداں ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں سہسرام کے ایک مقامی مشاعرہ کا ذکر رقم کرتا ہوں۔

طرحی مشاعرہ تھا اور قافیہ سامان، گلستان وغیرہ تھا اور ردیف لئے ہوئے۔ غالباً مصرع طرح یہ تھا ؏

آئی بہار حسن گلستاں لئے ہوئے

سہسرام کے مقامی شعراء کے علاوہ بنارس، غازیپور اور دوسرے بیرونی شعراء بھی کچھ کم تعداد میں نہیں تھے۔ ان تمام لوگوں میں جناب انجم مانپوری صاحب کا نام قابل ذکر ہے۔ جب امیر صاحب کی باری آئی تو انہوں نے انجم صاحب (مرحوم) کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ انجم صاحب! کسی نے "ماں لئے ہوئے" میں کوئی شعر کہا ہے۔ آپ لوگوں کو وقت دیا جاتا ہے۔ کوئی صاحب کہہ ڈالیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ رند خانہ خراب ہے۔ بیخودی اور مدہوشی میں یہ سب کہہ رہا ہے۔ مگر انجم صاحب (مرحوم) ان کو جانتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ ضرور انہوں نے کوئی پنیکی بات کہی ہوگی۔ انجم صاحب نے کہا امیر بھائی بیشتر لوگ اس دور میں مختی نواز ہیں۔ آپ ارشاد کریں۔ اس پر امیر صاحب نے یہ شعر کہا

غالب لحد شہید کو رکھتی ہے اس طرح

بچہ کو جیسے گود میں ہو ماں لئے ہوئے

امیر صاحب بڑے نڈر، صاف گو اور بیباک تھے۔ اگر کسی نے ان سے کسی کی بیجا شکایت یا تعریف کیا تو فوراً وہ اصل بات کہہ ڈالتے تھے۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا کہ دیکھئے میرے ساتھ آپ ہمیشہ تین باتوں کا خیال رکھیئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب میں قرض مانگوں تو کبھی مت دیجئے گا اس لئے کہ میرے وعدہ کرنے کے باوجود آپ کی رقم وقت پر واپس نہ ہوگی یا قطعی طور پر واپس نہ ہوگی۔ دوسرے مجھے وقت کبھی صحیح مت بتائیے ہمیشہ زیادہ بتائیے اس لئے کہ میں سُست آدمی ہوں۔ تیسری بات یہ ہے کہ شام کو ۶ بجے کے بعد میری باتوں پر دھیان مت دیا کریں۔" حالانکہ یہ سب باتیں عمل میں نہ آسکیں۔ میں نے انہیں قرض دیا بھی، وقت صحیح بتایا، رات کے وقت اکثر تحقیقی باتوں پر گفتگو ہوئی۔ مگر کس قدر معقول یہ شخص تھا کہ اپنی کمزوریوں کا علم تھا اور اسے دوسروں کے سامنے عریاں کرنے میں ذرا جھجک نہ ہوتی۔

ایک بار دفتر کے کچھ نوجوان عملے ان سے لطیفہ سننے کے مشتاق ہوئے۔ انہوں نے کہا "جہانگیر نے اپنی راجپوتنی ملکہ سے کہا کہ جب وہ شراب پی کر نورجہاں کے پاس جاتا ہے تو نورجہاں یہ کہتی ہے کہ آپ دور رہیں، آپ نے شراب پی ہے۔ آپ کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہے۔ مگر جب تمہارے پاس شراب پی کر آتا ہوں تو تم کچھ نہیں کہتی؟ راجپوتنی نے جواب دیا کہ چونکہ نورجہاں کو ایک سے زیادہ مردوں سے ملنے کا اتفاق ہوا اس لئے اُسے پتہ چل گیا لیکن میں سمجھ رہی تھی کہ مرد کا منہ ایسا ہی مہکتا ہے! لوگوں نے اس لطیفہ پر خوب قہقہہ لگایا اور کہا "ایک اور" انہوں نے کہا کہ دوسرا قصہ یہ ہے کہ شیوجی نے پاربتی جی کو کس طرح رکھا اور بھسما سور نے (ایک نابینا جو شیوجی کی دعا سے آنکھ والا ہو گیا تھا) کس طرح اُن کو دام میں لانا چاہا۔ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ برادرانِ وطن بگڑ اٹھے کہ میری دیوی جو سارے آفاق کی دیوی ہیں۔ تمام بنی نوعِ انسان اور حرمت پرنظر کی ماں ہے انہیں اس طرح سے آپ نے کہا! انہوں نے کہا کہ یہ تاریخی حقیقت ہے اب قہقہہ لگائیے۔ یہ تھا امیر صاحب کا مزاج اور حوصلہ۔ اس جمہوری نظام میں اُردو زبان و ادب کے معاملہ میں جتنی تنگ نظری برتی جا رہی ہے اور جتنی عصبیت سے کام لیا جا رہا ہے یہ سب جانتے ہیں۔ سرکاری ملازمین، سیاسی لیڈران (جنہیں حکومت نے ایوان شاہی کی پھلواریوں میں نصب کر دیا ہے) اور تمام بڑے اردو داں ششدر اور ہراساں ہیں۔ مگر امیر آروی جیسا مردِ مجاہد شمشیر کی دھار اور توپ و تفنگ سے بھی زبردست حربہ کے سامنے دلیری سے مقابلہ کو کھڑا ہو جاتا۔ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۹ء کا ذکر ہے کہ ہر سال کی طرح "یومِ آزادی" کا مشاعرہ ہندی لائبریری آرہ میں منعقد ہوا۔ امیر صاحب نے ایک غزل پڑھی جو فی زمانہ کانوں کی رونق بڑھانے والے دو ادب پر بھاری ہیں۔ چند شعر حافظہ میں محفوظ ہیں۔

آئینہ میں اپنی صورت سے کس پیار سے باتیں کرتے ہیں
تنہائی میں اکثر ہم بھی تو دیوار سے باتیں کرتے ہیں
آئے ہیں عیادت کو لیکن اکھڑی ہوئی باتیں کرتے ہیں
اتنا تو خیال ان کا رکھئے بیمار سے باتیں کرتے ہیں

(باقی آئندہ)

حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ

(از جناب مولانا محمد زکریا قالب آروی، فاضل مجیبی)

(۲)

وطن کو مراجعت شیخ کو ترک وطن کئے ایک طویل مدت گذر گئی تھی۔ مگر جب تتلغ خاں ابوبکر کا شہرۂ آفاق ہوا جو اپنے باپ سعد زنگی کے بعد تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور فارس کو جو دو سو برس سے مورد آفات و حوادثات تھا چند روز میں اپنی دانشمندی اور حسن تدبیر سے سرسبز و شاداب کر دیا اور ۶۲۳ھ تا ۶۵۸ھ سلطنت کی تو شیخ کو وطن کا اشتیاق پیدا ہوا ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں ؎

چہ خوش سپیدہ دمے باشد آنکہ نسیم باز — رسیدہ بر سر اللہ اکبر[1] شیراز

ندائق ظلمات است باللہ ایں اقلیم — کہ تختگاہ سلیماں و بدست حضرت راز

ملک شام سے عراق، عجم ہوتے ہوئے اصفہان کے راستہ سے شیراز پہونچ گئے۔ شیخ نے غریب الوطنی اور مراجعت کی وجہ بالتفریح ایک طویل قطعہ میں لکھی بعض کو بسبب طوالت کے ترک کرتا ہوں۔

رشد و ہدایت شیخ شیراز میں پہنچکر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ملوک سلاطین کے سامنے نہایت جرأت و بیباکی سے حق کو پیش کرتے اور ان کی اصلاح و درستگی کرتے۔ چنانچہ وہ امراء و ملوک و سلاطین جو ظلم و تشدد اور سفاکی پر کمربستہ اور انسانیت کے دشمن تھے جن کا شیوہ و شعار کمزوروں کی قتل و غارتگری تھا ان کو اپنی پند و نصیحت سے مسحور کر دیا کتنے بادشاہوں نے آپ کے کلام کی تعظیم کی اور پند نامہ طلب کئے اور تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھنے لگے۔ اگر شیخ کسی بادشاہ کو قصیدہ لکھ کر بھیجتے تو وہ بھی نصیحت سے پُر ہوتے۔ اسی لئے شیخ کے تمام قصائد میں پند و نصیحت ہی پائے جاتے ہیں۔ نیز شیخ سے اہل علم حقائق و معارف کے دقائق، غوامض و نکات دریافت کرتے اور آپ ہر ایک کا جواب تحریر یا تقریر میں مرحمت فرماتے۔

شاہی تعلقات شیراز آنے کے بعد جب شاہی تعلقات پیدا ہو گئے تو شیخ بادشاہ وقت کے درباریوں میں داخل ہو گئے۔ ... قصائد لکھے گلستاں اور بوستاں اسی کے نام سے معنون کی۔ لیکن شیخ کی آزاد مزاجی کی وجہ کر بادشاہ نے قدردانی نہیں کی۔ چنانچہ ایک قصیدہ میں ہلکی سی شکایت کی ہے[2]

بہ دولت ہمہ افتادگاں بلند شدند — چو آفتاب کہ در آسماں برد شبنم

مگر کمینہ آحاد بندگان سعدی — کہ سعیش از ہمہ بیش است وحظش از ہمہ کم

[1] یہ شیراز کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ ۱۲

[2] تذکرہ دولت شاہی ۱۲

خواجہ شمس الدین المتوفی ۶۸۳ھ وزیر اعظم ہلاکو خاں اور اُن کا بھائی علاء الدین دونوں شیخ کے مرید اور معتقد خاص تھے۔

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے پانچسو دینار سرخ نذر کے اپنے غلام کے ہاتھ دارالسلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ راہ میں غلام نے معمولی اغماض کے بھروسہ اس میں سے ڈیڑھ سو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سو شیخ کی خدمت میں حاضر کئے۔ شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان کے نامہ میں پانچسو لکھا ہے اور غلام نے ساڑھے تین سو دئے تو اس کی رسید میں یہ قطعہ لکھ کر بھیج دیا ؎

نواجہ تشریفم فرستادی و مال | الت افزوں باد و خصمت پائمال
ہر بہ دینارت سلامی عمر باد | تا بمانی سی و نہ پنجاہ سال

صاحب دیوان نے یہ مضمون دیکھ کر غلام سے دریافت کیا اور زجر و توبیخ کی۔ اور رقم کی بابت تدارک اور مافات کر کے شیخ سے معافی کا طلبگار ہوا۔

اخلاق وعادات نفحات الانس میں مذکور ہے کہ شیخ عالم صوفیوں میں سے تھے علوم و آداب میں کمال مہارت رکھتے تھے اور بہت بڑے ماہر سیاست داں تھے اگرچہ ان کی شہرت طبقۂ علماء میں اس قدر نہیں جس قدر زمرۂ شعراء میں ہوئی ہے مگر ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ حقیقت خود بخود واضح ہوتی لیکن ان کی مخصوص حالت یہ ہے کہ وہ اس رتبہ پر مجاہدہ و ریاضت کے بعد پہنچے تھے۔ ان کی اصلی سرشت یہ نہ تھی۔ طفولیت سے شباب کے زمانہ تک ان میں ایسے اوصاف نظر آتے ہیں جو اُن کے عارض کمال کے داغ ہیں۔ یعنی خود بینی، حرف گیری، مشاجرت، مخاصمت وغیرہ ——— لیکن ایک رفارمر اور مصلح کے لئے ان تمام مراحل سے گزرنا لازم تھا۔

شیخ بہت ظریف و ظریف طبع تھے ایک بار آپ ایک مکان کرایہ پر لینا چاہتے تھے۔ ایک یہودی پڑوس میں رہتا تھا اس نے کہا حضور خرید ئے میں اس مکان کی حالت سے خوب واقف ہوں۔ اس میں کوئی عیب نہیں۔ شیخ نے کہا بجز اس کے کہ آپ اس کے ہمسایہ ہیں

وفات حسرت آیات شیخ نے اخیر عمر میں شہر سے بہت دور ایک زاویہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لیا تھا۔ رات دن وہاں قیام کرتے اور عبادت الہی و ذکر الہی میں مشغول رہتے۔ سلاطین و امراء اسی آستانے پر حاضر خدمت ہوتے اور صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوتے۔ شیخ کے لئے تحائف بھی آتے۔ شیخ کھا کر جو بچ رہتا ایک زنبیل میں ڈال کر دیوار سے لٹکا دیتے ؎

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

چونکہ شیراز سے اتابکان فارس کے خاندان کا خاتمہ ہو چکا اور ولایت فارس خاندان تاتار کے حکومت میں آگئی تھی۔ ارغون خاں اباقا آن خاں بن ہلاکو خاں کے عہد حکومت میں ایک سو بیس[1] برس کی عمر پا کر ۶۹۱ھ بماہ شوال المکرم بروز جمعہ وفات پائی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

چونکہ تاریخ وفات "خاص"[2] کے لفظ سے نکلتی ہے کسی شاعر نے شیخ کی وفات حسرت آیات کی ماہ تاریخ کو اس طرح موزوں کر دیا ہے ؎

دو بحر معارف شیخ سعدی | کہ در دریائے معنی بود غواص
بہ شوال روز جمعہ روح عرش | بدان درگاہ رفت از روی اخلاص

---

[1] ...... روضات الجنان ۱۲ [2] سوانح سعدی میں ایسا ہی مذکور ہے ۱۲

حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ

(از جناب مولانا محمد زکریا قالب آروی، فاضل مجیبی)

(۲)

وطن کو مراجعت شیخ کو ترک وطن کئے ایک طویل مدت گذر گئی تھی۔ مگر جب قتلغ خاں ابوبکر کا شہرۂ آفاق ہوا جو اپنے باپ سعد زنگی کے بعد تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور فارس کو چودہ سو برس سے مورد آفات وحوادثات تھا چند روز میں اپنی دانشمندی اور حسن تدبیر سے سرسبز وشاداب کر دیا۔ اور ۶۲۳ھ تا ۶۵۸ھ سلطنت کی تو شیخ کو وطن کا اشتیاق پیدا ہوا ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں ؎

چہ خوش سپیدہ دمے باشد آنکہ بینم باز	رسیدہ بر سر اللہ اکبر[1] شیراز
نہ لائق ظلمات است باللہ این اقلیم	کہ تختگاہ سلیمان وبدست وحضرت راز

ملک شام سے عراق، عجم ہوتے ہوئے اصفہان کے راستہ سے شیراز پہونچ گئے شیخ نے غریب الوطنی اور مراجعت کی وجہ بالتفریح ایک طویل قطعہ میں لکھی ہے بعض کو بسبب طوالت کے ترک کرتا ہوں۔

رشد وہدایت شیخ شیراز میں پہنچکر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے میں مشغول ہوگئے۔ ملوک سلاطین کے سامنے نہایت جرأت وبیباکی کیساتھ حق کو پیش کرتے اور ان کی اصلاح ودرستگی کرتے۔ چنانچہ وہ امراء وملوک وسلاطین جو ظلم وتشدد اور سفاکی پر کمربستہ اور انسانیت کے دشمن تھے جن کا شیوہ وشعار کمزوروں کی قتل وغارتگری تھا ان کو اپنی پند ونصیحت سے مسحور کر دیا کتنے بادشاہوں نے آپکے کلام کی تعظیم کی اور پند نامہ طلب کئے اُن کی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھنے لگے۔ اگر شیخ کسی بادشاہ کو قصیدہ لکھکر بھیجتے تو وہ بھی نصیحت سے پُر ہوتے۔ اسی لئے شیخ کے تمام قصائد میں پند ونصیحت ہی پائے جاتے ہیں۔ نیز شیخ سے اہل علم حقائق ومعارف کے دقائق، غوامض ونکات دریافت کرتے اور آپ ہر ایک کا جواب تحریر یا تقریر میں مرحمت فرماتے تھے۔

شاہی تعلقات شیراز آنے کے بعد جب شاہی تعلقات پیدا ہوگئے تو شیخ بادشاہ وقت کے درباریوں میں داخل ہوگئے۔ مدحیہ قصائد لکھے گلستاں اور بوستاں اسی کے نام سے معنون کی۔ لیکن شیخ کی آزاد مزاجی کی وجہ کر بادشاہ نے قدردانی نہیں کی۔ چنانچہ ایک قصیدہ میں ہلکی سی شکایت کی ہے[2] ؎

بہ دولت ہمہ افتادگان بلند شدند	چو آفتاب کہ بر آسماں برد شبنم
مگر کمینۂ آحاد بندگان سعدی	کہ سعیش از ہمہ بیش است وحظش از ہمہ کم

---

[1] یہ شیراز کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ ۱۲

[2] تذکرہ دولت شاہی ۱۲

خواجہ شمس الدین المتوفی ۶۸۳ھ وزیر اعظم ہلاکو خاں اور اُن کا بھائی علاء الدین دونوں شیخ کے مرید اور معتقد خاص تھے۔

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے پانچسو دینار بطور نذر کے اپنے غلام کے ہاتھ دار السلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ راہ میں غلام نے معمولی اغماض کے بھروسہ اس میں سے ڈیڑھ سو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سو شیخ کی خدمت میں حاضر کئے۔ شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان کے نامہ میں پانچسو لکھا ہے اور غلام نے ساڑھے تین سو دئے تو اس کی رسید میں یہ قطعہ لکھ کر بھیج دیا ؎

خواجہ تشریفم فرستادی و مال   مالت افزوں باد و خصمت پائمال

ہر یہ دینارت بلائے عمر باد   تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

صاحب دیوان نے یہ مضمون دیکھ کر غلام سے دریافت کیا اور زجر و توبیخ کی۔ اور رقم کی بابت تدارک مافات کر کے شیخ سے معافی کا طلبگار ہوا۔

اخلاق وعادات | نفحات الانس میں مذکور ہے کہ شیخ عالم صوفیوں میں تھے۔ علوم و آداب میں کمال مہارت رکھتے تھے اور بہت بڑے ماہر سیاست داں تھے اگرچہ ان کی شہرت طبقۂ علماء میں اس قدر نہیں جس قدر زمرۂ شعراء میں ہوئی ہے مگر ان کے کلام کا مطالعہ کیجئے حقیقت خود بخود واضح ہو گی

لیکن ان کی مخصوص حالت یہ ہے کہ وہ اس رتبہ پر مجاہدہ و ریاضت کے بعد پہنچے تھے۔ ان کی اصلی سرشت یہ نہ تھی۔ طفولیت سے شباب کے زمانہ تک ان میں ایسے اوصاف نظر آتے ہیں جو اُن کے عارض کمال کے داغ ہیں۔ یعنی خود بینی، حرف گیری، مشاجرت، مخاصمت وغیرہ وغیرہ ــــــ

لیکن ایک رفارمر اور مصلح کے لئے ان تمام مراحل سے گذرنا لازم تھا۔

شیخ بجد لطیف و ظریف طبع تھے ایک بار آپ ایک مکان کرایہ پر لینا چاہتے تھے۔ ایک یہودی پڑوس میں رہتا تھا اس نے کہا میں دو خرید کے میں اس مکان کی حالت سے خوب واقف ہوں۔ اس میں کوئی عیب نہیں۔ شیخ نے کہا بجز اس کے کہ آپ اس کے ہمسایہ ہیں

وفات حسرت آیات | شیخ نے اخیر عمر میں شہر سے بہت دور ایک زاویہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لیا تھا۔ رات دن وہاں قیام کرتے اور عبادت الٰہی و ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ سلاطین و امراء اسی آستانے پر حاضر خدمت ہوتے اور صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوتے۔ شیخ کے لئے تحائف بھی لاتے۔ شیخ کھا کر جو بچ رہتا ایک زنبیل میں ڈال کر دیوار سے لٹکا دیتے ؎

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

چونکہ شیراز سے اتابکان فارس کے خاندان کا خاتمہ ہو چکا اور ولایت فارس خاندان تاتار کے حکومت میں آگئی تھی۔ ارغون خاں اباقا آن خاں بن ہلاکو خاں کے عہد حکومت میں ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۶۹۱ھ ماہ شوال المکرم بروز جمعہ وفات پائی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

چونکہ تاریخ وفات "خاص" کے لفظ سے نکلتی ہے کسی شاعر نے شیخ کی وفات حسرت آیات کی مادہ تاریخ کو اس طرح موزوں کر دیا ہے ؎

در بحر معارف شیخ سعدی   کہ در دریائے معنی بود غواص

ز شوال روز جمعہ روحش   بدان درگاہ رفت از روی اخلاص

لہ ... تذکرہ دولت شاہی ۱۲   لہ سوانح سعدی میں ایسا ہی مذکور ہے ۱۲

یکے پرسید سال فوت گفتم
زخاصان بود ازاں تاریخ شد خاص
۶۹۱

آپ کا مزار پُر انوار مقام دلکشا سے ایک میل جانب مشرق پہاڑ کے نیچے واقع ہے اور اب سعدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ہفتہ میں ایک متعین ہے لوگ زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

بعض غلط منسوبات جواہر الاسرار میں تحریر ہے کہ شیخ سعدی پٹھان اغلمش کے وقت میں دو مرتبہ خاص امیر خسرو سے ملنے دہلی آئے۔ لیکن یہ بیان بالکل بے سروپا ہے۔ بایں وجہ کہ اغلمش نامی کوئی بادشاہ ہندوستان میں نہیں ہوا۔ شاید سہواً التمش کی جگہ اغلمش لکھدیا۔ اور شیخ کا گلستاں میں یہ کہنا کہ "سرہنگ زادہ را بر در سرائے اغلمش دیدم" یہاں کا واقعہ نہیں۔ ہندوستان میں نہ تو کوئی اغلمش اور نہ سرائے اغلمش سنی گئی۔ شیخ نے صرف ایک بار مغربی ہندوستان کا دورہ کیا جیساکہ سیر و سیاحت کے بیان میں لکھ چکا ہوں۔

شیخ سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات ثابت ہی نہیں ہے۔ امیر خسرو کی ولادت ۶۵۱ھ ہے۔ اور شیخ کی عمر اس وقت ۷۰ سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اب اگر امیر خسرو کی شہرت بالفرض ۲۵ برس کی عمر میں ایران تک پہنچ گئی تو اس وقت شیخ کی عمر سو برس کی ہونی چاہئے۔ تو ایک سو برس کا شیخ جو شاعری میں یگانۂ وقت اور مقبول خواص و عوام ہو ایک ۲۵ سال کے لڑکے کی شہرت سن کر ایران سے ہندوستان آئے کیوں کر خیال میں آسکتا ہے۔

مستند تاریخی کتابوں سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے فرزند محمد سلطان ناظم ملتان المتوفی ۶۸۳ھ نے شیخ کو دو بار ہندوستان آنے کی دعوت دی اسوقت خسرو محمد سلطان کے مصاحبوں میں تھے لیکن شیخ معمر ہونے کے سبب نہ آسکے اور اپنے دونوں دیوان اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجے اور خسرو کے متعلق یہ لکھ دیا کہ اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہئے۔

ہندوستان کے سفر کا ایک واقعہ شیخ نے بوستاں میں سومنات کی مندر سے متعلق لکھا ہے۔ مگر اسلوب بیان کچھ ایسا ہے کہ سرے سے اصل واقعہ مشتبہ ہو جاتا ہے نیز اس واقعہ میں بہت سے شکوک و اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے شیخ کا بیان کہ بت ہاتھی کے دانت کا بنا ہوا تھا حالاں کہ ہاتھی کے دانت کو ہندو پوتر نہیں سمجھتے۔ تو پھر کیسے بت بناسکتے ہیں۔ برہمنوں کو کہیں مطران اور کہیں گبر لکھا ہے حالاں کہ مطران عیسائیوں کے پادری کو کہتے ہیں۔ نیز یہ کہنا کہ برہمن پاژند پڑھتے تھے حالاں کہ یہ پارسیوں کا ایک صحیفہ ہے۔ اس کے علاوہ اصل واقعہ بھی بعید از قیاس ہے۔ واللہ اعلم کس طرح اور کیوں کر کسی واقعہ کو شیخ نے لکھدیا ہے۔

مرزا رفیع سودا نے شیخ کے تذکرہ میں لکھا ہے سعدی شیرازی پہلا شخص ہے جس نے ہندوستانی زبان ریختہ میں جبکہ وہ سومنات اور گجرات میں آیا شعر کہا مگر یہ بے بنیاد نسبت اور مغالطہ ہے۔ اور وجہ مغالطہ یہ ہے کہ دکن میں بھی ایک شاعر تخلص بہ سعدی اس زمانہ میں گذرا ہے۔ اُس وقت ریختہ کی بنیاد شروع ہوئی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس کی وفات کو تقریباً چار سو برس گذر چکے۔ اُسی نے سب سے پہلے ریختہ میں شعر کہا۔ اس کا یہ تین شعر مشہور ہے ؎

لہ حیات سعدی ۱۲

المجیب پھلواری شریف سنہ ۱۳۲۱ شعبان سنہ ۱۳۰۲ھ

قسم جو دیدم بدخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے — گفت کہ کہے بادرے اس ملک کی یہ ریت ہے
ہم نے تمہیں کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا — ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے

سعدی بگفتا ریختہ در ریختہ دُر ریختہ
شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

تصنیفات و تالیفات

شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی حیثیت ایک دبستان ادب کے مثل تھی آپ کی موت دبستان ادب کی موت ہے۔ آپ نے قلت وقت اور عدیم الفرصتی کے باوجود فارسی زبان کی جو عدیم المثال خدمت انجام دی ہے وہ ناقابل فراموش اور اُس کی افادیت ناقابل انکار ہے۔ آپ کی تصنیفات حیات جاودانی کی ضامن ہیں۔

کلیات شیخ سعدی کا قدیم ترین قلمی نسخہ کتب خانہ دیوان ہند[1] (India office) میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۱۱۷ ہے۔

ابوبکر بن علی بن محمد نے کلیات شیخ کو ان کے وفات سے ۳۴ سال اور بقول دیگر ۲۶ سال بعد اول رجب المرجب سنہ ۷۲۶ھ میں بالترتیب جمع کیا۔ اہل یورپ نے مختلف زبانوں میں اور مختلف مقامات پر شیخ کے تصنیفات کے ترجمے اور متن و شرح اور فرہنگ شائع کیے۔

کلیات سعدی کا قدیم ترین نسخہ قلمی جو مجھے خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دستیاب ہوا اس کی ترتیب کے مطابق اسماء تصنیفات حسب تفصیل ذیل درج کرتا ہوں۔

گلستاں

اس کا متن[2] مع انگلش بمقام کلکتہ (Calcutta) سنہ ۱۸۰۶ء مع فرہنگ بمقام ہرٹ فرڈ (Hert ferd) سنہ ۱۸۵۰ء و سنہ ۱۸۶۳ء بلا فرہنگ بمقام لندن (London) سنہ ۱۸۷۴ء میں طبع ہوا۔ اور ترجمہ در زبان فرنچ بمقام گیارس (Gayares) سنہ ۱۶۳۱ء و سنہ ۱۷۰۴ء و سنہ ۱۷۸۹ء و سنہ ۱۸۵۸ء و سنہ ۱۸۶۱ء و سنہ ۱۸۵۵ء و در زبان جرمن بمقام سٹنگارٹ (Stenggart) سنہ ۱۸۲۱ء بمقام شیلسوگ (Shal sog) سنہ ۱۶۵۴ء بمقام ہامبرگ (Hamberg) سنہ ۱۸۲۲ء بمقام لیپزیک (Lapzek) سنہ ۱۸۶۴ء بمقام لندن (London) سنہ ۱۸۳۳ء و سنہ ۱۸۲۳ء و سنہ ۱۸۹۰ء بمقام ہرٹ فرڈ (Hert ferd) سنہ ۱۸۵۲ء بمقام ٹاسکو (Tasko) سنہ ۱۸۵۵ء بمقام وارسا در زبان روس (Warsa) سنہ ۱۸۷۹ء شائع ہو چکے ہیں۔ اور در زبان ترکی قسطنطنیہ میں سنہ ۱۸۷۴ء و سنہ ۱۸۷۶ء میں شائع ہوا۔ اور در زبان عربی بمقام بولاق سنہ ۱۲۶۳ھ میں چھپا۔

بوستاں

اس کا متن لندن (London) سنہ ۱۸۹۱ء بمقام ویانا (Dayana) سنہ ۱۸۵۰ء اور ترجمہ در زبان جرمن بمقام جینا (Janyna) سنہ ۱۸۵۰ء بمقام وائنا (Waiena) سنہ ۱۸۵۲ء بمقام لیپزیک (Lapzek) سنہ ۱۸۸۲ء در زبان فرنچ بمقام گیارس (Gayares) سنہ ۱۸۸۰ء در زبان انگلش بمقام لندن (London) سنہ ۱۸۸۲ء میں چھپ چکے ہیں۔

قصائد عربیہ

---

[1] [2] ماخوذ از شعرالعجم ج ۲ – ۴۲

قصائد فارسیہ | اس کی انیس قصائد کے ایچ گراف (K.H. Grafe) نے ترجمہ کر کے جرمن میں شائع کیا۔

مرثیات | اس کے چند مراثی (K.H. Grafe) نے ترجمہ کر کے جرمن میں شائع کیا۔

ملمعات |

ترجیعات |

طیبات | اس کی چودہ غزلیں کے ایچ گراف نے جرمن سے ترجمہ کر کے شائع کیا۔

بدائع | اس کی دس غزلیں کے ایچ گراف نے جرمن سے ترجمہ کر کے چھپوایا۔

خواتیم | اس کی سات غزلیں کے۔ ایچ گراف کا ترجمہ جرمن سے شائع ہوا۔

غزلیات قدیم |

صاحبیہ | اس کا ترجمہ (Bachee) نے بمقام اسٹرابرگ ۱۸۷۹ء کو شائع کیا۔

مقطعات |

رباعیات | اس کی چند رباعیات کا (K.H. Grafe) نے ترجمہ شائع کیا۔ **مثنویات** |

مفردات | اس کو لاڈش نے شائع کیا۔ **مطائبات** | **ہزلیات** |

بقیہ اردو کا مستقبل :

میں اکتوبر ۱۹۷۱ء میں اردو رسالوں اور اخبار کے نمائش کی افتتاح کرتے ہوئے دہلی میں کیا تھا۔

پھر بھی اس زبان کو مٹانے کی تمام کوششیں الٹی پڑتی جا رہی ہیں۔ باوجود چند اداروں کی شدید مخالفت اور حکومت کی عدم توجہی بلکہ رکاوٹ کے اردو زبان نے حصول آزادی کے چند سالوں کے اندر جس سرعت سے ترقی کیا ہے اس کا اندازہ اس امر سے ظاہر ہے کہ پنجاب، دہلی، یوپی، سی پی، بمبئی، بہار اور بنگال میں جتنے اردو اخبارات روزنامے [illegible]۔ اور ہفتہ وار آزادی کے پہلے نکلتے ہے، اسکی تعداد آزادی حاصل ہونے کے [illegible] کوئی اور چوگنی ہو گئی ہے۔ ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہوار رسالوں کی تعداد بھی سینکڑوں کی تعداد میں بڑھ گئی ہے۔

اردو زبان کسی فرقہ یا اقلیت کی زبان نہیں ہے۔ یہ تو عوامی زبان ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اردو زبان میں [illegible] ماہ [illegible] اور [illegible] ہیں (۲) اس اکثر دیشتر کے مالک واڈیٹر غیر مسلم اہل قلم ہیں۔

یہ روز روشن [illegible] ثابت کرتی ہیں کہ اردو کا مستقبل آزاد ہندوستان میں تاریک نہیں بلکہ بہت زیادہ روشن ہے۔ اردو زبان [illegible] زبان کے بیشتر صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے جو خصوصی امتیاز ہندوستان کی اور کسی زبان کو حاصل نہیں ہے۔ بیرونی ملکوں میں بھی یہ زبان بہت [illegible] سمجھی اور پسند کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ دن دور نہیں جب اردو زبان [illegible] میں تسلیم کر لی جائے گی

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آزاد ہندوستان میں اردو کا مستقبل

(از جناب محمد ایوب انصاری، کھتاپور (دربھنگہ)

کسی کے مستقبل کا صحیح جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماضی اور حال کو بھی پیش نظر رکھا جائے کیونکہ ماضی اور حال ہی تو مستقبل کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

زبانیں فطرتاً پیدا ہوتی ہیں اور ان کا ارتقا ضرورت کے لحاظ سے نسلاً بعد نسلاً ہوتا رہا ہے۔ دنیا کے کسی حصے میں بھی کوئی حکومت آج تک کوئی زبان بنا سکی ہے اور نہ جو زبان رائج ہے اسکو مٹا سکی ہے۔ حکومت کا کام زبان کے متعلق صرف اسقدر ہے کہ وہ اپنا دفتری کام ملک کی مروجہ زبان یا زبانوں میں کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اس پر یہ قبیح الزام عاید ہوتا ہے کہ اسے عوام کے سہولت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

تقریباً پانچ چھ سو سال کا عرصہ ہوا کہ اردو زبان ہندو مسلمان کے میل جول سے ہندوستان کی سرزمین میں پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ پھلتے پھولتے سارے ہندوستان میں چھا گئی۔ اسکی پیدائش اور ترقی میں ہندو، مسلمان اور ہندوستان کے دوسرے باشندوں کا یکساں ہاتھ ہے۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جیسے بنگال میں بنگلہ، گجرات میں گجراتی اور جنوبی ہندوستان میں تامل، تلگو وغیرہ۔ لیکن اردو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی رہی۔ کیونکہ اردو زبان تمام زبانوں کی آمیزش سے بنی ہے۔ جب ۱۸۳۵ء میں حکومت کی دفتری زبان فارسی سے اردو ہوئی تو ہر کس و ناکس نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

مہاتما گاندھی ہندوستان کے آزاد ہونے کے قبل برابر یہ کہتے رہے کہ ہندوستان کی زبان "ہندوستانی" ہوگی اور "ہندوستانی" کی تشریح وہ یہ کرتے رہے کہ شمالی ہندوستان میں جو زبان بولی جاتی ہے، وہی زبان "ہندوستانی" ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ رسم خط اس کا اردو اور دیوناگری ہوگا۔ ظاہر ہے کہ شمالی ہندوستان میں اردو بولی اور لکھی جاتی تھی۔ سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں یہی زبان رائج تھی۔

صرف یہی نہیں بابائے اردو، مولانا عبدالحق اور اُس دور کے ایک عظیم کانگریسی نیتا اور ہندوستان کے سابق صدر آنجہانی ڈاکٹر راجندر پرشاد کے درمیان جو زبان کے متعلق معاہدہ ہوا تھا، اُسے ہم گاندھی جی کے قول کی ترجمانی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب ہندوستان دو حصوں میں بٹ کر آزاد ہوا تو اس تقسیم کا اثر بدقسمتی سے اُردو زبان پر بہت کاری پڑا۔ مہاتما گاندھی حکومت کی مشنری سے الگ رہے اور حکومت کا نظام دوسروں کے ہاتھ میں رہا۔ اور شاید ان لوگوں کی نظر میں داستانِ ماضی کی کوئی قدر نہ تھی۔

ہندوستان کے دستور میں گرچہ اردو کو ایک زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہاں کی زبان ہے، کن لوگوں کی زبان

ہے؟ کہاں بولی اور لکھی جاتی ہے؟ ان سوالات کو حل کرنے کے لئے سر فضل علی کی سرکردگی میں اسٹیٹ ری آرگنائزیشن کمیشن مقرر ہوئی تھی۔ اس کمیشن نے اردو کا جنازہ ہندوستان کی سرزمین سے، اپنی رپورٹ میں یہ لکھکر نکالنے کی کوشش کی کہ اردو ہندوستان کے کسی صوبہ یا علاقہ کی زبان نہیں ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد سابق مرکزی وزیر تعلیم جن کے اردو ادب و انشاء پر ہندوستان جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ وہ بھی حکومت کا قلمدان عقد سنبھالنے کے بعد اردو کی جانبداری کے لئے کچھ نہ کر سکے بلکہ انہوں نے حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی کو اردو یونیورسٹی سے ہندی یونیورسٹی کردیا۔

ہر کس از دست غیر نالاں کند　　ع
سعدی از دست خویش فریاد

ان چوٹوں کو شاید اردو زبان فراموش نہ کرسکے گی۔

آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو، سابق وزیر اعظم ہند بھی خود پلیٹ فارم اور مسند ایوان سے یہ کہتے آئے کہ اردو زبان ہندوستان کی وہ عام فہم زبان ہے جسکے اخبارات اور جریدے ملک کے قریب قریب ہر صوبے سے کافی تعداد میں نکلتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اردو کے مخالف اپنی جنگ جو اردو زبان کے خلاف کرتے ہیں) وہ بھی اردو اخباروں کے ذریعہ ہی کیا کرتے ہیں۔

مشرقی پنجاب میں تقسیم ہند کے بعد بہت کم مسلمان رہ گئے ہیں لیکن اخبارات اور جریدے جو آزادی کے قبل نکلتے تھے، اس سے کہیں زیادہ اب نکل رہے ہیں۔

سر تیج بہادر سپرو جو ہندوستان کے چوٹی کے مدبروں میں گذرے ہیں انہوں نے کہا تھا "اردو زبان ہندو مسلمان کے اتحاد و اتفاق کا ایک مقدس ورثہ ہے جو نسلاً بعد نسلاً ہم لوگوں تک پہونچا ہے۔ اس کے تحفظ اور بقا کی کوشش کرنا ہر ہندوستانی کا قومی فریضہ ہے۔" تعجب کہ ہندوستان کے جس صوبے نے جواہر لال نہرو اور سر تیج بہادر سپرو جیسا اردو کا دلدادہ پیدا کیا، اسی سرزمین نے راج رشی پرشوتم داس ٹنڈن اور ڈاکٹر سمپورنانند جیسے اردو کے مخالف کو بھی پیدا کیا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا　　ع

گرچہ اسوقت تک اردو زبان کو حکومت کی دفتری زبانوں میں جگہ دلانے میں تمام کوششیں ناکام ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اردو کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ جس سے ہندوستان کی کل زبانیں استفادہ کرتی ہیں۔ تعلیم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اسکی نمایاں تعداد کتابیں موجود نہ ہوں۔ قانون کی جتنی کتابیں ہیں اس کا سلیس اور عام فہم ترجمہ اردو ہی میں ہوا ہے جس کے ذریعہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عدالتوں میں کام لیا جاتا ہے۔ آرٹس اور سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اردو کی عام فہم مستند کتابیں نظامیہ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجود نہ ہوں۔ اردو زبان کی سلاست، شیرینی اور عام فہمی کلیدے سے کہ دوسرا کہیں بھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ طویل سے طویل مضمون اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو اردو زبان قلیل سے قلیل الفاظ میں ادا کر دیتی ہے اور شعر کی طرح بہت کم جگہ لیتی ہے۔

اردو زبان کی ترقی کیلئے ریاستوں یا مرکز کے ذریعہ کبھی کوئی خاص امداد نہیں ملی۔ جسکا اقرار خود پنڈت جواہر لال نہرو نے کئے لفظوں

افادات

لمعات بدریہ

از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری پھلواری قدس اللہ سرہ

ایصال ثواب میں تقسیم؟

(۳)

میں کہتا ہوں کہ جب دوسری جگہ خدائے کریم نے بلا تعیین تعداد مطلقاً فرمایا ہے وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ اور سات سو گنا زیادہ ہونے کے بعد بھی يُضَعِّفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً فرمایا۔ جس کی کوئی حد نہیں تو قرأۃ کا ثواب کثیر میت کے ارواح کو پہنچانے میں اس کا اضعاف کثیرہ ہو کر ہر ایک میت کو کامل ثواب پہنچے کی میں کیوں نہ امید کروں۔ مزید برآں احادیث جو اوپر لکھی گئی ہیں وہ سب بھی ہمارے قول کی مؤید ہیں کہ ثواب مضاعف ہو کر کامل ہی پہنچے گا۔ جز و تقسیم نہ ہو گا۔

اس کتاب میں ایک مضمون خاص ہے، جو اس وقت تک دوسری کتاب میں مجھے دیکھنے میں نہیں آیا وہ یہ کہ صفحہ ۱۰۴ میں نواب صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

و محرر سطور از طرف والدین و برادر کلان خود و ہر دو خواہر خود حج بیت اللہ و زیارت مسجد و مزار مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنانید۔

اور ان سطروں کے لکھنے والے (یعنی نواب صاحب) اپنے والدین اور بڑے بھائی اور دونوں بہنوں کی طرف سے حج بیت اللہ اور مسجد نبوی اور مزار مبارک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی۔

یہ عبارت بتاتی ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے زیارت مسجد شریف نبوی اور روضہ منورہ دونوں کو ان افعال حسنہ میں شمار کیا ہے جن کا ثواب اموات کی ارواح کو پہنچایا جاتا ہے۔ بظاہر اس کے دلائل میں سے ایک یہ دلیل ہو سکتی ہے۔ جس کو قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تذکرۃ الموتی والقبور میں ابن ابی شیبہ سے بروایت حجاج بن دینار نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے میں سے یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھو اور اپنی طرف سے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے بھی صدقہ کرو۔ دوسرے یہ کہ امتناع کے بعد زیارت قبور کا حکم فرمایا گیا اور اوامر نبوی کل خیر ہیں۔ پھر امور خیر کا فاعل مستحق ثواب ہے۔ اور ثواب کے جتنے کام ہیں اموات کی ارواح کو ہدیہ کئے جاسکتے ہیں۔ جیسا سید محمد اسمٰعیل امیر یمانی کا قول اسی کتاب کے صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں:۔

علمت قوۃ القول بانہ یصل الی المیت کل ما اھدٰی لاالہ الحی من قربۃ من صلوۃ وصیام وتلاوۃ القرآن وحج وغیر ذلک من کل ما یوجب علیہ العبد ویجعلہ لاخیہ من باب الاحسان والصلۃ والبر	(دلائل مذکورہ) سے اس قول کا قوی ہونا تم نے جان لیا کہ میت کو پہنچتا ہے۔ جو کچھ اس کے لئے زندہ ہدیہ کرے عبادات کی اقسام سے نماز روزہ تلاوت قرآن مجید وحج اور اس کے سوائے جس چیز کا اجر بندہ پاتا ہے احسان وصلہ وبر کی قسم سے اور اسے میت کو ثواب پہنچنے کی غرض سے کرے۔

جب ماجور ہونے کے ہر فعل کا ثواب آدمی کسی میت کو پہنچا سکتا ہے۔ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کی زیارت کا ثواب بھی ہدیہ کرسکتا ہے۔ کیونکہ زائر بھی ماجور ومثاب ہے۔

تیسرے یہ کہ زیارت روضہ منورہ کے وقت زائر صلاۃ وسلام پڑھتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجنے کا ثواب احادیث سے منصوص ہے۔ نواب صاحب نے اس وقت کے صلاۃ وسلام پڑھنے کا ثواب پہنچایا ہو تو ہوسکتا ہے۔ مگر مجرد درود وسلام کا ثواب ان اموات کو پہنچانے کا نام زیارت مسجد شریف مزار مبارک نہ رکھا ہوگا۔ البتہ زیارت مع صلاۃ وسلام پڑھنے کا ثواب مقصود رکھا ہوگا اور خود کیا ہو یا کسی دوسرے کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہو۔ انہوں نے اپنے والدین اور برادر اور دو بہنوں کو اس کا ثواب پہنچایا یہ اس عبارت سے ثابت ہے۔

حج بدل اموات کی طرف سے ہزاروں آدمی کراتے ہیں۔ لیکن مسجد شریف نبوی اور روضہ انور کی زیارت اموات کی طرف سے کرانا کسی دوسرے کا فعل نہ کسی کتاب میں میری نظر سے گذرا اور نہ ایسا کرتے کسی کو سنا۔

نواب صاحب مرحوم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے۔ کنواں مسجد مہمان سرا بنایا جس سے اموات کو ثواب پہنچانے میں ان کا حریص ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کو اہدائے ثواب پر اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے۔

اب میں ان کے اقوال لکھتا ہوں جنہوں نے صریح الفاظ میں لکھا ہے کہ ثواب جس طرح ایک میت کو پہنچیگا اسی طرح یعنی اس کے برابر اگر اس ثواب میں زیادہ اموات کے نام بڑھادے گا، تو سب کو برابر پہونچے گا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔

معلوم شدہ است کہ اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر مومناں را شریک سازد بہمہ برسد وازاں شخص	معلوم ہوچکا ہے کہ اگر میت کی روح پر تصدق کرنے کے بعد (اسی میں) کل اہل ایمان (اموات) کو شریک کردے

کہ میت او دادہ بود، ہیچ نقصان نکند اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۔ (انتہی)

تو سب کو پہنچے گا اور جس میت کے ثواب کی نیت سے صدقہ کیا تھا۔ اس سے کچھ کم نہ ہوگا۔ بدلیل اس آیت کے اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۔ (انتہی)

طحطاوی حاشیہ درمختار کے اندر باب صلوٰۃ الجنائز میں سورہ یٰسین مقبرہ میں پڑھنے کی روایت کے بعد امیر غنی کی شرح صلاۃ ابن مشیش رحمہ اللہ سے اور وہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔

اذا قرء المومن آیۃ الکرسی وجعل ثوابھا لاھل المقابر ادخل اللّٰہ تعالیٰ فی کل قبر من المشرق والمغرب نوراً۔

جب مومن آیۃ الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب اہل مقابر کو بھیجے، تو اللہ تعالیٰ ہر قبر میں مشرق مغرب سے نور داخل کرے۔

اس کا آخر حصہ قاری کے اجر میں یہ ہے۔

ورفع لہ بکل میت درجۃ وکتب لہ بکل میت عشر حسنات

اور کل میت کی تعداد سے اس پڑھنے والے کا درجہ بلند کرے اور اس کے لئے ہر میت کی تعداد سے دس دس نیکیاں لکھے

ہر میت کو ثواب کامل پہنچا ہے۔ اس لئے ان کی تعداد کے موافق قاری کے درجات بلند کئے گئے ہیں اور ہر ہر میت کو ایک ایک نیکی کامل پہنچی ہے۔ اس لئے ہر ہر نیکی پر اس پڑھنے والے کے لئے دس دس نیکیاں مقرر کی گئی ہیں۔ موافق آیۃ کریمہ کے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔ اس کے بعد طحطاوی لکھتے ہیں۔

قال، فظاھرہ ولو کان فی بیتہ وفضل مولانا لایحصر۔

کہا اور ظاہر روایت کا یہ ہے کہ اگرچہ مکان میں پڑھا ہو اور وہیں سے ثواب ہدیہ کیا ہو اور ہمارے مولیٰ (خدائے کریم) کی بخشش کی انتہا نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ طحطاوی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ہمارے مولا خدائے کریم کی بخشش کی انتہا نہیں یہ بے انتہا بخشش رفع درجہ وتضاعف حسنات کی قاری کو شامل ہے۔ خواہ وہ کسی مقبرہ میں جاکر پڑھے یا بغیر مقبرہ میں جانے کے گھر بیٹھے مذکورہ قرأت کا ثواب پہنچائے رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۔

اور علامہ ابن عابدین معروف شامی رحمہ اللہ ردالمحتار میں لکھتے ہیں۔

وفی کتاب الروح للحافظ ابی عبد اللہ الدمشقی الحنبلی الشھیر بابن قیم الجوزی ما حاصلہ انہ اختلف فی اھداء الثواب الی الحی فقیل یصح لاطلاق قول احمد یفعل الخیر

اور حافظ ابو عبد اللہ دمشقی حنبلی مشہور ابن قیم جوزی کی کتاب الروح میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زندہ کو ثواب ہدیہ کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ تو بعض نے کہا کہ صحیح ہے امام احمد رحمہ اللہ کے قول کے مطلق پر کہ خیر کرے اور اس کا

ویجعل نصفه لابیه اوامه وقیل لا ....
کما نص علیه احمد ولا مانع منه ویوضحه
انه لو اهدی الکل الی اربعة یحصل لکل
منهم ربعه فکذا لو اهدی الربع لواحد وابقی
الباقی لنفسه ملخصا قلت لکن سئل ابن
حجر المکی عما لو قرأ لاهل المقبرة الفاتحة
هل یقسم الثواب بینهم اویصل لکل منهم
مثل ثواب ذلک کاملا فاجاب بانه افتی
جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل۔

... ...

... ...

... ...

... ...

نصف ثواب اپنے باپ یا ماں کو بخش دے ...... اور بعض نے کہا ہے کہ صحیح نہیں ۔ اور صحیح ہے نصف ثواب کا ہدیہ کرنا یا چوتھائی کا۔

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے صراحۃً کہا ہے اور اس کا منع نہیں اور آپ نے واضح کر دیا ہے ۔ یہ کہ اگر کل چار شخص کو دیدے، تو ہر ایک کا حق ان میں سے چوتھائی ہوگا، تو اسی طرح اگر ایک شخص کو چوتھائی ہدیہ کرے اور باقی کو اپنے پاس باقی رکھے (تو جائز ہے) الخ ملخصاً (شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں ابن حجر مکی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اہل مقبرہ کے واسطے فاتحہ پڑھے تو کیا ان کے درمیان اس کا ثواب تقسیم ہوگا یا مثل اس کے ہر ایک کو ثواب کامل پہنچے گا، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ جمع علماء نے ثانی یعنی کامل پہنچنے کا فتوی دیا ہے اور یہ فتوی ہی فضل خداوندی کی وسعت کے لائق ہے۔

شامی رحمہ اللہ نے اس جگہ ابن قیم رحمہ اللہ کے قول کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر کے قول سے ان کے اس قول کو کہ نصف یا چوتھائی ثواب پہنچے گا، رد کر دیا ۔ اور ظاہر اور ثابت کر دیا کہ علماء کا یہی فتوی ہے کہ ثواب کامل پہنچے گا۔ اس کے خلاف کہنے والے شاذ ہیں۔ جمع کے مقابلہ میں ان کا اعتبار نہیں۔ کامل ثواب پہنچنے کی جتنی دلیلیں لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہیں، جو بخوف طوالت مضمون لکھی نہ گئی۔ اس پر یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ ثواب مادّی چیز نہیں ہے ۔ جو تقسیم ہو سکے وہ ایک کیفیت ہے، جو کہ جز و تقسیم ہونے کے قابل نہیں وَاٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ و حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین ـــ میرے معزز و کرم سائل نے اپنے عنایت نامہ کے اندر جس قلم سے لکھے جانے کی فرمائش کی تھی اسی قلم سے لکھا گیا ہے۔ اور جس رسالہ کی نسبت استفسار فرمایا ہے وہ چھپا نہیں ہے۔ قلمی نسخہ بھی ایک ہی ہے ۔ اگر کبھی غریب کدہ کو اپنے شرف قدوم سے عزت بخشیں، تو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ والسلام۔

(محمد بدر الدین قادری)

ادب

غزل

(از جناب حکیم سید یوسف صاحب رضوی ـــ پھلواروی)

جب سایہ فگن میخانے پر گھنگھور گھٹا ہو جاتی ہے ۔۔۔ پیمانے چھلکنے لگتے ہیں مئے بارِ فضا ہو جاتی ہے

تکمیل محبت کیا ہوگی، ہاں رسم ادا ہو جاتی ہے ۔۔۔ مِل جُل کے بہم جب بیٹھتے ہیں کچھ یادِ وفا ہو جاتی ہے

مستی میں کچھ ایسا ہوتا ہے رندانِ سبو کش کا عالم ۔۔۔ جو بات بھی منہ سے نکلتی ہے مقبولِ دعا ہو جاتی ہے

گمراہی نہیں منزل کا پتہ لے جذبۂ شوق سے کام اے دل ۔۔۔ سرگشتگیٔ رہرو کی اک دن خود راہ نما ہو جاتی ہے

کیا خون کا دعویٰ کوئی کرے شاہد ہی جب اپنا ساتھ نہ دے ۔۔۔ رنگینیٔ خونِ بسمل بھی ہم رنگِ حنا ہو جاتی ہے

ہم درد کے ماروں کو یوسف کچھ کام نہیں ہے درماں کا

خود خاکِ درِ جانانہ کی داروئے شفا ہو جاتی ہے

غزل

(از جناب قاری محمد داؤد طالب پھلواروی)

بہ مجبوری زمیں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے
جو کہلاتا ہے ہم سے باغباں کہنا ہی پڑتا ہے

ستمگر تجھ کو مشفق مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے
ترے ظلموں کو بھی راحت رساں کہنا ہی پڑتا ہے

مصیبت کو کبھی تعبیر کر لیتے ہیں راحت سے
قفس کو ہم صفیر و گلستاں کہنا ہی پڑتا ہے

ضرورت کس طرح مجبور کر دیتی ہے انساں کو
کسی نامہرباں کو مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

نہ ہونا عندلیبانِ چمن سے بدگماں ہرگز
کہ تجھ سے باغباں سود و زیاں کہنا ہی پڑتا ہے

جگہ دینی ہی پڑتی ہے نگاہِ ناز کو دل میں
ترے ناوک کو بھی آرام جاں کہنا ہی پڑتا ہے

کسی کی یاد سے فرقت میں دل کو شاد رکھتا ہوں
غم جاناں تجھے راحت رساں کہنا ہی پڑتا ہے

سہارا ایک تنکے کا بہت ہوتا ہے اے طالب
کہ جگنو کو چراغ آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے

غزل

(از جناب رخشاں ابدالی کراچی)

کہنے کو وہ نہاں رہے، پھر بھی عیاں رہے
ان کی نشاں دہی کو ہزاروں نشاں رہے

جلوؤں میں تیرے محو جو ہو، پھر کہاں رہے
پیشِ یقیں، مجال نہیں ہے گماں رہے

جب تک چلے زباں ترا ہی بیاں رہے
جب لب کھلے تو اس پہ تری داستاں رہے

ہو جلوہ گر جو حسن حقیقت بصد جمال
پھر یہ حجاب ہستی وہی کہاں رہے

کیا خوب ہیں شگفتہ یہ گلہائے داغ دل
یارب! ہرا بھرا یونہی یہ گلستاں رہے

سینہ ہو داغ داغ تمنائے دوست میں
الفت کی یادگار تو کوئی نشاں رہے

رخشاں! ہے تیرہ زنگِ خودی سے یہ آئینہ
اس میں شبیہہ دوست کا پرتو کہاں رہے

غزل

(از جناب ناصر خاں صاحب آزاد، محمد آبادی)

طور کا ذکر بھی ہوتا نہیں میخانے میں
خود یہاں اتنے ہیں جلوے مرے پیمانے میں

کوئی ہوگا مرے تیور کا نہ میخانے میں
توبہ کے ٹکڑے ہیں رکھے مرے پیمانے میں

سیکڑوں مست ہیں ساقی ترے پیمانے میں
کوئی اترا بھی ہے پورا ترے پیمانے میں

ہے کرم سے ترے سب رندی و مستی ساقی
ورنہ کیا رکھا ہے اس شیشہ و پیمانے میں

جانے کب چھوٹ کے ہاتھوں سے گرا پیمانہ
آج اتنا بھی نہیں ہوش ہے دیوانے میں

وہ بلا نوش ہوں، خم ہی سے پیا کرتا ہوں
منہ لگاتا نہیں میں چھوٹے سے پیمانے میں

دختر رز یہ ہے پریوں کا پڑا کیا سایہ
ہوش اڑنے لگا کیوں ایک ہی پیمانے میں

ان کی مست آنکھوں میں یوں ہوتی ہیں میری آنکھیں
جیسے پیمانہ کو رکھ دے کوئی پیمانے میں

اپنے ہی جام و سبو لیتے ہیں جیسے بھی ہوں
رند پیتے نہیں اغیار کے پیمانے میں

اللہ اللہ مری بادہ کشی کے انداز
توبہ منہ چومنے خود آ گئی میخانے میں

جھومتی ہے جو صراحی تو سبو ہے رقصاں
شاید آزاد چلے آئے ہیں میخانے میں

قطعات تواریخ تعمیر جدید کتب خانہ مجیبیہ بدریہ پھلواری شریف

(از ابو اللسان حافظ عبد الرحمٰن بسمل سنہار دی گیاوی)

ایں کتب خانہ زعہد حضرت پیر مجیب — ہست قائم از کرمہائے خداوند مجید
باز نو تعمیر ایں شاہ امان اللہ کرد — حق کند از نعمت دنیا و دیں اش مستفید
گفت بسملؔ در سنین عیسوی سال بنا — زینت دار الکتب افزود تعمیر جدید

۱۹۶۴ء

دیگر

(از جناب مولوی حافظ محمد شہاب الدین صاحب امام و خطیب جامع مسجد گیا)

یہ جو کتاب خانہ بنایا حضور نے — کیا خوب بے نظیر ہے اور دیدہ زیب ہے
بے روئے ارتیاب لکھا سال عیسوی — تعمیر مکتبہ کی بہت دلفریب ہے
۱

۱۹۶۴ء

دیگر

(از جناب حکیم سید یوسف صاحب، پھلواروی)

تعمیر نو ہوئی ہے کتب خانہ کے لئے — مدت سے تھا خیال، ضرورت شدید ہے
یوسفؔ بنا کا سال ہے بے روئے اشتباہ — بہر کتاب خانہ بنائے جدید ہے

۱۳۸۴ھ

دیگر

شد چو تعمیر ایں کتب خانہ — بہر سالش بدل خیال آمد
سر فگندیم از پے تاریخ — مخزن النادرات سال آمد

۱۳۸۴ھ

کوائف و حقائق

لالہ و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ——— کچھ دوسروں کی ———

عالمی مسیحی کانفرنس :-

بمبئی میں ہونے والی عالمی مسیحی کانفرنس ختم ہو گئی۔ یہ کانفرنس کئی معنوں میں ہندوستان کے لئے بہت ہی اہم تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس میں تمام دنیا کے کچھ نہ کچھ کیتھولک عیسائی جمع ہوئے بلکہ خود عیسائیوں کے سب سے بڑے روحانی پیشوا پاپائے روم (اسقف اعظم) بھی خود شریک ہوئے۔ ہندوستان کی سرزمین پر پہلی بار انہوں نے قدم رکھا اور اسی لئے ان کے شایان شان ہندوستانی عوام نے ان کا استقبال بھی کیا۔ ہندوستانی عوام مہمان نوازی میں شہرت رکھتے ہیں۔ یہاں بھی اس کا بھرپور مظاہرہ ہوا اور لاکھوں عوام نے ان کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں۔ کئی دنوں تک کانفرنس چلتی رہی۔ ہندوستانی رہنماؤں نے بھی پوپ پال سے ملاقاتیں کیں۔ نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے انہیں ہوائی اڈہ پر پرجوش آمدید کہا۔ وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ نے بھی ان سے ملاقاتیں کیں۔ پنجاب کے گورنر حافظ محمد ابراہیم نے انہیں قرآن حکیم کا ایک قیمتی نسخہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ صدر جمہوریہ اور دوسرے لوگوں نے بھی انھیں تحائف دئے۔ کئی دنوں بمبئی میں بڑی ہماہمی رہی اور پوری دنیا کی نگاہیں اس طرف لگی رہیں۔

ادھر کچھ عرصہ سے ہندوستان کا شرپسند طبقہ اس عیسائی کانفرنس کی مخالفت کر رہا تھا۔ یہ شرپسند اور فرقہ پرور لوگ کانفرنس سے طرح طرح کے خدشے کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ لوگ جو اس غیر مذہبی ملک کو خالص ہندو ملک دیکھنا چاہتے ہیں کانفرنس کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکانا چاہتے تھے۔ کبھی یہ کہا جاتا کہ اس کانفرنس کے ذریعہ ہندوؤں کو عیسائی بنانے کی مہم شروع کی جا رہی ہے، کبھی یہ شکایت کی جاتی کہ اس ملک میں جہاں گائے کی پوجا ہوتی ہے یہ باہری مہمان آکر گؤ ہتیا کریں گے جو کسی طرح قابل برداشت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں مظاہرے اور جلوس نکالنے کا پروگرام تھا لیکن حکومت نے بھی سختی سے اس کا نوٹس لیا اور شرپسندوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں بھر دیا ——— جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مخالفت ٹھنڈی پڑ گئی اور گڑبڑ کرنے کی آرزو خاک ہو کر رہ گئی۔

دوسری طرف پوپ پال نے اپنی رحم دلی اور محبت سے سبھوں کا دل جیت لیا۔ انہوں نے ہندوستانی حکومت سے سفارش کی کہ ان کی مخالفت کرنے کے جرم میں جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں انہیں رہا کر دیا جائے کیونکہ وہ سبھوں کے لئے محبت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ بھوکے ننگے ہندوستانیوں کے لئے انہوں نے ہزاروں ڈالر اور کھانے کی چیزیں دیں۔

چند شر پسند جماعتیں اپنی حرکتوں سے جس طرح ملک کو بدنام کر رہی ہیں وہ بہت ہی افسوسناک ہے ہر جگہ فرقہ پروری کا مظاہرہ کرکے فیوڈل کی فضا میں یہاں کی وقعت گھٹائی جا رہی ہے ۔ ضرورت اس کی شدید ہے کہ ایسے عناصر کی مکمل بیخ کنی کر دی جائے ۔

کتب خانہ مجیبیہ بدریہ کی نئی عمارت کا افتتاح ۔

جیسا کہ گذشتہ ماہ اطلاع دی گئی تھی ۲ر دسمبر کو خانقاہ مجیبیہ میں ایک شاندار تقریب میں کتب خانہ مجیبیہ بدریہ کی نئی عمارت کا افتتاح ہوا ۔ خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں نے ہر زمانے میں کتابوں کی فراہمی کا خاص خیال رکھا ہے چنانچہ اب تک تقریباً بیس ہزار کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ ان کو حفاظت سے رکھنے کے لئے ایک اچھی عمارت کی شدید ضرورت تھی اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس کا موقع فراہم کر دیا۔ ایک دو منزلہ عمارت بن گئی اور کتابوں کو اس میں منتقل کر دیا گیا اسی سلسلہ میں مورخہ ۲ر دسمبر ۱۹۶۴ء مطابق ۲۶ر رجب المرجب ۱۳۸۴ھ کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک افتتاحی تقریب کا انعقاد ہوا اس جلسہ میں، جس کا اہتمام حضور زیب سجادہ جناب مولانا شاہ امان اللہ صاحب قادری مدظلہ نے کیا تھا ، وزیر ، بیرسٹر ، وکلا ، اڈیٹر ، صحافی ، پروفیسر ، ادیب ، شعرا اور دیگر اہل علم و صاحب ذوق حضرات کا ایک بہت بڑا طبقہ موجود تھا ۔ جو لوگ بھی آئے علم کے متلاشی ، علمی ذوق رکھنے والے اور علمی حلقوں میں اونچا مقام رکھنے والے تھے ۔

جلسہ کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی ۔ اس کے بعد جناب حکیم سید یوسف صاحب رضوی نے افتتاحی تقریر کے بعد حضرت مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری کا ترتیب دیا ہوا ایک افتتاحی مقالہ پیش کیا جس میں اجمالاً پھلواری شریف اور مجیبیہ لائبریری کی تاریخ بیان کی گئی تھی ۔ ساتھ ہی مقالہ میں ان نشیب و فراز کا تذکرہ تھا جن سے یہ لائبریری اب تک گذر چکی ہے ۔ خانقاہ میں آنے والی مشہور شخصیتوں میں حضرت مولانا اسمٰعیل شہید ، مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی ، مولانا غلام امام شہید ، سنجر طہرانی ، راسخ عظیم آبادی اور اس آخری دور میں مولانا ابو الکلام آزاد ، مولانا محمد علی ، مولانا شوکت علی اور گاندھی جی وغیرہ جیسی شخصیتوں کا ذکر تھا اور پھر ان عزائم اور پروگرام کا تذکرہ تھا جو اس کتب خانہ کی ترقی کے لئے اہل خانقاہ اپنے دلوں میں رکھتے ہیں ۔ (یہ مقالہ اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے)

اس جامع مقالہ کے بعد جناب مولانا شاہ عز الدین صاحب قادری الندوی نے اپنی پر مغز تقریر میں یہاں کے نوادرات کا تعارف کرایا جس سے ہم تفصیل کے ساتھ پانچ چھ سو سال پہلے کی لکھی ہوئی قلمی تصنیفات اور مصنفین سے متعارف ہوئے ۔ اس کے بعد مشاہیر کے خطوط جو عدم شرکت کی معذرت میں آئے تھے اور کچھ تاریخی قطعات سنائے گئے ۔ جن میں بسمل سہسرامی گیاوی ، جناب مولوی حافظ شہاب الدین امام و خطیب جامع مسجد گیا اور قطعات تواریخ جناب حکیم سید یوسف پھلواروی کا ممتاز نظر آئے ۔ اس کے بعد حضرت مولانا شاہ غلام حسنین صاحب چشتی سجادہ نشین خانقاہ سلیمانیہ پھلواری نے اپنی دعائیہ تقریر میں فرمایا کہ میں فخر یہ کہتا ہوں کہ پھلواری شریف کی اس خانقاہ میں ایسے ایسے نوادرات موجود ہیں جو ایشیا میں خدا بخش لائبریری کے علاوہ اور کہیں نہیں ہیں ۔ انہوں نے حضور زیب سجادہ کے عہد کو بہت ہی مبارک بتایا جس میں دار العلوم مجیبیہ کی ترویج ہوئی ، ماہنامہ المجیب کا اجرا ہوا اور کتب خانہ نے نئی شاندار عمارت میں جگہ پائی ۔

جلسے کے اختتام پر حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحب قادری مدظلہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کتب خانہ کا قفل کھول کر افتتاح کی رسم ادا فرمائی پھر تمام شرکائے جلسہ نے کتابوں و نوادرات کا معائنہ کیا آخر میں پر تکلف عصرانہ سے تمام حضرات کی ضیافت کی گئی ۔ بہت ہی پرسکون اور [illegible] میں [illegible] داخل ہے یہ مجلس ختم ہوئی ۔ اس مخصوص تقریب کے موقع پر راسخ عظیم آبادی کا خط جو حضرت خواجہ ابو الحسن فرد [illegible]

انعامات بالترتیب ... کو جناب قاضی سعید صاحب نے تقسیم کیا۔ اس لائبریری میں کتابوں کی منتقلی اور اس کی ترتیب میں جناب مولانا فرید الحسن صاحب تسلیم جنیدی نے حضور زیب سجادہ مدظلہ اور مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری کی نگرانی میں جو دن رات کی محنت کی وہ قابل داد ہے۔

مسز بندرا نائکے کی شکست :-

لنکا کی پارلیمنٹ میں مسز بندرا نائکے کی پارٹی ایک ووٹ سے شکست کھا گئی اور اب وہاں کی حکومت توڑ دی گئی ہے۔ وزیر اعظم نے اعلان کیا ہے کہ جلد ہی عام انتخاب ہونگے اور پھر نئی پارلیمنٹ بنے گی۔

یہ خبر ہندوستان کے لئے بہت ہی اہم ہے۔ مسز بندرا نائکے کا رویہ ہندوستان کے متعلق بہت ہی دوستانہ تھا انہوں نے چینی حملہ کے دوران بھی ہندوستان کی کافی اخلاقی مدد کی تھی۔ وہاں جو ہندوستانی رہ رہے ہیں ان کی وجہ سے ہندوستان اور لنکا کے تعلقات اکثر خراب ہو جاتے تھے اور پنڈت نہرو کے زمانے تک اس اہم معاملہ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ شاستری جی کی وزارت میں یہ مسئلہ بھی برے بھلے حل ہو گیا۔ اگرچہ گہری نظر سے غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ جس طرح حل ہوا ہے اس میں لنکا کی حکومت زیادہ فائدہ میں رہی ہے لیکن ایک مسئلہ جو سالہا سال سے کھٹائی میں پڑا تھا اس کا حل ہو جانا ہی کم اہم بات نہیں ہے۔

اب جبکہ مسز بندرا نائکے کی وزارت خود ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس کا امکان موجود ہے کہ معاہدہ پر مکمل طور سے عمل درآمد نہ ہو یا اس کی روح مسخ کرنے کی کوشش کی جائے۔ وہاں کی جو صورت حال ہے اس سے یہ اندازہ کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ پھر کون پارٹی برسر اقتدار آتی ہے۔ اور ہندوستان کے سب سے قریبی ہمسایہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے لئے ہندوستان کا فکرمند ہونا بھی بجا ہے۔

مسٹر عابد علی کی بوکھلاہٹ :-

عابد علی مرکز سے ایک نکالے ہوئے وزیر ہیں۔ اور ایک شکست خوردہ انسان پر جس طرح کی بوکھلاہٹ سوار رہتی ہے۔ آج کل وہ اس کا بھرپور مظاہرہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ لکھنؤ کی مجلس مشاورت اور دہلی کی جمہوری کنونشن کے انعقاد نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کا خاص جلسہ بلائیں۔ انہوں نے خاص جلسہ بلایا اور اس میں ایک ہینڈ بل تقسیم کرایا جس میں مجلس مشاورت اور جمہوری کنونشن منعقد کرنے والوں پر بہت سے بیہودہ الزام لگائے گئے ہیں۔ انھوں نے ہینڈ بل اور تقریر میں الزام لگایا ہے کہ مسلمان پھر سے یہاں مسلم لیگ کو زندہ کرنے جا رہے ہیں اور پورے ملک میں فرقہ پروری پھیلا رہے ہیں اور یہ کس طرح دنیا میں ملک کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے حکومت سے زوردار الفاظ میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ جلد ہی مجلس مشاورت کے دورے پر جس میں لاکھوں افراد جمع ہو جاتے ہیں اور جمہوری کنونشن پر پابندی لگائے۔ لیکن افسوس کہ کسی فرد نے ان کی بات پر توجہ نہ دی اور ایسے مجذوب کی بڑ سمجھ کر سب ہی خاموش ہو گئے۔

جب بھی مسلمانوں میں اتحاد کی کوئی صورت نکلتی ہے کہیں نہ کہیں سے اس طرح کے گندم نما جو فروش پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنے ہی قوم کے افراد کا گلا کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ جس شخص کی نظر میں ہزاروں افراد کا قتل ملک کی بدنامی کا باعث نہیں بن سکا ہے وہ اتحاد کی کوشش کو ملک کی بدنامی کی وجہ بتاتا ہے ایسی عقل پر انسان صرف ماتم کر کے رہ جائے۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ جس کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے ایسی بے سروپا باتیں کہیں اس نے بھی ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ جن سنگھیوں کے وہ ہیرو ہو گئے اور ممکن ہے کہ جن سنگھی لیڈران جہاں پہلے ہندوستان کی وزارت خارجہ کے لئے مسٹر چھاگلا کا نام پیش کر چکے ہیں مسٹر عابد علی کے لئے وزارت داخلہ کی مانگ کریں۔

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خط لکھنے پڑتے ہیں۔ اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔

بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پر لکھیں اور کام والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبداللہ ی ان قادری مجیبی

مہتمم دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف

تفسیر سے متعلق

حضرت قدوۃ الافاضل والاماجد مولانا ابوالقاسم محمد عتیق (فرنگی محل) اللہ ظلہ علی روس المسترشدین باقساط تفسیر سورہ فاتحہ تحریر فرما رہے ہیں، جو المجیب میں مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اب یہ خیال جا رہا ہے کہ اسے حضرت اقدس سے جلد مکمل کرا کے یکجائی کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ناظرین المجیب سے گذارش ہے کہ:۔

ارباب نقد و نظر و حضرات علماء و مشائخ اس کی افادیت اور معنویت سے متعلق اپنا تبصرہ مختصر ہی کیوں نہ ہو مجھ کو ارسال فرما دیں۔ جو غایت تشکر کا موجب ہوگا۔

دارالاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

موسوم بہ

اعیان وطن

پھلواری شریف کے دوسو چوالیس ۲۴۴ علماء، صوفیاء، محدثین، عہدیداران حکومت قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث اور مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صہ

نعمت کبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد از وفات حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت:- عہ

عطر الوردین

شیوخ سلسلۂ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت:- ۱۲ر

محی الملۃ والدین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں اُن کے علمی وعملی کارنامے بالتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات ضمناً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہو گئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ بعض رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خطوط لکھنے پڑتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔

بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پہ لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبد اللہ یاسین قادری مجیبی

مہتمم دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

تفسیر سے متعلق

حضرت قدوۃ الافاضل والا ماجد مولانا ابو القاسم محمد عتیق (فرنگی محل) اللہ ظلہ علی روس المسترشدین باقساط تفسیر سورہ فاتحہ تحریر فرما رہے ہیں، جو المجیب میں مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اب یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اسے حضرت اقدس سے جلد مکمل کرا کے یکجائی کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ناظرین المجیب سے گذارش ہے کہ :۔

ارباب نقد و نظر و حضرات علماء و مشائخ اس کی افادیت اور معنویت سے متعلق اپنا تبصرہ اگرچہ مختصر ہی کیوں نہ ہو مجھ کو ارسال فرما دیں۔ جو خاص تشکر کا موجب ہوگا۔

دارالاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

—— موسومہ ——

اعیان وطن

پھلواری شریف کے دوسوچالیس علماء، صوفیاء، محدثین عہدیداران حکومت قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث و مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صہ

نعمت کبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفاۃ حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت :- عہ

عطر الوردین

شیوخ سلسلۂ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت :- ۱۲ر

محی الملۃ والدین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں اُن کے علمی و عملی کارنامے بالتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات ضمناً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہو گئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

DECEMBER 1964] [Regd. No. P. 1047

Phone No : 23289

The ALMUJEEB *Monthly*

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سید لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

[illegible] لیتھو پریس [illegible] روڈ [illegible]

ھو الفرد المجیب ولی النعمہ

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی وعلمی

ماہنامہ المجیب



خانقاہ پیر مجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

سالانہ پانچ روپے ۵

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فی پرچہ آٹھ آنے ۸/

AL MUJEEB

نظام نامہ و قواعد

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

تصنیف و تالیف، نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظامِ عمل

بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہلِ قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانحِ حیات کی ترتیب و اشاعت اہلِ ذوق اور اربابِ ہمت حضرات کی امید شرکت و امداد سے اس ادارہ نے عمل کرنے کیلئے

قواعد

ممبر قسم اوّل — جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دار الاشاعت کی کل مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

ممبر قسم دوم — جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے۔ ان حضرات کو اعیانِ وطن اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی

ممبر قسم سوم — جو صاحب پچیس روپیہ عطا فرمائیں گے۔ ان کی خدمت میں اعیانِ وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہونگی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

ہر اسلامی ماہ کی ۱۰ تاریخ کو ایک مذہبی و علمی ماہنامہ "المجیب" کی اشاعت جسکی سالانہ قیمت صہ — اور عام قیمت ۸/ — پاکستان و غیر ممالک سے سالانہ قیمت معہ

مقامِ اشاعت

دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ٹیلیفون نمبر ۲۲۳۲۹
ھُوَ الذِّکْرُ المُجِیبُ فِی النِّعْمَۃ
رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۴۷

قیمت سالانہ
۵ روپے
فی پرچہ آٹھ آنہ

ماہنامہ

المُجیب

پھلواری شریف۔ پٹنہ

پاکستان
غیر ممالک سے
سات روپے

جلد ۶ | ماہ شوال ۱۳۸۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۶۵ء | نمبر ۲

• مدیر مسئول:۔
سید احمد حسین سہسرامی

• ادارۂ تحریر:۔
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین

• پرنٹر پبلشر:۔
سید لطف احمد قادری

• مطبع:۔
لیبل لیتھو پریس کدمنہ رود پٹنہ

• مقام اشاعت:۔
دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف۔ پٹنہ

فہرست

لمعات

آج کی دنیا میں پروپگنڈا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی کے ذریعہ غیر ممالک سے تعلقات بڑھائے جاتے ہیں۔ جس ملک کی پروپگنڈہ مشنری جتنی زیادہ تیز ہوتی ہے، وہ اپنا مقصد اتنا ہی زیادہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس مقصد سے وزارت خارجہ کا پورا عملہ دن رات سرگرداں رہتا ہے۔ کتنے ہی نمائندے غیر ممالک میں گھوم گھوم کر اپنے ملک کی صورت حال، اس کی دقتیں اور اس کی ضروریات کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو کچھ ممکن ہو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس مقصد کے حصول میں دو چیزیں خاص طور سے لوگوں پر اثر ڈالنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی سچے واقعات اور نمائندوں کی شخصیت۔ اگر ایسے نمائندے وکیل بنا کر بھیجے گئے، جو جری، صاف گو اور متاثر کرنے والی شخصیت کے مالک ہیں، تو وہ لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ساتھ صرف جھوٹ کا پلندہ نہ ہو، بلکہ وہ سچے واقعات اور صحیح صورت حال پیش کریں، تو ان کی باتوں اور ان کی دلیلوں میں وزن پیدا ہوتا ہے ــــ اگر ان کے لہجہ اور ان کی باتوں سے اس کا گمان ہو گیا کہ بولنے والا کچھ چھپا رہا ہے۔ یا جان بوجھ کر غلط بیانی کر رہا ہے ــــ تو کسی فائدہ کی امید رکھنا فضول ہے۔

غیر ممالک میں اپنے نمائندے بھیجنے میں ہندوستان دوسرے ممالک سے کچھ آگے ہی ہے۔ پہلے یہ کام پنڈت نہرو بہت کچھ خود ہی انجام دیتے تھے۔ اب ان کی موت کے بعد باہر جانے والوں کا ایک تانتا لگ گیا ہے۔ جب بھی اخبار پر نظر ڈالئے، یہاں کا کوئی نہ کوئی وزیر، رہنما یا نمائندہ دوسرے ممالک میں خامہ فرسائی کرتا نظر آئے گا۔ بیرونی ممالک کا یہ سفر عموماً دو مقصد سے ہوتا ہے۔ اپنے ملک کے لئے کچھ حاصل کرنا، یا دوسروں کی نظر میں اپنا وقار بڑھانے کے لئے ان کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنا۔ اتفاق سے ہندوستان آزادی کے بعد ایسے دور سے گذر رہا ہے کہ اکثر و بیشتر ہی یہاں کے نمائندوں کو ان دونوں مقاصد کے حصول کے لئے بیرونی ممالک میں مارا مارا پھرنا پڑتا ہے۔ جہاں تک پہلے مقصد کا تعلق ہے، ہو جاتا ہے، کچھ نہ کچھ حاصل ہی کر لیتا ہے۔ لیکن جب ہم دوسرے مقصد کے حصول کے لئے جانے والوں پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا انتخاب سراسر غلط ہوتا ہے اور بنیادی علاج کو چھوڑ کر حکومت دوسرا علاج ڈھونڈھتی ہے۔ جن باتوں کی وجہ سے غیر ممالک میں یہاں کی رسوائی ہو رہی ہے اور کلنک کا ٹیکہ لگ رہا ہے انہیں مٹانے کے لئے اندرونی طور سے کوئی کوشش نہیں کی جاتی ــــ اور اگر کی بھی جاتی ہے، تو اسے غلط ڈھنگ سے کہ اس کا کوئی اثر نہ ہو

لیکن جب کوئی شرمناک واقعہ دوسروں کی نظر میں چھنے لگتا ہے، تو یہاں کی ایک پوری ٹیم اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے بیرونی ممالک میں دوڑنے لگتی ہے۔ حکومت کے افراد ایسے موقع پر شاید بھول جاتے ہیں کہ سائنسی دور نے اس وسیع و عریض دنیا کو اتنے چھوٹے سماج میں بدل دیا ہے کہ ایک ملک کے واقعات کی خبر فوراً ہی دوسرے ملک میں ہو جاتی ہے۔ بلکہ سائنسی آلات نے تو اس کا بھی سامان کر دیا ہے کہ ہزاروں میل دور ہونے والے واقعات کی تصویر دوسرے ملک کے لوگ گھر بیٹھا دیکھا کریں ــــ ایسی حالت میں کسی نمائندہ کو بھیج کر اس کی تردید کرانا کہاں تک مفید ہو سکتا ہے۔ سب لوگ سمجھ سکتے ہیں۔

فسادات کو لے لیجئے ـــــــ آئے دن اس ملک میں فسادات ہوتے ہیں، سینکڑوں انسانوں کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اب یہ حقیقت سبھوں پر عیاں ہو چکی ہے کہ اگر حکومت چاہے اور وہ شروع ہی میں گہری نظر رکھے، تو فسادات نہ ہوں لیکن فسادات ہوتے ہیں اور جب ہزاروں انسانوں کے قتل و غارتگری، ان کے مال و اسباب اور ملکی دولت کی بربادی کے افسانے غیر ممالک کے اخبارات میں چھپتے ہیں، تو حکومت کو بہت پریشانی ہوتی ہے اور ملک کے کونے کونے سے ڈھونڈھ کر کرایہ کے لوگ بھیجا گئے جاتے ہیں، جو غیر ممالک میں لوگوں کو بتاتے پھرتے ہیں کہ تمہیں جو خبریں ملی ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ سب خیریت ہے ـــ لیکن اب یہ واقعات اتنے عام ہو گئے ہیں کہ منہ پر بھی اور غائبانہ میں بھی انہیں لائق تصور کرنے میں کسی کو دیر نہیں لگتی حکومت نہ فساد کی بنیاد جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر آمادہ ہے ـــ اور نہ کرایہ پر ملنے والوں لوگوں کی پیداوار میں کوئی کمی ہو رہی ہے نتیجہ کے طور پر فسادات اس ملک میں ہر سال اسی طرح ہوتے ہیں، جیسے یہاں جاڑا، گرمی اور برسات ضرور آتی ہے۔

ابھی صومالیہ میں اسلامی ممالک کی کانفرنس ہوئی ـــ اس کانفرنس میں عرب میزبان ملک کی دعوت پر یہاں سے دو افراد کا ایک وفد شرکت کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ کانفرنس مسلم ممالک کی ہو رہی تھی اور اس میں ایسے ہی لوگ شریک ہو سکتے تھے، جو یا تو مسلم ممالک کے افراد ہوتے یا غیر اسلامی ممالک کی مسلم تنظیموں کے نمائندے۔ لیکن ہندوستان سے کشمیر کے جو دو افراد اس میں شرکت کے لئے بھیجے گئے، وہ نہ تو مسلم ممالک کے جانے پہچانے تھے نہ ہندوستانی مسلمانوں کے پسندیدہ۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں ان کا جو حشر ہونا تھا ہوا اور بجز ناامیدی اور نامرادی کے انہیں کچھ ہاتھ نہ لگا ـــ اگر حکومت کو جمعیۃ العلماء، مسلم لیگ پر بھروسہ نہیں یا جماعت اسلامی کے خلاف عداوت ہے، جس کی وجہ سے وہ اس کے نمائندے نہیں بھیج سکتی تھی، تو ایسی حالت میں مسلم ممالک کی کانفرنس میں شرکت کرنے کی سوچنا ہی حماقت کی بات تھی ـــ لیکن اسے کیا کیجئے کہ ؎

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

ملک کی نمائندگی کے لئے خوشامدی لوگوں کو چننا اس ملک کی عادت بن گئی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کچھ دن پہلے سلامتی کاؤنسل میں شری چھاگلا ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے دھواں دھار تقریر کر رہے تھے۔ ہندوستان میں سطحی ذہن رکھنے والے

یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ہندوستان کے مقابلے کو بہت ہی مضبوطی سے پیش کر رہے ہیں۔ خود انہوں نے واپس آکر فخریہ کہا تھا کہ وہ کشمیر کے مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کر کے آئے ہیں۔ لیکن ان کی واپسی کے بعد اخبارات میں ہندوستان کے ایک مشہور صحافی کا آنکھوں دیکھا حال اور تبصرہ شائع ہوا جس نے ان کی شخصیت کا راز کھول دیا۔ اس صحافی نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ شری چھاگلہ سلامتی کونسل کے نمائندوں کو متاثر کرنے کی بجائے دلی کو خوش رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ کہ سلامتی کونسل کے ممبروں پر ان کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا جبکہ مسٹر بھٹو اجلاس پر چھائے رہے۔

درحقیقت حکومت زخم کو اچھا کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتی۔ صرف چاپلوس اور خوشامدی لوگوں کی مدد سے اس پر سادے کپڑے کی پٹی چڑھا کر لوگوں کی نظر سے اسے پوشیدہ کر دینا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو زخم ناسور کی شکل میں ملک کو کھا رہا ہے اس کا یہ علاج نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان میں خوشامدی اور چاپلوس اتنی بڑی تعداد میں پیدا ہو رہے ہیں کہ امید ہے اسی طرح بہت دنوں حکومت کا کام چلتا رہے گا ـــ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ صورت حال ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی، ایک نہ ایک دن زخم کو سڑنے سے بچانے کے لئے اس کا آپریشن کرنا ہی پڑے گا۔ جب آپریشن کی باتیں آج بہت تکلیف دہ معلوم ہو رہی ہیں، وہ کل ناگزیر ہو جائے گا اور وہ دن نہ صرف ملک کے لئے نجات کا دن ہوگا، بلکہ خوشامدیوں اور ابن الوقتوں کی موت کا بھی۔ (ادارہ)

بقیہ اسلامی مسائل

الجواب

۱ـ رضاعت کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ مُرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) کی تمام اولاد رضیع (دودھ پینے والے) کے لئے محرم ہو جاتی ہے۔ اس سے نکاح جائز نہیں۔ اور رضیع یا اُس کی اولاد صرف مرضعہ کے لئے محرم ہوتی ہے۔ رضیع کے دوسرے بھائی بہن (جنہوں نے اس عورت کا دودھ نہیں پیا ہے) سے مرضعہ کی اولاد سے حرمت رضاعت نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس شعر کا منشا یہی ہے۔ ؎

از جانبِ شیر دہ ہمہ خویش شوند ⁂ وز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع

اس صورت میں سائل (مرضعہ کا شوہر) کی لڑکی کا نکاح، رضیع کے دوسرے بھائی سے جائز اور صحیح ہوگا۔ اور کتب فقہ کے رضاعت کے بیان میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے۔ کسی دوسرے مفتی صاحب نے خلاف اس کے جواب دیا ہے، تو اس کی وجہ وہی بتا سکتے ہیں۔

وَاللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

المُجیب

العبد الفقیر عون احمد القادری غفر اللہ لہٗ۔ خانقاہ پھلواری شریف

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح

کی

ایک نایاب تصنیف

(از جناب محمد عضد الدین خاں صاحب ایم، اے ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

حضرت شاہ ولی اللہ رح اور ان کے خاندان کی علمی و عملی خدمات سے آج کا علمی طبقہ بخوبی واقف ہے، ایک فاضل مصنف نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء اور اس سے پہلی کی علمی دنیا کا ذکر کرنا شاہ ولی اللہ رح اور ان کے خاندان کا ذکر کرنا ہے، اس خاندان عالی مرتبت کے افراد نے ہندوستان میں اسلام کی وہی خدمات انجام دیں، جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنے دور میں انجام دی تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں اسلام جیسا بھی اور جو کچھ باقی ہے، وہ اسی خاندان کا طفیل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس خاندان کے وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر ہندوستان میں علوم اسلامیہ کو عام کیا اور مسلسل ساٹھ سال تک مسلمانوں کی علمی و دینی خدمت کرتے رہے۔ ان کی شخصیت بڑی جامع تھی۔ اپنے زمانے میں ہر فن میں یکتا اور کامل سمجھے جاتے تھے، وہ اپنے دور میں تنہا شخص تھے، جن کے ذریعہ علوم دینیہ، بالخصوص علم حدیث کی روایۃً و درایۃً اشاعت ہوئی اور آج ہندوستان کا شاید ہی کوئی عالم حدیث ایسا ہو، جس کا سلسلۂ تلمذ شاہ عبدالعزیز رح تک نہ پہنچتا ہو۔ تفسیر میں اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء ان کے شاگرد رہے۔ ان کی تفسیر قرآن مجید اپنی مثال آپ ہے، فقہ میں ان کی دقت نظر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، مگر اس کے ساتھ ہر مسلمان کے لئے انگریزی تعلیم جائز قرار دی۔ سلوک و تصوف کے میدان میں ان کا سب سے اہم کارنامہ حضرت سید احمد شہید جیسے امام کی تعلیم و تربیت ہے۔ درس و تدریس تعلیم و تعلم میں ان کے کمال کا اندازہ مولانا اسمٰعیل شہید رح، شاہ محمد اسحاق رح اور سلامت اللہ کشفی رح جیسے علماء کی تعلیم و تربیت سے ہوتا ہے، ان کی تصنیفات میں تحفہ اور فتاویٰ ان کی بالغ نظری کا بیّن ثبوت ہیں۔ دوسرے علمی میدانوں میں بھی اس جامعیت کی دوسری نظیر ان کے بعد مشکل ہی سے نظر آئے گی۔ ان کو معقول و منقول دونوں میں یکساں مہارت تھی۔ معقولات میں بھی بڑے بڑے معقولی ان کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔ شاہ صاحب حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف، عقاید، فلسفہ، منطق میں تو یکتائے دہر تھے

ہی مگر بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ فن موسیقی کے بھی بڑے ماہر تھے۔

تذکروں میں اکثر آتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب فن موسیقی سے اچھی طرح واقف تھے۔ مولینا عبدالحی صاحب مرحوم ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء نزھۃ الخواطر میں شاہ صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:

وکانت لہٗ مھارۃ فی الرمی والفروسیۃ والموسیقی۔[۱] — آپ کو تیراندازی، شہسواری اور موسیقی میں کمال حاصل تھا۔

دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی کچھ اسلاف کی روایت سے اور کچھ ملفوظات شاہ عبدالعزیز رح کی روشنی میں ان کی موسیقی دانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس لئے اب تک اس کے ذرائع صرف یہی دو تھے۔ ملفوظات کے متعدد مقامات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب موسیقی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ مذکور ہے۔

"ایک قوال اپنے نومولود بچے کا نام رکھانے کے لئے حاضر ہوا، حضرت نے سلام یا سلامت اللہ نام تجویز فرمایا، پھر اس قوال سے ارشاد فرمایا کہ کچھ دھناسری میں سناؤ، چنانچہ مدرسہ شریف میں قوال نے گا کر سنایا، پھر کوئی دوسری چیز شروع کی، فرمایا پھر وہی گاؤ۔ کافی دیر اس کو گانے کے بعد قوال نے پھر کوئی اور چیز شروع کی، فرمایا وہی خوب تھی...... تھوڑی دیر کے بعد ایک مرید کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ پہلے میرے سر میں جو درد ہو رہا تھا۔ گانا سننے سے جاتا رہا اور سر میں جو کپڑا درد کی وجہ سے بندھا ہوا تھا، اس کی گرہ کھول دی۔"[۲]

ایک اور جگہ ذکر ہے:-

"ایک شخص اپنی اصطلاح کے مطابق مستی کی حالت میں کچھ گا رہا تھا، آپ نے سنا تو فرمایا کہ دھناسری ہے یا گجنی یا ملتانی اور گانے کی دوسری قسموں کو بیان کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ پہلے مجھے اس فن سے دلچسپی تھی اور اس فن کے مشہور لوگ میرے پاس پوچھنے آتے تھے، اب میں نے اس میں حصہ لینا ترک کر دیا ہے۔ لیکن لوگ اب بھی آجاتے ہیں، مگر مجھے اس سے ضرر پہنچتا ہے، کیونکہ قلب میں ایک ہیجان سی کیفیت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے مرض لاحق ہوتا ہے"[۳]

ملفوظات کی مندرجۂ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب فن موسیقی سے دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے زمانے میں اس فن میں بھی مرجع خلائق تھے۔ مگر اب تک یہ باتیں زیادہ تر زبانی روایت اور قیاس پر مبنی تھیں اور اس سلسلہ میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی اور نہ اس فن میں ان کے کمال کا صحیح اندازہ ہی لگایا جاسکتا تھا۔ اب تک صرف یہ کہا جاسکتا تھا کہ شاہ صاحب موسیقی کے بارے میں بھی کچھ جانتے تھے۔ مگر اس کی تفصیل نہیں ملتی تھی۔ خوش قسمتی سے راقم الحروف کو اس فن میں خود شاہ صاحب کا تصنیف کردہ ایک رسالہ "سانگیت شاستر" کے نام سے رام پور کے ذخیرۂ ملفوظات میں مل گیا جس سے اب

---

[۱] نزہۃ الخواطر جلد، صفحہ ۲۶۹ — [۲] ملفوظات صفحہ ۱۳۳ — [۳] ملفوظات صفحہ ۱۶۳

یہ بات پورے دعویٰ کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شاہ صاحب موسیقی کے بھی استادِ کامل تھے اور اس زمانہ کے مشہور اصحابِ فن اس میں بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے۔

یہ رسالہ رضا لائبریری رامپور کی فہرست فارسی مخطوطات میں نمبر ۱۰۶۹ کے تحت درج ہے اور سولہ[16] صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلے صفحہ کے علاوہ ہر صفحہ میں اُنیس یا بیس[20] سطریں ہیں، رسالہ کی زبان فارسی ہے، اس کا خلاصہ اردو میں پیش ہے۔

رسالہ میں تین ابواب ہیں۔ پہلا باب در دقت سُرہا ولواحق آں و آں چہار فصل است

فصل اوّل :- " دربیان حقائق واسامی سُرہا میں لکھتے ہیں " ماہرین فن نے اصول اصوات کو سات سُروں میں تقسیم کیا ہے، حیوانات کی زبان سے یا نباتات وجمادات کے ٹکراؤ سے جو بھی آواز پیدا ہوتی ہے، ان کو ایک خاص نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ساتوں سُروں کے نام، ان کے فروع، مصادر اور ہندوستانی سنگیت کا مختصر ذکر کیا ہے اس کے بعد ساتوں سُروں کے " لون، صورت، مخارج، اقالیم، موکل، ایام، اوقات، شبان، روز، مناسب آواز جانوران " وغیرہ کا ایک جدول تحریر کیا ہے۔

فصل دوم :- درگراہا بدانکہ گرام عبارتست از قرار گاہ سُرہائے مذکورہ و آں ہریک سُرہا راست موضع بود کہ ہریک مضاعف آں دیگر باشد" اس کے بعد مختصر مگر جامع طور پر ایک سُر کو دوسرے سے ملانے سے جو نیا سُر پیدا ہوتا ہے اس کی تفصیل بتلائی ہے۔

فصل سوم :- دربیان سُرت باید دانست کہ سرت عبارتست از مسل سرہائے مذکورہ مراکز اعتدال خود" اس فصل میں بائیس[22] سُر بیان کئے ہیں اور ایک جدول بھی دیا ہے

فصل چہارم :- درحقیقت مورچھنا۔ پردوں کے صعود وھبوط سے سات سروں میں سے ہر ایک میں تین قسمیں نکلتی ہیں جن کی ترکیبیں جداگانہ ہوتی ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ کل ملاکر چوّن[54] اقسام ہوتی ہیں۔ مصنف نے اکیس[21] اقسام کا جدول بنایا ہے :-

باب دوم :- درمعرفت راگ کہ آں پنج فصل ست "

فصل اوّل :- درماہیت راگہا .... سروں کے خواص مختلف ہیں۔ چوب وسنگ وغیرہ کے اختلاف سے سات سروں کی بے شمار صورتیں ہوجاتی ہیں۔ اس فن کے فضلاء نے ایک سو چھیاسٹھ[166] صورتوں کو منتخب کیا ہے اور ان کے اسماء بھی مقرر کئے ہیں۔

فصل دوم :- دربیان ترکیب وتقسیم واقسام راگہا۔ راگوں کی ابتداء میں تین قسمیں بتلائی ہیں۔ پھر ان قسموں سے پیدا شدہ اقسام بیان کئے ہیں۔

فصل سوم۔ اس فصل میں مصنف نے چھ[6] راگوں کو سرخیل قرار دیا ہے اور جدول میں ان سے پیدا شدہ

اور باقی اقسام درج کیے ہیں، چھ مخصوص راگوں کو سات سروں سے ترکیب دینے سے پر یہ مختلف اقسام پیدا ہوتے ہیں مصنف نے ان کے نام بھی درج کئے ہیں،

فصل چہارم :۔ دربیان تفصیل راگہا و اوقات و امتزاجات۔ "ہر راگ کے توابع اور لاحق ہوتے ہیں، چھ راگوں سے چھ راگنیاں نکلتی ہیں۔ ہر راگ کے ساتھ خدمت گار رہتی، اور ہر راگنی کے چھ فرزند اور ایک خدمت گار، چھ راگوں میں سے ہر ایک کی ۱۲۷ قسمیں کہ نام ماہرین فن نے بیان کئے ہیں، مصنف نے جدول بھیرو کے تحت پچانوے ۹۵ قسمیں جدول مالکوس میں اسما کے ساتھ اٹھاسی ۸۸ قسمیں جدول ہنڈول کے نام کے ساتھ چوراسی قسمیں جدول دیپک میں چوراسی قسمیں جدول میگھ کی چھیاسٹھ ۶۶ قسمیں جدول سری راگ ناموں کے ساتھ اٹھاسی ۸۸ قسمیں تحریر کی ہیں۔

فصل پنجم :۔ دربیان صورت راگہا۔ "اس فن کے ماہرین نے عالم تصور میں ہر ایک راگ و راگنی کو ایک خاص صورت اور مخصوص معنی کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ مثلاً ایک کو بادشاہ راگ، دوسرے کو بنگالی مرتاض، وغیرہ مختلف صور و اوضاع کے ساتھ معنون کیا ہے۔ پھر وضع صور و اوقات کے اعتبار سے راگوں کی قسمیں کی گئی ہیں۔

باب سوم :۔ درحقیقت تال و آں دو فصل است، فصل اول در تال کہ بفارسی اصول گویند عبارت است از ضبط زمان امتداد حرکات وسکنات اصوات، دو ہاتھوں میں دو چیزوں کے ہونے پھر ان کو ایک دوسرے پر مارتے ہیں، اوقات کے فاصلہ کی برابری اور ضرب کی مقدار وغیرہ کا ذکر ہے۔ ان کی چار قسمیں ہیں۔ پھر ہر ایک قسم کی بیشمار قسمیں ہیں۔ ان میں سے مصنف نے مستعمل و متعارف اقسام کو بیان کیا ہے :۔

فصل دوم :۔ دربیان اقسام ساز جو از دو ڈھولک دف اور نقارہ وغیرہ کے باعث پیدا ہوں۔ بانسری اور چوب وغیرہ کے ذریعہ ساز پیدا کرنا" ان سب کے ضوابط ہیں، مصنف نے اس مختصر رسالے میں ان کا صرف حوالہ دیا ہے، تفصیل نہیں بتلائی ہے۔ رسالے کے آخر کی یہ دو سطریں بڑی اہم ہیں۔

" و ایں رسالہ خلاصہ .... رسالہ جات مذاہب مختلفہ ترتیب کشید، واللہ اعلم بالصواب، تمام شد رسالہ سانگیت شاستر تصنیف استاذی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی طاب ثراہ بخط کندن لال اشکی" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کندن لال اشکی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور وہ اپنے کو شاہ صاحب کا شاگرد لکھتے ہیں، کندن لال اشکی کوئی غیر معروف شخصیت نہیں بلکہ اپنے دور کے نامور با کمال تھے، جن کا تذکرہ بہت سے تذکروں اور تاریخوں میں ہے۔[1]

---

[1] **معارف :۔** مغلوں کے آخری دور میں ہندوؤں میں جو با کمال شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ ان میں ایک راجہ کندن لال اشکی بھی تھے۔ ان کا گھرانہ پشتہا پشت سے علمی، اور دنیاوی وجاہت میں ممتاز چلا آتا تھا، ان کے اجداد مغلوں کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدے پر ممتاز رہے۔ ان کے والد منولال فلسفی شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی اور شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کے شاگرد اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے، دہلی، اودھ اور انگریزی سرکاروں میں مختلف عہدوں پر مامور رہے۔ راجہ کندن لال اشکی انھیں کے فرزند رشید تھے، انھوں نے علم و فضل میں اپنے والد سے بھی زیادہ ناموری حاصل کی بعض تاریخوں اور تذکروں میں ان کے حالات ملتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان تذکرہ روز روشن میں لکھتے ہیں۔

راجہ کندن لال اشکی مولدش شہر بریلی بود در سرکار شاہ اودھ بعہدہ منشی الملکی سرفرازی داشت و مدت العمر در شہر لکھنؤ بسر نمود، علوم حکمیہ را بخدمت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب استفادہ نمود، و فنون معقول اش مستحضر بودہ، مدت سی سال کما بیش گذشتہ کہ ازیں جہان بگذشت (تذکرہ روز روشن)

مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے کندن لال اشکی پر ایک مستقل مضمون لکھا تھا، جو ان کے مجموعہ مقالات میں موجود ہے۔ یہ مضمون خود کندن لال اشکی کی ایک کتاب منتخب تنقیح الاخبار سے ماخوذ ہے، جس سے زیادہ مستند دوسرا ماخذ نہیں ہو سکتا، اس میں انھوں نے اپنے اساتذہ کے نام بھی لکھے ہیں، ان میں شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے اسمائے گرامی بھی، مولانا شروانی لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹ پر)

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کندن لال شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام تو اس فہرست میں نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ انھوں نے شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز سے بھی جن کا حلقہ شاہ رفیع الدین صاحب سے بھی زیادہ تھا، ضرور استفادہ کیا ہوگا، یا کم سے کم ان کو اپنا استاد ہی کے درجہ میں رکھتے تھے جیسا انھوں نے موسیقی کے رسالے کے دیباچے میں استاذی المطاع، امید کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے ان کا تعلق اور ان کی عقیدت بہرحال مسلم ہے۔ (م) اس رسالہ کی زبان بھی ایسی ہے کہ شاہ صاحب کی تحریروں اور تراکیب سے اونیٰ سے مناسبت رکھنے والا شخص بھی بلا تامل کہہ سکتا کہ یہ عبارت شاہ عبدالعزیز کے سوا کسی اور کی قلم سے ممکن نہیں، رسالہ کے داخلی اور خارجی شواہد پر غور کرنے کے بعد یہ بات پوری طرح محقق ہو جاتی ہے کہ یہ رسالہ شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کی تصنیف ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اکثر تلامذہ نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اگر ہم غور کریں تو اس کا جواب مشکل نہیں ہے، ملفوظات کی جو عبارتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ فن اوائل عمر میں سیکھا تھا، اور جوں جوں ان پر مذہب کا غلبہ ہوتا گیا اور علمی و دینی معرفیات بڑھتی گئیں اور مختلف امراض لاحق ہوتے گئے اس فن سے دور ہوتے گئے، اس لئے یہ یقینی ہے کہ یہ تصنیف بھی عنفوان شباب کی یادگار ہوگی، مگر اس وقت بھی موسیقی کا رنگ ان پر پوری طرح غالب نہ رہا ہوگا، بلکہ دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تفنن طبع کی خاطر موسیقی بھی سن لیا کرتے تھے، اور اس فن کے شائقین کو اس کے رموز بھی بتلا دیا کرتے رہے ہوں گے لیکن قیاس ہے کہ عمر علمی اضافہ کے ساتھ ساتھ دینی علوم سے جس قدر ان کا شغف بڑھتا گیا دوسرے فنون خصوصاً موسیقی سے رغبت اور دلچسپی گھٹتی گئی، اور آخر عمر میں ان کا خاص مشغلہ صرف دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کا درس رہ گیا تھا، ان کے تلامذہ زیادہ تر ... دور کے ہیں، جب وہ اس فن کو ترک کر چکے تھے، اس لئے اس دور کے تلامذہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، ممکن ہے اس کا ذکر ان کی ثقاہت کے خلاف بھی سمجھتے رہے ہوں، اس کے علاوہ ان کو جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے بعض سوداوی امراض ایسے تھے، جن میں موسیقی سننے سے ہیجان پیدا ہوتا اور امراض میں اضافہ ہوتا تھا، اس لئے صحت کے خیال سے بھی انھوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔

اتفاق سے جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں، ان میں صرف وہ علماء ہیں، جنھوں نے شاہ صاحب کا یہ رنگ دیکھا تھا، اور ان کی ذات بابرکت سے اسی حیثیت سے منسلک تھے، انھیں شاہ صاحب کی موسیقی دانی کا پوری طرح سے علم نہ تھا، اور اگر علم رہا بھی ہوگا تو اسے زیادہ اہمیت نہ دی ہوگی۔

شاہ صاحب خود بھی اخیر عمر میں جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے موسیقی کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، لیکن جب اس کا تذکرہ آتا تھا، تو اپنی دلچسپی کا بھی ذکر کرتے تھے جیسا کہ ان کے ملفوظات کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے۔

تعلیقہ نوٹ "لالہ کندن لال نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ایک بخاری سید (آنکھ کے پہلے استاد میر جعفر بخاری سنبھلی) کے آغوش تربیت میں پایا .... مولوی رفیع الدین صاحب دہلوی اس خاندان کے رکن رکین تھے جو کئی پشت تک ہندوستان کا مذہبی و دینی پیشوا رہا۔ اس کی شفقت دیکھو کہ کندن لال اور ان کے باپ (منولال فلسفی) دونوں کو دامن شفقت میں رکھا، استادوں کی محبت و عظمت میں راجہ کندن لال کے یہ الفاظ ہیں" قدوۃ العلماء الراسخین فی العلم امام المتألہین مولوی محمد رفیع الدین صاحب کہ استاد والد من نیز بود" ابتدائی سال کی عمر میں دلی جانے کا اتفاق ہوا، وہاں پہنچ کر اپنے والد کے استاد مولوی رفیع الدین صاحب کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا، اور رسالہ مساکن ایام دنیا، شاد ذیسوس مجسطی اور طبیعیات شفا کا درس لیا .... راجہ کندن لال اشکی کی ہمہ گیر طبیعت کا رنگ ان کی تصانیف ان کی مختلف ملازمتیں اور ان اہل کمال کی فہرست سے ٹپک رہا ہے جن سے ملے یہ ہمہ گیر طبیعتیں وہی تعلیم پیدا کر سکتی ہیں جس پر صرف قدامت کے جرم میں نفرت کی نگاہیں پڑتی ہیں" (مقالات شیرانی)

بہرحال یہ رسالہ شاہ صاحب کی تصانیف میں ایک اہم اضافہ ہے، اور اس سے ان کی موسیقی دانی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن میں بھی دوسرے علوم و فنون کی طرح مہارت رکھتے تھے، اس فن کا ذوق بھی دوسرے فنون کی طرح انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے وراثت میں پایا تھا، ہر طالب علم کو شاہ ولی اللہ

اکبر الٰہ آبادی

(از جناب سید نعمان غنی صاحب پھلواروی)

اکبر الٰہ آبادی کی شہرت ان کے ظریفانہ اور طنزیہ کلام کی وجہ سے ہے، گو ان کے کلام میں عاشقانہ رنگ بھی ہے اور عارفانہ چاشنی کا لطف بھی۔ انہوں نے مغربی تہذیب و تمدن پر بڑی بے باکی سے نکتہ چینی کی ہے۔ اخلاقی، روحانی اور تعلیمی خرابیوں کی بڑی عمدگی اور جرأت سے خبر لی ہے۔ انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار ایک نئے انداز میں کیا ہے، بے مثال استعارے، لطیف اشارات اور نادر تشبیہیں استعمال کی ہیں۔ انگریزی الفاظ کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔

اکبر کی ظرافت محض تمسخر نہیں ہے بلکہ ظریفانہ پیرایہ میں بڑی عمیق، گہرے اور پتے کی بات کہہ جاتے ہیں ان کے پند و نصائح تلخ معلوم نہیں ہوتے بلکہ دل میں اترتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رات کو چھائے ہوئے بادلوں سے یک بیک چاند نے اپنی چاندنی ڈال دی ہے۔ اور گہری تاریکی میں پوشیدہ چیزیں، آنکھوں کے سامنے پوری طرح آجاتی ہیں۔

اکبر کی شاعری کی نمود کا وہ زمانہ تھا جب ہندوستان مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی طرز تعلیم کو اپنانے میں بڑی تیزی کے ساتھ گامزن تھا۔ انہوں نے شاعری کے مغربی تہذیب و تمدن کی مخالفت کی۔

اکبر نے مغربی طرز تعلیم کی خرابیوں کی پرزور مخالفت اور اس سے پیدا ہونے والی برائیوں کو بڑے اچھے الفاظ میں اجاگر کیا، اور آج بھی اکبر کے یہ خیالات جمہوری حکومت کے طرز تعلیم پر بھی صادق آتے ہیں، اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دام بلا ہے ۔۔۔ اے کاش کہ اس عہد میں ہم باپ نہ ہوتے

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں ۔۔۔ کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے ۔۔۔ جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

نظراں کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر ۔۔۔ گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

طفل دل محو طلسم رنگ کالج ہو گیا ۔۔۔ ذہن کو تب آگئی مذہب کو فالج آگیا

کہاں جہنم و جنت کہاں عذاب و ثواب ۔۔۔ دل اب تو رہتے ہیں کالج کے فیل پاس کے ساتھ

سوئے مسجد اس نئی تہذیب کی راہ اب کہاں ۔۔۔ تھینک یو میں صرف ہے الحمد للہ اب کہاں

علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے ۔۔۔ زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے — جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

نکلے اللہ ز عبادت ہیں نئی صورت ایش — رمضان ساعت کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید

اکبر تعلیم نسواں کے مخالف نہیں تھے لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عورتوں کو ایسی تعلیم دی جائے جس سے وہ چراغ خانہ سے شمع انجمن بن جائیں، وہ چاہتے تھے کہ عورتوں کی تعلیم کا مقصد ملازمت نہ ہو، اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم و متقی جو ہوں ان کے منتظم — استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

کون کہتا ہے کہ تعلیم زناں خوب نہیں — ایک ہی بات فقط کہنا ہے یاں حکمت کو

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم — قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

تمہاری تعلیم کے مصالح جو چاہیں برسائیں لیکن یہ سوچ — مری نظر میں تو حسن یہ ہے کہ چشم خوباں سے شرم ٹپکے

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے — لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ — شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ

مذہب کے جو اصول ہوں اسکو بتائے جائیں — با قاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں

عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے — اور حسن عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے

تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے — دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے

یہ کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے — لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے

کھانا پکانا جب نہیں آیا تو کیا مزا — جوہر ہے عورتوں کے لئے یہ بہت بڑا

سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہنر — درزیوں کی چوریوں سے حفاظت پہ ہو نظر

پبلک میں کیا ضرور کہ جا کر تنی رہو — تقلید غربی پہ عبث کیوں ٹھنی رہو

دانا نے دھن دیا ہے تو دل سے غنی رہو — پڑھ لکھ کے اپنے گھر میں دیوی بنی رہو

مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے — مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے

اکبر نے چالیس پچاس سال پہلے تعلیم نسواں کی بے اعتدالی کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی اسے تجربہ اور مشاہدہ صحیح قرار دیتا ہے، ملاحظہ کیجئے ؎

کالج بنا عمارت فخر النساء بنی — شکر خدا کہ مل گئے بنا بنی

بے پردگی کی ہو نہ یہ در پردہ اک بنا — جن کو یہ ڈر ہے ان کی تو جانوں پہ آ بنی

تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر — شوہر پرست بی بی پبلک پسند لیڈی

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی — اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتین کو شرم ساز مغرب سے مگر ہو گئی اب پی کی دھن
تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

اکبر پردہ کے زبردست حامیوں میں تھے اور انھوں نے اپنے ظریفانہ اشعار کے ذریعہ پردہ کی خوبی اور بے پردگی کے نتائج سے آگاہ کیا، انھوں نے للکار للکار کر پردہ کی حمایت میں نصیحتیں کیں، مشورے دیئے، بے پردگی کی برائیوں کا خوف دلایا اور سمجھایا۔ ان کے اشعار کی چاشنی سے لطف اندوز ہوں۔

بحر آزادی میں یہ کیسا تموج ہو گیا قاصرات الطرف کو شوق تبرج ہو گیا
بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا
پردے کا کیا ہے خود اثر دنگا پیدا خود ہم نے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا
پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ
سن چکا ہوں میں کہ کچھ بوڑھے بھی ہیں آمین گو یہ اگر سچ ہے تو بیشک پیر نابالغ ہیں وہ
یہ پردہ در کو سوٹ قوم کس نے بھیجا ہے کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے
یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن ازار بند کو کہدینگے عبث بے جا ہے
کس طرح پردے میں رہے شیخ عورت اک طرف سارے خیالات اک طرف ملکی ضرورت اک طرف
شرق کے واعظ اک طرف مغرب کی زینت اک طرف عقلی دلیلیں اک طرف اور دل کی رغبت اک طرف
پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم اللہ کی مار اس پہ علیگڈھ کے حوالے
پردہ در کی رائے سن کر بیبیاں کہنے لگیں اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے ہو گئے
پردہ سے کی لطافت جو زرا ہے بے پردہ سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے
دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردمی کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا
حفظ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے اب اس کی ضرورت ہی نہیں میرزا یا نہ داتھی سلطنت کی بات تھی
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

کیا گذری جو اک پردے کی عدو ردہ کے پولیس سے کہتے تھے
عزت بھی گئی دولت بھی گئی بی بی بھی گئی زیور بھی گیا

غریب اکبر نے بحث پردے کی بہت کچھ کی ہوا کیا
نقاب الٹ ہی دی اس نے کہہ کر کرے گا کیا مرا موا کیا

پردہ میں ضرور ہے طوالت بے حد — انصاف پسند کو نہیں ہے یہ ہٹ
تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں — بیگم ہے پیچوان بی بی سگرٹ

اکبر نے اردو ہندی کے جھگڑے میں بڑے پتے کی بات کہی ہے اور جھگڑے کو سلجھانے کے لئے بڑی خوبی سے مصالحت کی راہ نکالی، کاش اسی پر عمل کیا جائے ؎

اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود — پھر کیا سبب ہے جو اس سے انحراف ہے
یعنی اردو ہے چیز انہیں کے مذاق کی — اردو کے تین جزو یہی صاف صاف ہے

پھر اردو ہندی جھگڑے میں ظریفانہ موڑ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ ہو — بعد مرنے کے کھلے گا کہ یہ تھی کام کی بات
بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

اکبر اگرچہ انگریزی حکومت کے ملازم تھے، مگر وہ تھے ہندوستانی اور ہندو مسلم اتحاد کے خواہشمند اور دل سے اتحاد کے حامی تھے، ان کا خیال ملاحظہ کیجئے ؎

کہتا ہوں میں ہندو و مسلم سے یہی — اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ — موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

تم ملو یا نہ ملو مجھ سے منو یا نہ سنو — ساتھ رہنا ہے اس ملک میں اے ہم وطنو
اہل مغرب سے بھی کہتا ہوں مبارک ہو قلد — آسماں تنگ ہو تم پر کہ اتنا نہ تنو

ہند و مسلم ایک ہیں دونوں — یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت — کیوں نہ کہہ دوں کہ بھائی بھائی ہیں

اکبر نے اپنے کلام میں انگریزی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے اور اس خوبی سے کیا ہے کہ سماعت پر گراں نہیں گذرتا، بلکہ بڑے بھلے لگتے ہیں، ملاحظہ ہوں ؎

اجل آئی اکبر گیا وقت بحث — اب اِف[۱] کیجئے اور نہ بٹ[۲] کیجئے
علم و حکمت میں ہو اگر خواہش تھیم[۳] — سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کر ایم[۴]
زندگی اور قیامت میں ریلیشن[۵] سمجھو — اس کو کالج اور اسے کانووکیشن[۶] سمجھو
ان کے دست نازنیں سے پائی ٹی[۷] — اب کہاں باقی ہے ہم میں پائیٹی[۸]
واعظ کا جو ارشاد ہے وہ ریزنیبل[۹] ہے — رندوں کی یہ مستی بھی مگر سیزنیبل[۱۰] ہے
تعلیم کو جیسے ریجکٹ[۱۱] کرتی ہے — جو دل شکستہ ہیں ان کو سلکٹ[۱۲] کرتی ہے

(۱) اگر (۲) لیکن (۳) [illegible] (۴) مقصود (۵) رشتہ (۶) خطبۂ اسناد (۷) چائے (۸) تقدس (۹) معقول (۱۰) موافق موسم (۱۱) رد کرنا (۱۲) منتخب کرنا

ملا ہوں خاک میں خود اس سبب سے میری نظر   گرا کے قصر مجھے ایک کرتی ہے

غیر کو نامے میں وہ مائی ڈیر لکھتے ہیں   مجھ سے بیگانہ وشی ہے مجھے سر لکھتے ہیں

ضرورت کچھ نہ تھی اس کی کتابیں میں بھی ہو جاتے   سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے

اکبر مغربی تہذیب و تمدن کے بھی سخت مخالف ہیں، اور اس کو زہر ہلاہل سمجھتے ہیں مگر ـــ

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے   نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یاران خود آرا

اور مغربی تہذیب و تمدن کی راہ جب اختیار کر لی گئی تو اس کا کیا نتیجہ مرتب ہوا اکبر کے ہی الفاظ ملاحظہ ہوں ـــ

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا   نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ ہے   جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملت سے   نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

انکار نہیں نماز روزے سے مجھے   لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

حرم میں مسلماں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں   پئے تکریم مہماں بن سنور کر بیبیاں آئیں

طریق مغربی سے ٹیبل آیا کرسیاں آئیں   دلوں میں ولولے اٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں

مسلمانوں کا وہ آئین طبع مستقل بدلا   چھٹی عربی گیا قرآں زباں بدلی تو دل بدلا

نقل مغرب میں جو چھوڑی ایشیا نے اپنی اصل   گھٹ گئی شان عرب حسن عجم جاتا رہا

اکبر کے زمانہ میں سائنس کی ترقی آج کی طرح نہیں ہوئی تھی، بعض ایجادات منظر عام پر آ گئے تھے اور تجربات ہو رہے تھے، اس کے متعلق اکبر نے بات بڑے مزے کی کہی ہے، پڑھیے ـــ

طبیعت تیری انجن کے آگے کیوں بدلتی ہے   یہ تیری سانس چلتی ہے تو کیا انجن سے چلتی ہے

کبھی سائنس کے ان دیوتاؤں سے ذرا پوچھو   یہ مشت خاک کیوں کر جان کے سانچے میں ڈھلتی ہے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کریگا   انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

صداقت کے نشاں اس معرکہ میں اکبر کو ملتے ہیں   کلیں سائنس سے چلتی ہیں دل مذہب سے ہلتے ہیں

تماشہ دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں   کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے

اکبر کی ظرافت کے بعض نمونے آپ نے پڑھے، اب متفرق اشعار پر غور کیجیے اور دیکھئے کہ اکبر نے ظریفانہ انداز میں کیسے خوبصورت خیالات کا اظہار کیا ہے ـــ

اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر   خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

چپکوں دنیا سے کس طرح میں   عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں

قومی چندے کدھر سمائیں   کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

عید اور شاعر

از :۔ ش ۔ م ۔ عارف ماہر آروی

لفظ عید، عود سے مشتق ہے ۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی ہیں، لوٹ کر آنا اور بار بار آنا۔ چونکہ ہر سال یکم شوال اور دس ذالحجہ کو عید عود کرتی ہے اس لیئے اس کا نام عید رکھا گیا ۔

عید کا چاند دیکھتے ہی مسلمانوں کے چہروں پر خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے ۔ یہ لہر اس لیئے نہیں دوڑتی کہ مذہب کے نام پر انھیں داد عیش دینے کی کھلی چھٹی مل گئی یا وہ کسی ایسی تقریب میں شامل ہونے والے ہیں جہاں کا ہر جلوہ دامانِ باعباں وکفِ گلفروش کی خصوصیات کا حامل ہے بلکہ اس لیئے کہ جسمانی طہارت اور روحانی بالیدگی حاصل کرنی ہے اور اس کا اظہار مسرت کرنا ہے ۔

مسرت وشادمانی اور رنگ و نور کا تہوار عید ہے جس کا نقش ہر دل پر ثبت ہو جاتا ہے ۔ کیف انبساط کی جلوہ پاشیوں سے دلوں کی تاریکیاں منور ہو جاتی ہیں اور آنکھیں ان جلوؤں سے معمور ہو جاتی ہیں ۔ جو بات ہزاروں دلوں اور لاکھوں نظر کا جلوہ ہو وہ ادب میں کیسے جگہ نہ پائے ۔ ادب تو نام ہی ہے زندگی کی عکاسی کا ۔

ادیب اور شاعر چونکہ فطری طور پر حساس ہوتا ہے اس لیئے اس کا اپنے ماحول اور اپنے اردگرد سے متاثر ہونا ازبسکہ لازم ہے یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ہمارے شاعروں نے اپنے عہد کی عید دن کا ایک مکمل نقشہ اور اپنے محسوسات کی قلمی تصویریں پیش کی ہیں ۔ آیئے ان تصویروں کی چند جھلکیاں دیکھتے چلیں ۔

مورخ ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا عید کی تصویر کھینچتے ہوئے دربار میں دعوت عید کا نقشہ یوں کھینچتا ہے ــــ ’’ سلام اور مجرے کے بعد کھانا چنا جاتا ہے جسے سب مل کر کھاتے ہیں اس موقع پر ایک انگیٹھی بھی نکالی جاتی ہے جو سورج کی مانند تھی ، اور خاص سونے کی بنی ہوئی تھی یہ تین خانوں پر مشتمل تھی ۔ اس میں عود الاچی عنبر جلایا جاتا تھا جس کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک جاتا تھا ۔ اس انگیٹھی کے متعلق اس وقت کا مشہور شاعر بدر چاچ یوں رقم طراز ہے ۔

ـــــہ زاں چار گوشہ مجمر زریں میان صحن ۔۔۔ کز بوے او مشام ملائک معطر است

دود ش سواد دیدۂ حوران جنت است ۔۔۔ عطر ش بخار عالیۂ حوض کوثر است

فیروز تغلق کے عہد میں عید کی تیاریاں پیشتر ہی سے شروع ہو جاتیں ۔ چنانچہ مولانا شمس الدین سراج عفیف فرماتے ہیں کہ ـــہ

ے ؎ چوں روزے عید نزدیک رسید ے بیش ازاں ساختگی وجشن شدے (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۲۶)

نہایت گرم جوشی کے ساتھ شعرائے کرام نے ہر دور کی عید کی مختلف باتوں کا ذکر کیا ہے حتیٰ کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا عہد آگیا۔ عالمگیر چونکہ شعائر اسلامی پر پورا عامل تھا اور شرع متین کا ایک پرستار تھا اس لئے اُس نے تخت پر جلوہ فگن ہوتے ہی سب سے پہلے ان غیر اسلامی رسومات کا قلع قمع کیا جو ہندی تمدن یونانی معاشرت اور مجوسی معشیت کی بدولت وارثان تیموری پر حاوی ہو چکی تھیں ۔ عالمگیر نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے جو فرمان جاری کیا وہ نوروز کی بدعت کو قلم بند کر دینے اور اس کی جگہ عید شوال کے جشن کو منانے کا تھا ۔ عالمگیر کا جشن جلوس بھی عموماً انہی ایام میں پڑتا تھا اس لئے عید کی رونق اور بھی دوبالا ہو جایا کرتی تھی۔

اس کے ایک ہمعصر شاعر نے ایک پر لطف نظم میں ان ہر دو واقعات کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

؎ سپہر دو مسرت رسید از ایام — زمانہ یافت بیک روز از دو شادی کام
یکے ز عید ہمایوں عشرۂ شوال — دگر ز جشن جلوس شہنشاہ اسلام
برائے عیش دوبالائے روزگار فلک — دو صاحب عشرت عرج ساخت دریک جام

فارسی شعراء کے علاوہ اردو شاعروں نے بھی عید کی عکاسی کی ہے ۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا محمد رفیع سودا عید کے موقع پر ایک قصیدہ لکھتے ہیں جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

؎ صباح عید ہے دل ہے خوشی سے مالامال — مئے طرب سے ہیں سب مست اپنے اپنے حال

میر تقی میر ازل ہی سے دردمند دل لیکر آئے تھے ۔ ان کو دنیا میں سوائے رنج والم کے کچھ اور نہ ملا۔ عید کے دن بھی ان کا دل مفلس کے چراغ کی طرح شام ہی سے بجھا بجھا سا رہتا تھا ۔ فرماتے ہیں ۔

؎ ہوئی عید سب سے پہلے طرب و خوشی کے جامے — نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباس سوگواراں

میر حسن معروف مثنوی سحر البیان نے ایک مثنوی "تہنیت عید" کے عنوان سے لکھی ۔ ان کا قلم اس موضوع پر بھی حسب معمول اپنی پوری جولانیوں پر نظر آتا ہے

؎ کدھر ہے تو اے ساقی لالہ فام — مئے تہنیت کا پلا مجھ کو جام
کہ ہے آج دن عید کا میری جاں — خوشی ہر طرف ہے ترقی بنایاں

نماز جماعت کی مو نا قطار
گلستان دین نبی کی بہار
پئے تہنیت مومنوں کا ہجوم
ہر اک دم میں اٹھا گے ملنے کی دھوم

نظیر اکبر آبادی نے عید پر تین نظمیں لکھیں ۔ عید الفطر پر انھیں بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے ۔

فرماتے ہیں ؎ ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی — اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
اور عاشقوں کو ہے کسی امید کی خوشی — کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی

ایسی نہ شب برأت نہ بقر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

اکبرآباد کے عیدگاہ کا منظر یوں پیش کرتے ہیں۔

ہے دھوم آج مسجد و خانقاہ میں تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں سو سو چمن جھلکتے ہیں اک اک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

اور عید کے دن جب ان کا محبوب ان سے نہ ملا تو یوں فرمانے لگے کہ۔

لب سے نکل رہی ہے میرے باربار آہ کرتا ہے جس طرح سے دل بیقرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ

ذوق بھی نظیر کے ہم خیال نظر آتے ہیں ملاحظہ ہو

بے یار روز عید شب غم سے کم نہیں جام شراب دیدۂ پر نم سے کم نہیں

غالب درباب عید فرماتے ہیں کہ

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

اس خیال کو قدسی نے یوں رقم کیا ہے

عید کے ابروے دمیدہ است کہ پیشم باشی
چونہ باشی تو چہ عید است وچہ نوروز مرا

مرزا اسداللہ خاں غالب کے شاگرد آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی عید کی تصویر جو عبدالحلیم شرر لکھنوی نے کھینچی ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ کوئی فرمارہا ہے کہ

عید است و موسم گل ساقی بیار بادہ ہنگام سے گردید است بے مے قدح نہاد

اور کوئی یوں کہہ رہا ہے کہ

بحمد اللہ آمدنت عید عشرت افروز است مبارک است کہ امروز نو روز است

اور مبارکبادیوں کے پیغام اس طرح دئیے جارہے ہیں

لب نمی آید بہم از خندہ ایں شادیم آفتاب از آسماں گوید مبارک بادیم

اور دلی کے آخری حکمراں اپنے قلم شرر یوں فرماتے ہیں کہ

عید قرباں ہے یہی دن تو ہے قربانی کا آہ تلوار کے مانند گلے مل ساقی

؎ چو روزے عید نزدیک رسید — بیشی ازاں ساختگی جشن شدے (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۶)

نہایت گرم جوشی کے ساتھ شعرائے کرام نے ہر دور کی عید کی مختلف باتوں کا ذکر کیا ہے حتیٰ کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا عہد آ گیا۔ عالمگیر چونکہ شعار اسلامی پر پورا عامل تھا اور شرع متین کا پکا پرستار تھا اس لئے اس نے تخت پر جلوہ فگن ہوتے ہی سب سے پہلے ان غیر اسلامی رسومات کا قلع قمع کیا جو ہندی تمدن ایرانی معاشرت اور مجوسی معشیت کی بدولت وارثانِ تیموری پر حاوی ہو چکی تھیں۔ عالمگیر نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے جو فرمان جاری کیا وہ نوروز کی بدعت کو قلم بند کر دینے اور اس کی جگہ عید شوال کے جشن کو منانے کا تھا۔ عالمگیر کا جشن جلوس بھی عموماً انہی ایام میں پڑتا تھا اس لئے عید کی رونق دوبالا ہو جایا کرتی تھی۔

اس کے ایک ہمعصر شاعر نے ایک پر لطف نظم میں ان ہر دو واقعات کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

؎ سپہر دو مسرت رسید از ایام — زمانہ یافت بیک روز از دو شادی کام
یکے ز عید ہمایوں عشرۂ شوال — دگر ز جشنِ جلوس شہنشاہ اسلام
برائے عیش دوبالائے روزگار فلک — دو چنان عشرت عروج ساخت دیک جام

فارسی شعراء کے علاوہ اردو شاعروں نے بھی عید کی عکاسی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا محمد رفیع سودا عید کے موقع پر ایک قصیدہ لکھتے ہیں جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

؎ صباح عید ہے دل ہے خوشی سے مالا مال — مئے طرب سے ہیں سب مست اپنے اپنے حال

میر تقی میر ازل ہی سے درد مند دل لیکر آئے تھے۔ ان کو دنیا میں سوائے رنج و الم کے کچھ اور نہ ملا۔ عید کے دن بھی ان کا دل مفلس کے چراغ کی طرح شام ہی سے بجھا بجھا سا رہتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

؎ ہوئی عید سب نے پہلے طرب و خوشی کے جامے — نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباس سوگواراں

میر حسن معروف مثنوی سحر البیان نے ایک مثنوی "تہنیت عید" کے عنوان سے لکھی۔ ان کا قلم اس موضوع پر بھی حسب معمول اپنی پوری جولانیوں پر نظر آتا ہے

؎ کدھر ہے تو اے ساقیٔ لالہ فام — مئے تہنیت کا پلا مجھ کو جام
کہ ہے آج دن عید کا میری جاں — خوشی ہر طرف ہے ترقی بنا یاں

نماز جماعت کی مو نا قطار
گلستانِ دینِ نبی کی بہار
پئے تہنیت مومنوں کا ہجوم
ہر اک دم میں اٹھا کے ملنے کی دھوم

نظیر اکبر آبادی نے عید پر تین نظمیں لکھیں۔ عید الفطر پر انھیں بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں ؎ ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی — اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
اور عاشقوں کو ہے کسی امید کی خوشی — کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی

ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی

جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

اکبرآباد کے عیدگاہ کا منظر یوں پیش کرتے ہیں۔

ع ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں | تاشے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں | سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

اور عید کے دن جب ان کا محبوب ان سے نہ ملا تو یوں فرمانے لگے کہ۔

ع لب سے نکل رہی ہے میرے بار بار آہ | کرتا ہے جس طرح سے دل بیقرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ | ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ

ذوق بھی نظیر کے ہم خیال نظر آتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

بے یار روز عید شب غم سے کم نہیں | جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

غالب در باب عید فرماتے ہیں کہ ؎

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام | جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

اس خیال کو قدسی نے یوں رقم کیا ہے ؎

عید کے از روز دیدن ہست کہ پیشم باشی

چوں نہ باشی تو چہ عید است و چہ نوروز مرا

مرزا اسداللہ خاں غالب کے شاگرد آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی عید کی تصویر جو عبدالحلیم شرر لکھنوی نے کھینچی ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ کوئی فرما رہا ہے کہ ؎

ع عید مست و موسم گل ساقی بیار بادہ | ہنگام ے کردہ است بے مے قدح نہاد

اور کوئی یوں کہہ رہا ہے کہ ؎

ع بحمد اللہ آمدنت عید فطرت افروز است | مبارک است کہ امروز تو روز است

اور مبارکبادیوں کے پیغام اس طرح دیئے جا رہے ہیں ؎

لب نمی آید بہم از خندہ ایں شادیم | آفتاب از آسماں گوید مبارک باد یم

اور دلی کے آخری حکمراں بہ قلم خود یوں فرماتے ہیں کہ ؎

عید قرباں ہے یہی دن تو ہے قربانی کا | آج تلوار کے مانند گلے مل ساقی

؎ چوں روزے عید نزدیک رسید ے پیش ازاں ساختگی جشن شد ے (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۶)

نہایت گرم جوشی کے ساتھ شعرائے کرام نے ہر دور کی عید کی مختلف باتوں کا ذکر کیا ہے حتی کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا عہد آگیا۔ عالمگیر اسلامی پر پورا عامل تھا اور شرح متین کا پکا پرستار تھا اس لئے اُس نے تخت پر جلوہ فگن ہوتے ہی سب سے پہلے غیر اسلامی رسومات کا قلع قمع کیا و معاشرت اور مجوسی معشیت کی بدولت وارثان تیموری پر حاوی ہو گئی تھیں۔ عالمگیر نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے جو فرمان جاری کیا قلم بند کر دیئے اور اُس کی جگہ عید شوال کے جشن کو منانے کا تھا۔ عالمگیر کا جشن جلوس بھی عموماً انہی ایام میں پڑتا تھا اس لئے عید کی رونق دو گنی ان کے ایک ہمعصر شاعر نے ایک پرلطف نظم میں ان ہر دو واقعات کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

؎ سپہر دو مسرت رسید از ایام — زمانہ یافت بیک روز از دو شادی کام
یکے ز عید ہمایوں عشرۂ شوال — دگر ز جشن جلوس شہنشاہ اسلام
برائے عیش دو بالائے روزگار فلک — دو جام عشرت عرفرح ساخت دیک جام

فارسی شعراء کے علاوہ اردو شاعروں نے بھی عید کی عکاسی کی ہے ۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا محمد رفیع سودا عید کے موقع پر ایک قصیدہ لکھتے ہیں جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے ؎

؎ صباح عید ہے دل ہے خوشی سے مالامال — مئے طرب سے ہیں سب مست پیر و جوان

میر تقی میر [illegible] درد مند دل لیکر آئے تھے ۔ ان کو دنیا میں سوائے رنج و الم کے کچھ اور نہ ملا ۔ عید کے دن بھی [illegible] ان کے لئے کچھ اچھا سا [illegible] تھا ۔ فرماتے ہیں ۔

؎ ہوئی عید سب نے پہلے طرب و خوشی کے جامے — نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباس سوگوارا

[illegible] مصنف [illegible] نے ایک مثنوی "تہنیت عید" کے عنوان سے لکھی ۔ ان کا قلم اسی موضوع پر [illegible]

؎ کدھر ہے تو اے ساقی لالہ فام — مئے تہنیت کا پلا مجھ کو جام
کہ ہے آج دن عید کا میری جان — خوشی ہر طرف ہے ترقی بنام

[illegible] کی ہو نا قطار
گلستانِ دین نبی کی بہار
پئے تہنیت مومنوں کا ہجوم
ہر اک دم میں اٹھا کے ملنے کی دھوم

نظیر اکبر آبادی نے عید پر تین نظمیں لکھیں ۔ عید الفطر پڑھ کر بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے ۔

فرماتے ہیں ؎

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی — اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
اور عاشقوں کو ہے کسی امید کی خوشی — کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی

[illegible]

تاشتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
سو سو چمن جھلکتے ہیں اک اک نگاہ میں
[illegible] عید کے آج عیدگاہ میں

[illegible] یوں فرمانے لگے کہ۔

[illegible] سے نکل رہی ہے میرے بار بار آہ — کرتا ہے جس طرح سے دلِ بیقرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ — ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ

[illegible] کے ہم خیال نظر آتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

بے یار روزِ عید شبِ غم سے کم نہیں — جامِ شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

[illegible] فرماتے ہیں کہ ؎

[illegible] کا نام — [illegible]

[illegible] ہے ؎

عید [illegible] چشم باقی

[illegible]

[illegible] کے شاگرد [illegible] کے چند اشعار ملاحظہ

[illegible]

[illegible]

ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ...... "اور ہم کو کیا یہاں تیسوں روزے چٹ کئے بیٹھے ہیں ...... یہاں تو یہ شعر وردِ زبان ہے کہ ؎

تھی رمضاں میں میری حالت تباہ ۔ خوب ہوا شہر بدر ہو گیا

حقیقت جو بھی ہو پتا ضرور ہے کہ ظفر کی شاعری ان کے دل کی طرح حرماں و یاس سے لبریز ہے۔ ساری دنیا عید کا چاند دیکھنے میں مصروف ہے اور ظفر ...... ؟ ۔ فرماتے ہیں کہ ؎

سب لوگ دیکھتے ہیں کھڑے چاند عید کا ۔ مشتاق ہوں میں رشکِ قمر تیری دید کا

اگر محبوب کا دیدار نہ ہو تو عید پھر عید کہاں ۔ ہلالِ ابرو ہلالِ عید سے کم نہیں۔ خود ظفر فرماتے ہیں کہ ؎

؎ ہماری عید تو جب ہے کہ دیکھیں تیرے ابرو کو ۔ ہلالِ عید کو اے مہ جبیں دیکھا تو کیا دیکھا

مصطفیٰ خاں شیفتہ نے بھی عید پر ایک غزل کہی تھی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

؎ عید ہے اور ہم کو عید نہیں ۔ اگر آ جائیے بعید نہیں

گریہ بھی ہے ہجوم ابرِ سیاہ ۔ گر کوئی مئے پیئے بعید نہیں

آج بھی منع بادہ اے زاہد ۔ تیرے نزدیک عید عید نہیں

اب انشاء اللہ خاں انشاؔ کی زبانی عید کا حال سنئے ۔ فرماتے ہیں ؎

یہ عجب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں ۔ وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

مگر یہ شعر عید الفطر کے موقع پر نہیں بلکہ عید الضحیٰ کے روز کہا گیا ہوگا۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ بھلا کب چوکنے والے تھے۔ فرماتے ہیں ؎

کیا ہے شکر خداوند روزہ داروں نے ۔ کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے پھر پایا

ادھر ہے فصلِ بہار اور ادھر ہے عید الفطر ۔ سماں نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا

امیر مینائیؔ کو گلہ ہے کہ بروزِ عید ان کا دوست چین بجبیں ہو کر ملتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

؎ لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی اس نے ۔ ملا تو عید کے دن ملا چیں بر جبیں ہو کر

اسی خیال کو ایک شاعر یوں پیش کرتا ہے ؎

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے ظالم ۔ رسمِ دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

امیر ایک جگہ اور یوں فرماتے ہیں ؎

کھینچا نہ ہاتھ قتل سے قاتل نے شام تک ۔ تکبیر کہتے کہتے کٹا روزِ عید کا

امیر نے غربت میں دن کاٹے عید وطن میں ہوتی ہے ؎

نصیب جنکو ترے رخ کی دید ہوتی ہے ۔ وہ خوش نصیب ہیں خوب ان کی عید ہوتی ہے

یہاں ایسے غریب الوطن کی عید کیا ہوگی جو پردیس میں زندگی کے دن گذار رہا ہو۔ اس کا بیان خود آسی کی سے سنئے

ع — وہ گیا اپنے گلے میں ڈالکر بانہیں غریب — عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آگیا
نہ امنگیں نہ ترنگیں نہ مسرت نہ خوشی — اب ہمارے دل امید میں کیا رکھا ہے
کیسے دیکھیں کسے چھاتی سے لگا کر خوش ہوں — عید آیا کرے اب عید میں کیا رکھا ہے

ع — آنکھیں ہیں اور لطف ہے اب اسکی دید کا — برسوں جو آفتاب رہا چاند عید کا
اس غم کدے میں کٹ گئی یوں اپنی زندگی — قیدی پہ جیسے روز گذر جائے عید کا

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال نے عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں یہ نظم لکھی تھی۔

ع — یہ شالامار میں اک برگ زرد کہتا تھا — گیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں
نہ پائمال کریں مجھ کو زائرانِ چمن — انہیں کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں میں
اُجاڑ ہو گئے عہد کہن کے میخانے — گذشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

ہلال عید کے متعلق ایک دوسری جگہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ؎

غرۂ شوال! اے نورِ نگاہ روزہ دار
آ۔ کہ ہے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار
تیری پیشانی پہ تحریر "پیام عید" ہے
یعنی تیری شام صبح عیش کی تمہید ہے
سرگذشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
اے مہِ نو ہم کو تجھ سے الفتِ دیرینہ ہے

یہ سب کچھ سہی مگر عید آزاد لوگوں کی ہوتی ہے۔ محکوم کی عید بھی کیا۔ اقبال خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

ع — عید آزاداں شکوہ ملک و دیں — عید محکوماں ہجوم مؤمنیں

اب جناب اکبر الہ آبادی کی خوش گفتاریاں بھی ملاحظہ ہوں۔

ع — خوش پھر رہی ہے خلقِ خدا صبح عید ہے — ہر سمت زیب و زینت دنیا کی دید ہے

مجھ کو خاموش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے　　تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے

پیش نظر ہمارے ہے شامِ شبِ فراق　　اس کی سحر جو ہو تو ہماری بھی عید ہے

مولانا ظفر علی خاں فرماتے ہیں کہ ؎

یہ عید تو اک زندگی نو کی ہے تمہید　　وہ زندگی نو ہو مسلماں کو مبارکباد

آنے کو ہے جو فصلِ بہار اپنے چمن میں　　سرو و سمن و سنبل و ریحاں کو مبارکباد

اب اختر شیرانی کے تاثرات ملاحظہ ہوں ؎

دنیا کو ایک عرصے سے انتظار عید　　شکر خدا کہ پھر نظر آئی بہار عید

کوثر فشاں آتی ہیں مستانہ بدلیاں　　کوتشنہ لب رہے نہ کوئی میگسار عید

عبد المجید سالک کے محسوسات تضمین کی صورت میں دیکھئے ؎

ہلالِ عید ہماری نظر میں کچھ بھی نہیں　　کہ عید آ گئی اور اپنے گھر میں کچھ بھی نہیں

ہلال عید سر اپنے جھکائے دیتا ہے　　کہ بجلیاں میرے دل پر گرائے دیتا ہے

عید کو سوزِ جگر دکھائیں کیا　　شکستہ سازِ مسرت ہے اب بجائیں کیا

"پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے　　ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے" (اقبالؒ)

تلوک چند محروم کی زبانی ہلال عید کی تصویر دیکھئے ؎

اب اے ہلال شام سعید　　لے کے آیا ہے تو بشارت عید

واہ اے شاہد کمال ابرو　　کس ادا سے تنہا ہوا ہے تو

خود نمائی بھی ہے ادا بھی ہے　　اس پر کاہش حیا بھی ہے

یہ تیرا بانکپن یہ رعنائی　　بزم بالا میں خلوت آرائی

غلام بھیک نیرنگ کی یہ مشہور نظم تو آپ نے پڑھی ہی ہوگی ؎

عید آئی ہے اپنی بھی عید ہوتی ہے
ہم کو اگر میسر جاناں کی دید ہوتی ہے
قسمت میں دید ہوتی کہ ہم نقد جاں لٹاتے
بازار ناز لگتا دل کی خرید ہوتی

خواجہ دل محمد کا انداز فکر بھی ملاحظہ ہو ؎

نکال گوشۂ ابرِ شفق کے چلمن سے　　دکھا جمال چمک افق کے دامن سے

پیام عید دیجئے جا جبیں کی چتون سے — سلام عید لئے جا فلک کے روزن سے

نگاہ شوق کو منظور دید تیری ہے — دکھا دے منہ ہمیں ماہ کہ عید تیری ہے

اب ایک طویل نظم "ہلال عید" جناب حفیظ جالندھری کی ملاحظہ ہو۔

کر دیا شام نے تمام — دامن غرب لالہ فام
رنگ بھرے سحاب میں — ڈوب گیا جو آفتاب
چھپ نہ سکا نقاب میں — خندۂ حسن بے حجاب
منظر باغ پر ہے — اور فراز کوہسار
چادر آب جوئبار — ہو گئے سب طلا نگار
نور شفق نے بھر دیئے — رنگ سے کوہ سقف و بام
حسن نظر نے کر دیئے — دیدہ و روح شاد کام

کر دیا شام نے تمام
دامن غرب لالہ فام
ہو گئی نرم رو ہوا
محو سکوت ہے فضا

منتظر نوید ہے — صبر و سکون امید کا
ضبط درون شہید ہے — تیغ ہلال عید کا

ہو گئی نرم رو ہوا
محو سکوت ہے فضا

آج ہیں سب جوان و پیر
ایک لکیر کے فقیر
سرخ شفق کی ڈھال میں — گڑ گئے بے شمار تیر
جستجوئے ہلال میں — گم ہیں کئی مہر منیر

آج ہیں سب جوان و پیر
ایک لکیر کے فقیر

جوش خوشی سے یک بیک
بس گیا گنبد فلک

مسلمِ روزہ دار نے ختم کیا مہِ صیام
سازِ طرب کے ساز نے توڑ دیا سکوتِ شام

دیکھ رہا ہے آسماں
آج زمیں کا سماں
دشت و جبل میں ناگہاں
گونج اٹھیں سلامیاں

سن کے ترانۂ دعا وجد میں آ گئے ملک
چھا گیا ایک نور سا فرشِ زمیں سے عرش تک

جوشِ خوشی سے یک بیک
بس گیا گنبدِ فلک
مل گئی عید کی نوید
دیکھ لیا ہلالِ عید

ارض و سما میں دفعتًا بانگِ اذاں ہوئی بلند
ایک صدا میں دفعتًا ہو گئی ہر زبان بند

ایک جہانِ پاک باز
کر کے وضو پئے نماز
دل کو کئے ہوئے گداز
جھک گیا پیشِ بے نیاز

بندہ اُدھر اِدھر خدا لطف اُدھر اِدھر امید
عجز اِدھر اُدھر عطا گفت اُدھر اِدھر شنید

مل گئی عید کی نوید
دیکھ لیا ہلالِ عید

اب "صبحِ عید" نازش پرتاب گڈھی کی آنکھ سے دیکھئے۔

ـــہ ایک منظرِ طلوعِ سحر دیکھتا ہوں میں اک مظہرِ جمالِ بشر دیکھتا ہوں میں
چھٹکی ہوئی ہے نورِ بصیرت کی چاندنی دل سے نگاہ تک ہے عقیدت کی چاندنی

سجدے مچل رہے ہیں جبین نیاز میں | جھلکا رہا ہے رنگ حقیقت مجاز میں
محکم بنا رہے عظمت فصل بہار ہے | پیہم نزول رحمت پروردگار ہے
تفسیر انبساط میں مسجد کے بام و در | یہ جشن دیکھتے ہیں ملک جھوم جھوم کر
حرکت میں لا رہا ہے جسے نائب رسولؐ | قرآن پڑھ رہا ہے کہ جھڑتے ہیں منہ سے پھول
الفاظ سہل نور ازل سے ڈھلے ہوئے | میزان نطق میں ہیں جواہر تلے ہوئے
مومن کا یہ رکوع یہ سجدوں کا سلسلہ | جذبات شکر کا ہے طربناک ترجمہ
روزے کے تیس روز گذارے جو خیر سے | بندوں نے سر جھکا دیئے خالق کے سامنے
سنتے رہے کلام الٰہی جو رات بھر | ان کی مشقتوں پہ ہوئی لطف کی نظر
محسوس کر رہا ہے اک اک مرد روزہ دار | محنت کے بعد عیش ہے قانون کردگار

الغرض ہمارے شاعروں نے عید الفطر ہو یا عید الضحیٰ ہر عید پر کچھ نہ کچھ کہا ضرور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قدیم شعراء کے یہاں ذاتی غم اور داخلی کیفیات کی عکاسی نظر آتی ہے اور شعرائے جدید کے یہاں اپنے غم سے زیادہ غم دوراں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

بقیہ کوائف وحالات

قیمتی جانیں بھی ضائع ہوئیں۔ ایک مسلمان کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کا خون ہو وہ بھی بلا وجہ اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ... صورت حال میں بھی جبکہ اس قوم کو مارنے کے لئے کتنے ہی لوگ تیار بیٹھے ہیں ــ مسلمان ہی یہ کام انجام دیں یہ بدترین صورت حال کی طرف واضح اشارہ ہے۔

پٹنہ میں بھی عید جوش وخروش سے منائی گئی۔ خانقاہ عالمپناہ پھلواری شریف میں حسب معمول بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے نماز ادا کی۔ حضرت مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری امام وخطیب نے نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ دوسرا بڑا مجمع سنگی مسجد پھلواری شریف میں ہوا۔ جہاں حضرت مولانا شاہ غلام حسنین صاحب چشتی سجادہ نشین خانقاہ سلیمانیہ نے نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔

عید کے اس پر مسرت موقع پر ادارہ المجیب اپنے قارئین کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہے ۲۹ کی رویت کے لحاظ سے ۱۱ر شوال مطابق ۱۴ر فروری روز اتوار ہوگی۔ (ادارہ)

مومن اور قطعۂ تاریخ

(از جناب مہر نقوی جے پوری ۔ کراچی)

حکیم مومن خاں مومن دہلوی کی علمی اور شعر گوئی کی قابلیت کا سکہ ہمارے ادیبوں کے دلوں پر جم چکا ہے۔ اندر بنا بر مومن کی ادبی و علمی حیثیت بہت نمایاں ہے۔ موصوف نے اپنی طبعی افتاد اور اپنے زمانے کے ادبی رجحانات کے تحت دقیق معنی آفرینی کا مظاہرہ اپنے اشعار میں کیا ہے۔ تاریخی قطعات اور معموں میں بھی اسی قسم کے دقائق رکھے ہیں۔ صاف اور عام تاریخی قطعات بھی لکھے ہیں۔ اور تعمیہ و تخرجہ کے ساتھ بھی۔ تعمیہ و تخرجہ میں اپنی طبعی انداز فکر کے مطابق بہت عمدہ اور لطیف پیرایہ کے ساتھ تاریخیں کہی ہیں۔ جن میں نہایت دلکش اور ادیبانہ طریقوں سے تعمیہ یا تخرجہ کی طرف اشارات کئے ہیں۔ ان حسین ترکیبوں سے ایک طرف تو ادبی خوبی پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف سننے اور دیکھنے والے تلذذ و احتظاظ محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ایسی چند تاریخوں کے متعلقہ اشعار یا مصرع درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

(۱) آپ کے گھر میں ۱۲۵۹ھ میں دختر پیدا ہوئی۔ تو یہ تاریخ کہی۔

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے ۔۔۔ کہی تاریخ "دختر مومن"

"نال" = ۸۱ ۔۔۔ "دختر مومن" = ۱۳۴۰

تال کے اعداد کا تخرجہ ۔۔۔ ۸۱

۱۲۵۹ھ

(۲) ۱۲۳۱ھ میں آپ کے والد غلام نبی صاحب کا انتقال ہوا ۔۔۔ تو آپ نے کہا

کہ "غلام نبی" بہ "حق" پیوست

"غلام نبی" = ۱۱۳۳ ۔۔۔ "حق" = ۱۰۸

یعنی (الف) غلام نبی حق سے جا ملے ۔ (ب) غلام نبی کے اعداد (۱۱۳۳) "حق" کے اعداد (۱۰۸) میں شامل ہو گئے۔ تو ۱۲۳۱ھ کے اعداد ہو گئے۔

(۳) ۱۲۵۰ھ میں "گلشن بے خار" (تذکرہ شعراء مرتبہ شیفتہ دہلوی) طبع ہوا۔ تو تین قطعات میں سے ایک قطعہ

تعمیہ کے ساتھ کہا جس کا آخری مصرعہ یہ ہے ۔

کیا "گلشنِ بے خار" پہ "بادل" چھپایا

۱۳ ۱۲ ۳۷

اس میں "گلشنِ بے خار" کے اعداد (۱۲۱۳) میں "بادل" کے اعداد (۳۷) شامل کئے تو گلشن بے خار کا سال طبع (۱۲۵۰ھ) حاصل ہو جاتا ہے ۔

(۳) ۱۲۵۹ھ میں کوتوال شہر معزول ہوا ۔ جو سخت گیر اور بدمزاج تھا ۔ مومن نے تاریخ کہی ۔

سب نے کہا جب چھوٹا کام "اترا شحنہ مردک نام"

۶۱ ۲۰ ۱۴

"کام" کے اعداد کا تخرجہ ۶۱

۵۹ ۱۲ ۶

مومن کے قطعات تاریخ میں چار قسم کے قطعات پائے جاتے ہیں؟

اول: ایسے قطعات تاریخ جن کے مصرعے تاریخ یا مادہ تاریخ بلا تعمیہ و تخرجہ پورے پورے اعداد مطلوبہ کے حامل ہیں ۔ جیسے گلشن بے خار کی طباعت (۱۲۵۰ھ) کی تاریخ "گلدستۂ گلستان معنی" ۔

۵۰ ۱۲ ھ

دوم وہ قطعات جن میں لطیف اور ادیبانہ انداز میں تعمیہ و تخرجہ کیا ہے ۔ ایسے قطعات کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ۔

سوم وہ اشعار یا قطعات جن سے کسی واقعے کی تاریخ تو حاصل نہیں کی مگر ان کو سادہ اور معمولی طریقے سے معما کے طور پر کہا ہے ۔ اور طریقہ حمل سے اعداد لے کر اپنے معانی و مفہوم کو ادبی اور لفظی پردے میں بیان کیا ہے ۔ جیسے

(الف) غلام علی خاں کے نام کا معما

قید سے بے حد ہے ۔ خانہ بے در ہے   تو بھی صاحب غلام سے ملئے ۔ یعنی "قید" کا حرف آخر دال ہے ۔ اس کو دور کیا ـــ تو "قے" رہا ۔ اس کے اعداد ۱۱۰ ہیں ۔ جو "علی" کے اعداد کے برابر ہیں ۔ "خانہ بے در" سے مراد یہ ہے کہ اس کا بھی حرف آخر دور کیا ۔ تو "خان" رہا ۔ اب "غلام" جو دوسرے مصرعے میں موجود ہے اس کو علی اور خاں کے ساتھ ملایا تو "غلام علی خاں" ہو گیا ۔ یہی مومن کا معہود ذہنی ہے ۔

(ب) ایک معما خود اپنے نام (مومن) کا لکھا ہے ۔

کیفیت وصال بس اب کچھ نہیں رہی
کیونکر نہ بڑھے طول میں شب کچھ نہیں رہی

" اس معمے میں الفاظ " طول میں " میں سے شب کا نکالنا بیان کیا ہے۔ شب فارسی ہے اس کا مرادف " لیل " عربی ہے۔ جب ل ی ل " طول میں " میں سے نکال دیئے ـــــ تو "مومن" رہ گیا۔

(اشاریہ) اس معمے کے متعلق صاحب بحر الفصاحت کا بیان ہے کہ:۔

" ایک عیب اس معمے میں واقع ہوا ہے۔ وہ یہ کہ کلام سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ " طول " کے لفظ میں " شب " نہیں رہی۔ اور (مومن کی) مراد یہ ہے کہ " طول میں " کے الفاظ میں سے (شب کا مترادف) " لیل " نکلا۔ اس طرح مصرع میں ایک " میں " اور ہونا چاہیئے تھا "

بہر حال " طول میں " کے حروف م ۔ ل ۔ و ۔ ل ۔ م ۔ ی ۔ ن میں سے جب ل ی ل ۔ نیچے خط کشیدہ حروف نکال دیئے تو اوپر خط کشیدہ حروف رہ گئے۔ جن سے لفظ مومن بن جاتا ہے۔

چہارم بعض تاریخیں ایسی بھی کہی ہیں جن میں تعمیہ و تخرجہ کے دور از فہم اور دبیز لفظی و معنوی پردوں کی اوٹ میں واقعہ متعلقہ کا سال حاصل کرنے کا اشارہ کیا ہے۔

قسم اول، دوم، اور سوم کو توحل کرنے کے لئے کچھ زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فوراً عام طریقہ کے مطابق یا اشارات کے سہارے پر عمل کرکے مومن کا اصل عندیہ معلوم کرکے سال مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ اور سامع یا قاری کو قایل (مومن) کے معہود ذہنی کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے۔

قسم چہارم میں ایسے تاریخی قطعات ہیں جن کو سامع کے ذہن کا قائل کے معہود ذہنی تک پہنچنا کافی دشوار ہے انکیا ایسے پیچ در پیچ طریقے سے الفاظ رکھے گئے ہیں کہ مومن کے ہم عصر تو شاید اس کے اس مفہوم کی طرف بلا واسطہ یا بواسطہ پہنچ کر لطف اندوز ہو گئے ہوں۔ مگر بعد کے صاحبان ذوق اس کی تہ تک پہنچنے سے قاصر رہے۔ اور غالباً یہ سمجھ کر خاموش ہو گئے کہ مومن جیسے فاضل شاعر نے جو بات کہی ہے وہ بے معنی تو ہو نہیں سکتی۔ اس میں کوئی نہ کوئی باریکی ضرور ہوگی جس تک ہماری عقل پہنچنے سے قاصر ہے۔ اسی کے تحت ایسے پراز ابہام قطعات، کلام مومن کے ساتھ شایع تو ضرور ہو گئے۔ مگر ان کے حل کی بابت مومن کے قریبی زمانے والوں نے بھی کوئی وضاحت نہیں کی۔ اور اب سوا سو ۱۲۵ سال بعد جن صاحبان نے مومن کے دیوان کی شرحیں لکھیں۔ یا ان کے کلام پر مضامین (Thesis) لکھ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سندیں حاصل کیں، انہوں نے بھی ایسے ابہامات کی پردہ کشائی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور محض زبان، بلندی تخیل۔ ندرت فکر وغیرہ جیسے ادبی مسائل پر روشنی ڈال کر اپنا مقصد (حصول سند) حاصل کر لیا۔ ابہامات یہ بدستور پردہ پڑا رہا۔

میں اس وقت ایک ایسے ہی قطعۂ تاریخ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے شعرائے اردو کا ایک تذکرہ موسوم بہ " گلشن بے خار " لکھا جو ۱۲۵۰ھ میں مکمل ہوا۔ مومن جو شیفتہ کے استاد تھے انہوں نے اس کے تین قطعے کہے۔ پہلے قطعے کا آخری مصرع تاریخ بالکل سیدھا سادا ہے

"گلدستۂ گلستانِ معنی"۔

۵۰ ۱۲ ھ اس کے اعداد ابجدی کا مجموعہ ۱۲۵۰ ہے۔ دوسرے قطعے میں مومن نے اپنے طریقۂ فکر کے مطابق لطیف تعمیہ سے کام لے کر سال مذکور کو حاصل کیا ہے "کیا گلشن بے خار پہ بادل چھایا" یعنی "گلشن بے خار" کے اعداد (۱۲۱۳) میں "بادل چھایا" کے اشارے کے مطابق "بادل" کے اعداد (۳۷) شامل کر دیئے تو مجموعہ وہی ۱۲۵۰ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد تیسرا قطعہ حسب ذیل درج ہے۔ اور یہی اس وقت زیر بحث و قابل غور ہے۔

منتخب ہائے شیفتہ دیدم | خاطر دوستاں طرب ہا یافت
مومن از روئے نکتہ دانی ہا | سال تاریخ منتخب ہا یافت
ہر کہ بشمرد حرفِ اعدادش | نسخۂ دانش و ادب ہا یافت

اس قطعے میں کافی ابہام و اغلاق ہے۔ میں نے اپنے شوق وضاحت کے تحت اس پر غور کیا مگر اس کے الفاظ و اشارات کے سہارے سے ۱۲۵۰ھ حاصل نہ ہو سکا۔ مجبوراً چند ذی علم پروفیسروں اور تاریخ گوئی نیز مومن کے انداز فکر سے لگاؤ رکھنے والے حضرات کی طرف رجوع کیا جن میں حضرت رسا لکھنوی (کراچی) ڈاکٹر ناظر حسن صاحب زیدی (لاہور) ڈاکٹر وزیر الحسن صاحب عابدی (لاہور) حضرت مرزا ہادی علی بیگ وامق رامپوری (لاہور) اور ڈاکٹر ضیا احمد صاحب بدایونی (علی گڑھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ڈاکٹر ناظر حسن صاحب نے تو نہایت خندہ پیشانی اور صفائی کے ساتھ فرمایا کہ۔ اگرچہ میں نے مومن ہی پر مضمون لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے مگر مومن کے تاریخی قطعات اور بالخصوص اس قطعہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ ڈاکٹر وزیر الحسن صاحب عابدی نے اس کے حل کی سعی فرمائی۔ اور کوئی صورت موصوف کے ذہن میں آنا بھی بیان فرمایا۔ مگر موصوف کی دوسری ناگزیر مصروفیات کی بنا پر وہ حل شدہ طریقے کا کاغذ ان کے کاغذات میں محفوظ ہو گیا اور وہ حل مجھ تک نہ پہنچ سکا۔ شاید وہ حل ایسا ہو کہ جس سے مومن کے معہود ذہنی تک اسی طرح پہنچا جا سکتا ہو۔ جس طرح متذکرۂ صدر دوسرے قطعات اور معموں تک پہنچا جا سکا ہے۔

(۱) رسا صاحب لکھنوی نے حسب ذیل طریقے پر اس کو حل فرمایا ہے۔ مگر یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے جس کی مساعدت مومن کے الفاظ نہیں کرتے۔ اور اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس معمے کو حل کرنے کے لئے یہی طریقہ خود مومن نے بھی تجویز کیا تھا۔ حالانکہ ہمیں چاہیے کہ قائل کے مقرر کئے ہوئے اشاروں کی روشنی میں اس کے اصل مفہوم اور طریقۂ حل تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ تاکہ دوسرے سننے والے حضرات کو سو فی صد اطمینان ہو سکے۔ کہ واقعی اس کا حل ہو سکتا ہے تو یہی ہے اور یہی طریقہ خود مومن نے اس میں رکھا ہوگا۔ بہر حال رسا صاحب کا حل اس طرح ہے۔

(الف) قطعہ میں اٹھارہ الف ہیں۔ ان کے اعداد ۱۸

(ب) دو ہمزہ اصلی ہیں ۲

(ج) ایک "ل" ہے (سال تاریخ میں) اس کے ۳۰

(د) چار شین ہیں۔ اس لئے ان کے اعداد ۱۲۰۰

میزان ۱۲۵۰ھ

(۲) وامق رامپوری کے حل کے یہ الفاظ ہیں۔

"اس معمے میں مومن نے کچھ نہیں کیا۔ صرف "گلدستۂ گلستانِ معنی" کے الفاظ اشاروں میں کہہ دیئے تین اشعار میں دوسرا شعر دراصل تیسرا شعر پڑھنا چاہیئے۔

اس طرح خاطر طرب ہا = گلدستہ

نسخۂ دانش وادب ہا = گلستاں

نکتہ دانی ہا = معنی

دفعہ ختم؟"

اس حل کی نوعیت تو میری سمجھ میں خاک نہیں آئی۔ ممکن ہے۔ کہ دوسرے فہیم و ذکی حضرات اس سے کوئی نتیجہ نکال سکیں

(۳) پروفیسر ضیا احمد صاحب بدایونی (علی گڑھ)۔ موصوف نے دیوان مومن کی شرح لکھی ہے جو طبع بھی ہو چکی ہے۔ میں نے موصوف کی خدمت میں بڑے اشتیاق اور نیازمندی کے ساتھ یہ قطعہ لکھ کر بھیجا اور حل کی درخواست کی۔ موصوف نے ازراہ کرم فوراً جواب مرحمت فرمایا جس کا بیشتر حصہ حسب ذیل ہے۔

"مومن کو معمے اور تعمیہ دار تاریخیں کہنے کا شوق تھا۔ قطعہ زیر بحث کو میں نے پڑھا۔ چند منٹ غور کیا اور فوراً ذہن حل تک[1] پہنچ گیا۔ تاریخ "منتخب ہا" سے برآمد ہوتی ہے۔ اس کے اعداد ۱۰۹۸ ہیں۔ اب تعمیہ ملاحظہ ہو۔ از روئے نکتہ دانی سے "ن" (۵۰) مراد ہے لیکن چونکہ "نکتہ دانی ہا" بصیغہ جمع ہے اور جمع (فارسی میں نہ سہی عربی میں کم از کم تین افراد کے لئے آتی ہے۔ لہٰذا ۵۰×۳ یعنی ۱۵۰ شامل کیجئے یہ ۱۰۹۸ + ۱۵۰ = ۱۲۴۸ ہوئے۔ اب آخری شعر پر نظر ڈالئے جس کے بظاہر یہ معنی ہیں کہ جس کسی نے اس تاریخ کے اعداد کے حروف صحیح شمار کر لئے اس نے گویا علم وحکمت کا دفتر حاصل کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ شاعر نے یہ تاریخ بڑے دعوے کے ساتھ کہی ہے۔ مگر دوسرے معنی یہ نکلتے ہیں کہ جس نے (بشمرد = ب + شمرد) ب کو اس تاریخ کا حرف گن لیا۔ اس نے علم وحکمت

[1] حل تک ذہن اب پہنچا۔ کیا شرح لکھتے وقت اس طرف ذہن نہیں پہنچا تھا۔

کا دفتر پالیا ہے ظاہر ہے کہ ب کے عدد ۲ ہیں ۔ ۱۲۴۸ میں ۲ جمع کرنے سے ۱۲۵۰ برآمد ہوئے اور یہی سال مطلوب ہے ۔"

مجھے اس حل میں دو جگہ اختلاف رہا :۔

(الف) " ز روئے نکتہ دانی ہا" کے اشارے کے مطابق عربی کے صیغہ جمع کا اطلاق تین افراد پر ہونے کے قاعدے کے بموجب یہاں "نکتہ دانی" کے ن کو تین مرتبہ شمار کرنا۔ درآں حالیکہ مومن نے قطعہ فارسی زبان میں کہا ہے ۔ نیز لفظ " ہا" کے سوا قطعہ میں کوئی اشارہ یا اسلوب ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ یقین ہو سکے کہ تین دفعہ نون کے اعداد (۵۰ × ۵۰ × ۵۰) شمار کر کے ۱۵۰ محسوب کرنا خود مومن کا بھی معہود ذہنی تھا ۔

(ب) "بشمرد" کی "ب" کے ۲ عدد شامل کرنے کی طرف بھی قطعہ میں اور بالخصوص قطعے کے پانچویں مصرعے میں کوئی اشارہ نہیں ہے ۔ ایسی صورت میں ب کے ۲ عدد شامل کر کے ۱۲۵۰ پورے کر لینا حل کنندہ کی ذاتی اختراع ہے ۔ نہ کہ خود مومن کا معہود ذہنی ۔

میں نے پروفیسر صاحب موصوف سے درخواست کی کہ مذکرہ بالا نکات پر غور کر کے مزید فکر فرمائیں ۔ مگر موصوف کا دوسرا گرامی نامہ جو موصول ہوا اس کی عبارت حسب ذیل ہے ۔

" میں اس خیال پر قائم ہوں کہ میرا حل صحیح ہے ۔ کیونکہ مجھے مومن کے انداز سے قدرے مناسبت ہے یہ درست ہے کہ تاریخ جیسے امر میں جو نہایت وضاحت چاہتا ہے انہوں نے بے حد ابہام سے کام لیا ہے ۔ جیسا کہ سابقاً عرض کیا تھا ۔ "نکتہ دانی ہا" جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے لہذا نکتہ دانی + نکتہ دانی + نکتہ دانی میں ہر ایک کا ن (۵۰) مطلوب ہے جو ۵۰ + ۵۰ + ۵۰ = یعنی ۱۵۰ ہوا ....

اب تیسرے شعر کو لیجئے ۔ اس میں " ش" کی ضمیر سال تاریخ کی طرف راجع ہے جو دوسرے شعر میں موجود ہے ۔ ظاہر معنی یہ ہوئے ۔ کہ جس نے اس تاریخ کے اعداد کے حروف مطلوب کو شمار کر لیا اس نے دفتر علم و ادب پالیا ۔ مگر دوسرے معنی یہ ہیں ۔ کہ جس نے ب کو اس تاریخ کے اعداد کا حرف گنا ۔ اس نے .... (بشمرد = ب ۔ شمرد) شاعر نے ہر لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے ۔ مثلاً از روئے نکتہ دانی ہا ، بشمرد ۔ حرف اعداد ۔ مومن نے حرف اعداد سے مراد لیا ہے ۔ ایسا حرف جو اعداد میں داخل ہے ۔ اسی لئے اعداد حرف نہیں کہا ۔"

میں نے اتمام حجت کے طور پر تیسری مرتبہ پھر عرض کیا ۔ کہ میں ابھی اس حد تک مطمئن نہیں ہوا ۔ کہ سینہ ٹھوک کر آپ کے حوالے سے

اپنی کتاب میں آپ کا حل دیدوں ۔ اور یہ سمجھ کر لکھوں کہ اب دنیا کے پردے پر کوئی ادیب اس معلوم یا حل کو مومن کے دماغ میں تھا اور مفہوم کے خلاف سمجھنے کی جرأت کر ہی نہیں سکتا (اور یہ کہ مومن کا یہی معہود ذہنی تھا) جس طرح گلشن ہند میں قطعہ زیر بحث کے ساتھ دوسرا قطعہ ہے جس میں آخری مصرع "کیا گلشن بے خار یہ یادل جھایا" ہے ۔ اور اس میں (۱۲۵۰ھ) مضمر ہے

میرے اس تیسرے عریضے کے جواب میں پروفیسر صاحب کا تیسرا گرامی نامہ ملا ۔ لکھا ہے :۔

"میں نے یہ کب کہا تھا کہ مومن کا یہی مقصود ہے ۔ اور اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا جو آپ نے تحریر فرمایا ہے ۔ کہ "میں ابھی اس حد تک مطمئن نہیں ہوا کہ سینہ ٹھوک کر .... البتہ مومن نے کلیات اردو میں شیفتہ کے نام کا جو معما تحریر کیا ہے اس میں اسی قبیل کے رموز سے کام لیا ہے ۔ میری شرح ملاحظہ ہو ۔ دوسرے اصحاب کے حل میں بھی کئی چیزیں ظنی ہیں ۔ مگر ہو بھی کیا سکتا ہے" اب شاعر کا حقیقی عندیہ معلوم ہونے کی کوئی صورت نہیں"۔

(۴) ایک اور صاحب نے اس معمے کو حل کرنے کی یہ صورت فرمائی :۔

"ہر کہ بشمرد حرف اعداد دش" یعنی جس شخص نے اس لفظ یا جملے کے اعداد کے حرف شمار کر لیے اس نے علم و حکمت کا خزانہ (صحیح سال تاریخ) پالیا ۔ پس اب ایسا جملہ متعین کر لیجیے کہ جس کے اعداد کے حرف ۱۲۰۰ ہو جائیں ۔ اس میں نکتہ دانی کے رُو یعنی نون کے ۵۰ عدد جمع کر دیجیے ۔ ۱۲۵۰ ہو جائیں گے"۔

اہل علم و نظر غور فرمائیں کہ یہ کیا حل ہوا ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حل کرنے والے صاحب خود وہ الفاظ متعین فرماتے کہ جن کے اعداد کا مجموعہ اگر حرفوں میں لکھا جائے تو ان سے بارہ سو اعداد حاصل ہو جائیں ۔ ان الفاظ یا جملے کا تعین میرے ہی ذمہ رکھ دینے سے ان صاحب کے فکر و تخیل کی ذمہ داری اور اس کی خوبی کا کیا تعلق ہے ۔

میں نے پروفیسر ضیا احمد صاحب کا حل چند دوسرے ڈاکٹر اور پروفیسر صاحبان کے روبرو پیش کیا تو ان سب نے موصوف کے مجوزہ حل کو محض موصوف کی ظنی اختراع پر محمول کیا ۔ جس طرح دوسرے صاحبان کے حلوں پر شخصی و انفرادی فکر کی تعریف عاید ہوتی ہے ۔ کیونکہ ان میں سے کسی کا حل بھی مومن کے مجوزہ الفاظ کے دوش بدوش نہیں ہے ۔ بلکہ ہر ایک نے اپنی اپنی رسائی فکر سے کام لیا ہے ۔ مومن کے عندیہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی ۔ یا باوجود کوشش کے اس ترکیب کو معلوم نہ کر سکے جو دوسرے قطعات اور معموں کی طرح مومن نے اس قطعہ میں رکھی ہے ۔ ان حلوں میں کوئی سا حل بھی قطعے کے الفاظ و اشارات کا ساتھ نہیں دیتا ۔ یا یوں سمجھیے کہ اشارات مقررہ کو پیش نظر رکھ کر فکر نہیں کی گئی ۔

(۵) ایک اور صاحب نے بھی حل کرنے کی کوشش کی ۔ مگر وہ بھی ۱۲۴۸ ہی حاصل کر سکے ۔ دو عدد کی کمی پوری کرنے کا کوئی اسلوب ان کی سمجھ میں نہیں آیا ۔ فرماتے ہیں ۔

"منتخب ہائے شیفتہ" کے اعداد ۱۹۰۳ ہوتے ہیں۔ ان کو لفظی طور پر لکھا تو "یک نہ سہ" ہوئے۔ ان کے پھر اعداد نکالے۔ تو ۱۵۰ ہوتے۔ پانچویں مصرعے میں جو اعداد "شی" کا "شی" ہے وہ منتخب ہائے شیفتہ کی طرف راجع ہے۔ اب ۱۵۰ کو "منتخب ہا" کے اعداد (۱۰۹۸) میں شامل کیا۔ تو ۱۲۴۸ ہوئے۔ اور شاید گلشن بے خار کی تکمیل کی تاریخ ہوگی۔ جو ۱۲۴۸ھ میں مکمل ہوا اور دو سال بعد ۱۲۵۰ھ میں طبع ہوا۔ اس لئے یہ اس کی تکمیل کی تاریخ ہوگی۔ نہ کہ چھپنے کی ——— سال طبع کے لئے دوسرے قطعات ہیں۔

(۶) ——— ایک صاحب نے سیدھے سے طریقے پر یوں حل تجویز کیا۔ یہ حل بھی الفاظ اور اشارات کے مطابق تو نہیں ہے۔ مگر ۱۲۵۰ ضرور حاصل ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

قطعے کے پانچویں مصرعے میں تین لا ہیں (جن کے ۹۰ عدد ہوئے) - دو "شی" ہیں (۶۰۰ عدد ان کے ہوئے) = مجموعہ ۱۲۰۰ - ایک میم جس کے ۴۰ - اور "اعداد" میں دو دال اور دو الف - اس طرح ۱۰ عدد یہ ہوئے - پس ۱۲۰۰ + ۵۰ = ۱۲۵۰ ہوگئے۔ یا روئے نکتہ دانی کے اشارے کے مطابق ۱۲۰۰ میں ن کے ۵۰ عدد شامل کرنے تو بھی ۱۲۵۰ ہو جاتے ہیں۔

ان تمام حلوں کو دیکھنے کے بعد میں نے بھی اس مسئلے میں غور کیا۔ اور ان ہی حلوں کی بعض ترکیبوں کے سہارے سے میں نے بھی ایک حل تلاش کیا۔ اگرچہ ایک ترکیب ("نکتہ دانی ہا" کے ن کے اعداد دو مرتبہ شمار کرنا) اب بھی میری طبیعت کو سو فیصدی پسند نہیں ہے۔ مگر بار بار غور کرنے کے باوجود فی الحال میری سمجھ میں بھی اشارات و الفاظ کی روشنی میں اس حل کے علاوہ کوئی اور حل نہیں آیا۔ لیکن محض ایک خامی کے علاوہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دوسرے حلوں کے مقابلے میں میرا پیش کیا ہوا حل، قطعہ کے الفاظ اور اشارات کے دوش بدوش ہے۔ اس کے باوجود یقین اور وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ خود مومن نے اس قطعہ کے اشارات سے دراصل کس طرح ۱۲۵۰ھ حاصل کیا تھا۔ اس سے زیادہ صحیح حل اگر کسی صاحب فکر کے خیال میں آئے جس کو مومن کے معہود ذہنی کے مطابق سمجھا جا سکے تو وہ اپنے قیمتی مشورے سے کسی طرح مطلع فرمائیں۔ بہرکیف میرے ذہن میں قطعۂ زیر بحث کا حل حسب ذیل ہے۔

(۱) "مومن" کے اعداد ۱۳۶

(۲) "لیے نکتہ دانی ہا" کے اشارے کے مطابق۔ چونکہ فارسی میں کم سے کم دو صیغۂ جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے ن کے اعداد دو مرتبہ شمار کئے ۔ ۵۰ + ۵۰ = ۱۰۰

چونکہ مومن نے قطعۂ تاریخ فارسی میں کہا ہے۔ گلشن بے خار بھی فارسی ہی میں ہے۔ اس لئے یہ خیال کہ عربی کے قاعدے کو فارسی میں جاری کرنا مومن جیسے فاضل کو زیب نہیں دیتا۔ البتہ فارسی زبان کے قطعہ میں فارسی کے قاعدے پر عمل کرنا مناسب اور مومن کے شایان شان ہے اس وجہ سے یہ صورت ذہن میں آئی ہے۔ کہ شاید مومن نے

اسی ترکیب کو اس قطع میں برتا ہے۔

(۳) (الف) "منتخب ہا" کے اعداد ۱۰۹۸ ہیں۔
ان کو حرفوں میں لکھا۔ تو یک ہزار
نود و ہشت ہوتے۔ اب ان کے
اعداد بنائیے۔ ۱۰۱۴
میزان کل ۱۲۵۰ھ

(۳) (ب) "نسخۂ دانش وادب ہا" کے اعداد
۱۰۸۹ ہیں۔ ان کو حرفوں میں لکھا تو
"یک ہزار ہشتاد و نہ" ہوئے ان کے
اعداد بھی ۱۰۱۴ ہی ہوتے ہیں اس لئے

۱۰۱۴
مومن کے اعداد + ۱۳۶
ن + ن - کے ۱۰۰
میزان ۱۲۵۰ھ

اب قطعہ کا مفہوم یہ ہوا کہ "مومن" کے اعداد ۱۳۶ کے 'رد' نکتہ دانی ہا۔ یعنی دو نون کے ۱۰۰ عدد کے ساتھ مل کر منتخب ہائے شیفتہ (گلشن بے خار) کا سال تاریخ "منتخب ہا" میں مضمر پایا۔ اور اس طرح جس شخص نے (یعنی سال تاریخ کے خواہاں نے) اس (منتخب ہا) کے اعداد (۱۰۹۸) کے حروف کو "ہر کہ بشمرد حرف اعداد ش" کے اشارے اور ہدایت کے مطابق) شمار کیا تو اس نے "نسخۂ دانش وادب ہا" پالیا۔ یعنی اس شخص کو منتخب ہائے شیفتہ کا سال تاریخ معلوم ہوگیا۔ جو دانش وادب ہا کا نسخہ (یعنی فہم و ذکا اور اعلیٰ ادب کا بہترین نمونہ) ہے۔

واضح ہو کہ "منتخب ہا" کے اعداد ۱۰۹۸ کو یک ہزار نود و ہشت" اور "نسخۂ دانش وادب ہا" کے اعداد (۱۰۸۹) یک ہزار ہشتاد و نہ" لکھ کر، ان لفظوں میں لکھے ہوئے اعداد کے ابجدی اعداد نکالنے سے دونوں کے جدا جدا اعداد ۱۰۱۴ ہی ہوتے ہیں۔ پس مومن کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے ۱۳۶ اور ۱۰۰ کا مجموعہ ۲۳۶ بے کر متذکرہ بالا طریقے سے منتخب ہا کے اعداد ۱۰۱۴ میں جمع کر لیا تو منتخب ہائے شیفتہ (گلشن بے خار) کا سال تاریخ ۱۲۵۰ پالیا اور جب یہ پالیا تو گویا دانش وادب کا نسخہ بھی پالیا کیونکہ "منتخب ہا" اور "دانش وادب ہا" کے اعداد ۱۰۹۸ یا ۱۰۸۹ کو لفظی طور پر لکھنے کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک کا ابجدی مجموعہ یکساں (۱۰۱۴) ہے اور اس مجموعہ کو ۲۳۶ میں جمع کر دینے سے ۱۲۵۰ حاصل ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "حرف اعداد ش" میں ضمیر "ش" "منتخب ہا" کی طرف بھی راجع ہے اور ضمیر اقبل الذکر کی صورت میں

افادات

اماداتِ بدریہ

از حضرت اقدس سید الکاملین سیدنا الامام مولانا شاہ محمد بدر الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ

سوال اول

سجادہ کس کو کہتے ہیں سجادہ نشینی کب سے ہے اور کس طرح پر ہے۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم واللہ یھدی الی الحق سجادہ۔ لغوی معنی میں مصلی یعنی اس چیز کو کہتے ہیں جس پر نماز پڑھی جائے۔ اور مشائخ طریقت کی اصطلاح میں جس پر نماز پڑھی جائے اور اس مقام کو بھی کہتے ہیں جس جگہ مصلے بچھا کر بزرگان پیشین نے ذکر الٰہی او رمراقبہ اور نوافل کے پڑھنے کے لئے متعین کر لیا ہو۔ اور یکے بعد دیگرے ان کے اخلاف بھی تبرکاً اس جگہ وہ سب کام کر رہے ہوں۔

سلف صالحین کی نماز پڑھنے اور عبادت کی جگہ میں اخلاف کو تبرکاً نماز پڑھنے کا استناد اس آیۃ شریفہ سے ہے

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی (سورہ بقرہ رکوع ۱۵)

اور صحیح بخاری کے باب المساجد فی البیوت میں ہے۔

ان عتبان مالک وھو من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن شھد بدراً من الانصار انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی بینی وبینھم لم استطع ان اتی مسجدھم فاصلی بھم وددت یا رسول اللہ انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی قال فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سافعل ان شاء اللہ قال عتبان فغدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر حین ارتفع النھار فاستاذن رسولہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم اجلس حتی دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی من بیتک قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا

اسی ترکیب کو اس قطع میں برتا ہو۔

(۳) (الف) "منتخب ہا" کے اعداد ۱۰۹۸ ہیں۔
ان کو حرفوں میں لکھا۔ تو یک ہزار
نود وہشت ہوتے۔ اب ان کے
اعداد بنائے۔ ۱۰۱۴

میزان کل ۱۲۵۰ ھ

(۳) (ب) "نسخۂ دانش وادب ہا" کے اعداد
۱۰۸۹ ہیں۔ ان کو حرفوں میں لکھا تو
"یک ہزار ہشتاد ونہ" ہوئے ان کے
اعداد بھی ۱۰۱۴ ہی ہوتے ہیں اس لئے

۱۰۱۴
مومن کے اعداد + ۱۳۶
ن + ن - کے ۱۰۰

میزان ۱۲۵۰ ھ

اب قطعہ کا مفہوم یہ ہوا کہ "مومن" کے اعداد ۱۳۶ کے 'ردئے نکتہ دانی' یعنی دو نون کے ۱۰۰ عدد کے ساتھ مل کر منتخب ہائے شیفتہ (گلشن بے خار) کا سال تاریخ "منتخب ہا" میں مضمر پایا۔ اور اس طرح جس شخص نے (یعنی سال تاریخ کے خواہاں نے) اُس (منتخب ہا) کے اعداد (۱۰۹۸) کے حروف کو "ہر کہ بشمر د حرف اعداد ش" کے اشارے اور ہدایت کے مطابق) شمار کیا تو اس نے "نسخۂ دانش وادب ہا" پالیا۔ یعنی اس شخص کو منتخب ہائے شیفتہ کا سال تاریخ معلوم ہوگیا۔ جو دانش وادب ہا کا نسخہ (یعنی فہم و ذکا اور اعلیٰ ادب کا بہترین نمونہ) ہے۔

واضح ہو کہ "منتخب ہا" کے اعداد ۱۰۹۸ کو "یک ہزار نود وہشت" اور "نسخۂ دانش وادب ہا" کے اعداد (۱۰۸۹) "یک ہزار ہشتاد ونہ" لکھ کر، ان لفظوں میں لکھے ہوئے اعداد کے ابجدی اعداد نکالنے سے دونوں کے جداجدا اعداد ۱۰۱۴ ہی ہوتے ہیں۔ پس مومن کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے ۱۳۶ اور ۱۰۰ کا مجموعہ ۲۳۶ بے کر مذکرہ بالا طریقے "منتخب ہا" کے اعداد ۱۰۱۴ میں جمع کر لیا تو منتخب ہائے شیفتہ (گلشن بے خار) کا سال تاریخ ۱۲۵۰ پالیا اور جب یہ پالیا تو گویا دانش وادب کا نسخہ بھی پالیا کیونکہ "منتخب ہا" اور "دانش وادب ہا" کے اعداد ۱۰۹۸ یا ۱۰۸۹ کو لفظی طور پر لکھنے کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک کا [illegible] مجموعہ یکساں (۱۰۱۴) ہے اور اس مجموعہ کو ۲۳۶ میں جمع کر دینے سے ۱۲۵۰ حاصل ہو جاتا ہے۔
یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "حرف اعداد ش" میں ضمیر "ش" "منتخب ہا" کی طرف بھی راجع ہے اور ضمیر قبل الذکر کی صورت میں

افادات

امامات بدریہ

از حضرت اقدس بدر الکاملین سیدنا الامام مولانا شاہ محمد بدر الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ

سوال اول

سجادہ کس کو کہتے ہیں سجادہ نشینی کب سے ہے اور کس طرح پر ہے۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم واللہ یھدی الی الحق سجادہ لغوی معنی میں مصلی یعنی اس چیز کو کہتے ہیں جس پر نماز پڑھی جائے۔ اور مشائخ طریقت کی اصطلاح میں جس پر نماز پڑھی جائے اور اس مقام کو بھی کہتے ہیں جس جگہ مصلے بچھا کر بزرگان پیشین نے ذکر الٰہی اور مراقبہ اور نوافل کے پڑھنے کے لئے متعین کر لیا ہو۔ اور ان کے بعد دیگرے ان کے اخلاف بھی تبرکاً اس جگہ وہ سب کام کر رہے ہوں۔

سلف صالحین کی نماز پڑھنے اور عبادت کی جگہ میں اخلاف کو تبرکاً نماز پڑھنے کا استناد اس آیۃ شریف سے ہے

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے (سورہ بقرہ رکوع ۱۵)

اور صحیح بخاری کے باب المساجد فی البیوت میں ہے۔

ان عتبان مالك وھو من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن شھد بدراً من الانصار انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی بینی وبینھم لم استطع ان اتی مسجدھم فاصلے بھم وودت یا رسول اللہ انك تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلے قال فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سافعل ان شاء اللہ قال عتبان فغدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر حین ارتفع النھار فاستاذن رسولہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم اجلس حتی دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی من بیتك قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا

فصلی رکعتین ثم سلم قال وجلسنا ہ علی خزیزۃ صنعناھا لہ۔

یہی روایت امام باب اذا دخل بیتا یصلی حیث شاء او حیث امر ولا یتجسس میں ہے اور باب الصلوۃ علی الحصیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ ان کے جدہ کے مکان میں کھانا نوش فرمانے کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوموا فلاصل لکم قال انس فقمت الی حصیر لنا فصلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین ثم انصرف ۔

سجادہ نشین یا دوسرے لفظوں میں جانشینی. نیابت، خلافت، اسلام، میں اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت سے ہے یعنی سجادہ نشینی، خلافت راشدہ سے ماخوذ ہے ۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب اپنی جگہ پر مسجد نبوی میں امامت کرنے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا۔ اور انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔

قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر یصلی بالناس وقد رای مکانی وما کنت غائبا ولا مریضاً ولو اراد ان یقدمنی لقدمنی فرضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا ۔

اسی بنا پر۔ اور چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا علم بھی بیشتر اصحاب کو پہلے سے تھا سبھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اس میں ان کی فرماں برداری کا اقرار اسی طرح سے کیا جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا اقرار آپ سے بیعت کرنے کے وقت کیا تھا۔ یعنی ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور خلیفہ سمجھا۔ یہاں تک کہ ان کا لقب خلیفۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہوا۔ پھر حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ابتدا میں ان کا لقب لوگ خلیفۂ خلیفۃ الرسول کہنے لگے۔ لیکن خود امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابی کو خیال آیا کہ آئندہ خلیفہ کا لقب کہاں تک بڑھایا جائے گا۔ اس لئے خلیفۂ خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ لفظ امیر المومنین کو مناسب سمجھ کر پسند کیا یہ اور ان کے بعد کے ہر خلیفہ امیر المومنین ہی کے لقب سے ملقب ہوئے۔

خلفائے راشدین کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کہئے یا نائب یا جانشین۔ یہ لوگ بالخصوص شیخین اپنے اپنے عہد میں ایسے طریقہ سے کام کرتے رہے کہ اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک زندہ رہے ہوتے تو تو وہی کام کرتے اسی معنی میں لوگوں نے لکھا ہے کہ شیخین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نبوت سے فیضیاب تھے۔ اور ختنین کمالات ولایت سے متابعت نبوی کا ان بزرگوں کو کس قدر بڑھا ہوا خیال تھا اس کی ایک مثال لکھی جاتی ہے ۔

حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ نے عہد خلافت میں حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب دیکھا کہ صبح کی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محراب سے تکیہ کرکے بیٹھے۔ اس کے بعد ایک عورت طباق میں کھجور لائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وہ طباق رکھا گیا۔ آپ نے اس میں سے ایک کھجور لیا اور فرمایا اے علی یہ کھجور لوگے۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے اپنا دست مبارک بڑھا کر اور اس کھجور کو میرے منہ میں دے دیا۔ پھر دوسری کھجور لیا اور اسی طرح فرمایا۔ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ تو اس کو میرے منہ میں دیدیا۔ اس کے بعد میں جاگ گیا۔ اور اس حال میں کہ دل میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق اور منہ میں میرے اس کھجور کی حلاوت تھی۔ میں نے وضو کیا اور مسجد کی طرف گیا۔ حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ محراب کا تکیہ کرکے بیٹھے۔ میں نے چاہا کہ اپنا خواب بیان کروں اس سے پہلے کہ میں خواب کو سناؤں ایک عورت آئی اور مسجد کے دروازہ پر ٹھہری اس کے ساتھ کھجور کا طباق تھا۔ وہ حضرت عمر کے سامنے رکھا گیا۔ انہوں نے کھجور لیا اور کہا اے علی اس کو کھاؤگے میں نے کہا ہاں تو اس کو میرے منہ میں ڈال دیا۔ پھر دوسرے کو اٹھایا اور اسی طرح کہا، میں نے کہا ہاں۔ پھر ایک کھجور لیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر داہنے اور بائیں تقسیم کیا۔ میں اور سے خواہش رکھتا تھا اور کی بھی۔ انہوں نے کہا اے بھائی اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تمہیں زیادہ دیئے ہوتے تو میں بھی تم کو زیادہ دیتا۔ میں نے تعجب کیا اور (دل میں) کہا جو کچھ رات میں نے خواب دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر ظاہر کردیا تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا اے علی مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ میں نے کہا اے امیرالمومنین آپ نے سچ کہا اسی طرح میں نے دیکھا تھا اور وہی لذت آپ کے ہاتھ سے پائی جس طرح کہ لذت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے میں نے پائی تھی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کو حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کس خوبی کے ساتھ ادا کی کہ دو کھجور کھلاتے ہوئے حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ نے جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو کھلایا اور ایک ایک کھجور ان کے منہ میں اسی طرح سے ڈالا اور عدد پر زیادہ نہ کرنے کی وجہ کو بھی ظاہر کردیا۔ کس قدر بڑھا ہوا ان کا قلبی تعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اپنے مکان میں جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا اس کے دوسرے دن کو بیداری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ وہی سب باتیں کیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے تصدیق اس تاثیر کی فرمائی جو باطنی چیز تھی یعنی کہا کہ میں نے جیسا ذائقہ خواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پایا وہی ذائقہ اے امیرالمومنین میں نے آپ کے ہاتھ سے پایا۔ اہل طریقت کے لئے یہ سب معنی خیز باتیں ہیں۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تو اعلیٰ درجہ خلافت

ادا نیابت کرنے والے تھے۔ دوسرے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی وسعت علم و استعداد کے موافق اس نیابت کو ادا کرتے رہے ہیں۔ مثلاً وعظ و تلقین اور ہدایت خلق میں کل اصحاب عموماً اور اشاعت علم قرآن اور دینی امور میں تفقہ اور فتاویٰ فقہیہ میں خصوصاً اہل بیت رسالت اور صحابیت کے جامع حضرت عبد اللہ بن عباس اور خادمان بارگاہ رسالت حضرت انس بن مالک اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین نیابت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا کرتے رہے اور بمصداق ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم اصحاب کے بعد ان کے تلامذہ یعنی تابعین پھر ان کے تلامذہ یعنی تبع تابعین اپنے اپنے اساتذہ کے بعد اس نیابت کو ادا کرتے رہے۔ ان لوگوں نے خود سے اپنے اساتذہ کا نائب یا جانشین بننے کو نہیں چاہا تھا۔ بلکہ اس زمانہ کے قدر شناس لوگوں نے ان کی قدر و منزلت دیکھ کر ان کے اساتذہ کا نائب اور جانشین بنایا اور ان کے اساتذہ کا کام ان کے سپرد کیا۔

مثلاً حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین کے بعد فقہاء اصحاب میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے جیسا کہ حاکم نے مسعر بن کدام کی حدیث سے اور ترمذی نے سفیان کی حدیث سے روایت کیا ہے الفاظ ترمذی کے ہیں۔ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابی بکر و عمر واھتدوا بھدی عمار وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ

اور خود حضرت ابن مسعود سے روایت ہے اس کا آخری جملہ وتمسکوا بعھد ابن مسعود ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے تلامذہ اور صحبت یافتہ لوگوں میں سے علقمہ اور اسود رحمہما اللہ نے اجرائے سلسلہ روایت قرآن مجید اور اشاعت علم اور اظہار فتاویٰ فقہیہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نیابت کما حقہ ادا کی۔ قوم نے ان دونوں کو ان کا نائب اور جانشین تسلیم کر لیا تھا۔ پھر ان دونوں کے بعد ان کے شاگردوں میں حماد رحمہ اللہ کو قوم نے ان کی جگہ پر ان کا نائب تسلیم کیا اور حماد کے بعد ان کی جگہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کو اسی تلمذ کے واسطے سے ملی یہ حماد رحمہ اللہ کی جگہ انکی جگہ نیابت میں فتویٰ دینے لگے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے بیشتر فتاوے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے فتاوے سے ماخوذ ہیں۔

جس طرح فقہی سلسلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام اعظم رحمہم اللہ تک بیان کیا گیا اسی طرح صحبت اور خرقہ کا سلسلہ جو اہل طریقت میں رائج ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلفاء راشدین اور بعض دوسرے صحابی کے واسطہ سے ان بزرگوں کی خدمات میں رہنے والے اور تلقین پانے والے کو اور ان سے ان کے دیکھنے والے اور تعلیم و تلقین پانے والوں کو اسی طرح یکے بعد دیگرے مسلسل اس وقت تک چلا آیا۔

خلیفہ حضرت عبداللہ علیہ والد رضی اللہ عنہ بلا واسطہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور بعض کے نزدیک ہر چہار خلفاء راشدین سے اور حضرت کمیل بن زیاد رحمہ اللہ کو حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت امام حسین شہید دشت کربلا علی جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اویس قرنی اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ان بزرگوں سے ان کی اولاد اور تلامذہ تلقین یافتہ لوگوں کو اور ان سبھوں سے ان لوگوں کو اسی طرح یکے بعد دیگرے سلسلہ طریقت اس وقت تک برابر چلا آیا ہے اور اسلاف کے جانشین اخلاف سمجھے گئے ہیں۔ تلمذ کا سلسلہ ہو یا صحبت اصحاب رضی اللہ عنہم کے وقت سے آج تک چلا آتا ہے اس کو سلسلۂ نیابت کہئے یا جانشینی۔ سجادہ نشینی سب صحیح ہے اور جو کچھ لکھا گیا جانشینی کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ (باقی)

بقیہ اکبر الٰہ آبادی

وضع مغربیہ کو دیکھا تو یہ کافور تھی
اب میں سمجھا واقعی داڑھی خدا کا نور تھی

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب
فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

کیوں کہ خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز
جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

دل میں اب نور خدا کے دن گئے
ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے

پادری سے وہ ملے پہلے تو کیا شیخ کو عذر
دیکھئے پیر کا نمبر تو ہے اتوار کے بعد

شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے
شمشیر کو چھپایئے زن کو نکالئے

میم نے شیخ کو ڈانٹا تو پکارے وہ غریب
دیکھئے تو آپ نے لاٹھی کو دبا رکھا ہے

قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے
مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنس کر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

افعی سے کہا میں نے مجھے تو نے ڈسا کیوں
بولا کہ بلا لاٹھی کے تو بل میں بسا کیوں

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنہ معالی سنو
باہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو

ہم کو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
دین کی ہو بات تو ابطال پر ضد چاہئے

چندے کی مجلس میں پڑھئے رد کے قرآن مجید
مذہبی محفل میں لیکن مثل دشمن چاہئے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب
بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

سانئے کی بھی تن تن ہے یوں انگریز ہے لیکن
اس شوخ کے گھونگھرو کی صدا اور ہی کچھ ہے

اسلامی مسائل

سوال

۱۔ درحقیقت مہر فاطمی کیا ہے۔ اس کی خوبی کیا ہے ؟

۲۔ کیا ہر کوئی خواہ اس کی مالی حیثیت کچھ بھی ہو۔ اس کی پیروی کر سکتا ہے ؟

۳۔ مہر فاطمی کی ہندوستان کے رائج سکوں میں کیا مالیت ہو گی ۱۲

الجواب

ھوالوفق للصواب

۱۔ مہر فاطمی، درحقیقت ایک زرہ مقرر ہوئی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وقت حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ایک زرہ کو مہر مقرر فرمایا تھا چنانچہ اس کو فروخت کرنے کے بعد قیمت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو حوالہ کیا اس کا وزن ۸۰ مثقال بتایا گیا ہے۔ سنت نبوی کی اتباع کے خیال سے اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے اور یہی اس کی خوبی ہے۔

۲۔ شریعت اسلامیہ میں مہر کی کم از کم مقدار تو متعین ہے لیکن زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جس شخص میں جتنی مالی استطاعت ہو اتنا مہر مقرر کر سکتا ہے اور یہ جائز ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اتنا ہی مقرر کیا جائے۔ جتنا ادا ہو جائے اور اگر بنظر اتباع سنت نبوی مہر فاطمی مقرر کیا جائے تو یہ بھی جائز اور بہتر ہے۔

۳۔ اُوپر بتایا گیا کہ مہر فاطمی جو زرہ مقرر ہوئی تھی اس کا وزن بعد فروخت ۸۰ مثقال قرار دیا گیا ہے۔ اب وہ ہر دَور کے رائج سکہ کے اعتبار سے بدلتا رہے گا۔ چند سال قبل، سکہ رائجہ سے اس کی مالیت کا تخمینہ کیا گیا تھا، تو ایک سو آٹھ روپیہ ۱۰۸، اور ۸ ماشہ چاندی حاصل ہوا تھا۔

سوال

۱۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ایک عورت نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا۔ اس لڑکے کا کوئی بھائی ہو جس نے اس عورت کا دودھ نہیں پیا ہے، تو کیا اس کی شادی دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی لڑکی سے ہو سکتی ہے اور یہ جائز ہے، یا نہیں ؟ ایک عالم صاحب نے ناجائز بتایا ہے۔ جواب دے کر مطمئن کیجئے۔

(باقی صفحہ ۴ کے نیچے ملاحظ فرمائیں)

باب التفسیر

تفسیر سورہ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محلی لکھنؤ)

(۴۱)

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(سلسلہ کے لئے دیکھئے شمارہ ماہ رجب ۱۳۸۴ھ)

(۲۱) میاں بیوی کے اختلاط سے ایک طرف نسب کا اور دوسری طرف دامادی کا رشتہ پیدا فرمادیا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا۔

(فرقان ۵۴)

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے پانی (کے قطرہ) سے انسان کو پیدا فرمایا۔ پھر اس نے اس کو آبائی قرابت اور سسرالی قرابت والا بنادیا۔

(۲۲) انسانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو قبیلوں اور شاخوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز بنایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔

(حجرات ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تم کو شاخ شاخ اور قبیلے قبیلے بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

(۲۳) مطیع و فرمان، وفاشعار و سرکش ہر ایک پر اپنے عطیات کی بارش فرمائی:۔

كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا

اور ہم اُن (طلبگاران دنیا) کو بھی اور اُن (طلبگاران آخرت) کو بھی ہر ایک کو آپکے پروردگار کی بخشش وعطاء سے مدد دیتے ہیں

(بنی اسرائیل ۲۰) | اور آپ کے رب کی عطا ....

(۲۳) زمین کی خلافت و نیابت اور عزت و وقار میں بعض کو بعض پر برتری بخشی۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (انعام - ۱۶۶)	وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں حکمراں بنایا اور تمہارے بعض کے درجے بعض (کے درجوں) پر بلند فرمائے۔

فرق درجات ایک شبہ اور جواب

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر شان رحمت کے منافی ہے۔ یہ بات کہ کسی کو شاہ اور کسی کو گدا کسی کو مالدار اور کسی کو نادار، کسی کو با عزت، کسی کو ذلیل، کسی کو بے نیاز، کسی کو محتاج بنا دیا جائے حالانکہ انسانوں میں یہ تفریق پائی جاتی ہے اور درجات کے تفاوت اور مراتب کے اختلاف پر خود قرآن نے بھی مہر تصدیق لگا دی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ارشاد ہوا ہے اور اس کے علاوہ فرمایا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (نحل ۷۱)	اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری بخشی۔
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل ۲۱)	آپ دیکھیں کہ ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض پر (عطیات دنیا میں) کیسی برتری بخشی

فرق درجات رحمت ہے

اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ اختلاف مراتب و تفاوت درجات بھی اللہ تعالیٰ کی زبردست رحمت ہے۔

دیکھو! اگر تمام انسان دولت میں، علم میں، قوت میں، عقل میں، تدبر میں، وجاہت میں، فردت میں یکساں ہوتے، تو نظام عالم قائم ہی نہ ہو پاتا کیونکہ نہ حاکم ہوتا نہ محکوم، نہ ان کے لئے قانون پایا جاتا، نہ قانون کا نافذ کرنے والا ہوتا، نہ اس پر عمل درآمد کرنے والا نہ سرکش کی سرکوبی ہو سکتی، نہ سرکوبی کرنے والا نہ مظلوم کی اعانت کرنے والا ہوتا، نہ ظالم کو روکنے والا، نہ بازاروں میں جھاڑو دینے والا پایا جاتا، نہ مکانوں کی صفائی کرنے والا، نہ مزدور ملتا، نہ معمار، نہ بڑھئی پایا جاتا، نہ لوہار، نہ مہتر میسر ہوتا نہ خدمت گار، نہ لونڈی ہاتھ آتی، نہ خادمہ، نہ پیشاب خانوں اور پاخانوں کی نعفن دور کرنے والے ہوتے اور نہ عطر سازی کے کارخانے چلانے والے اور دماغوں کو معطر کرنے والے، نہ عدالتیں ہوتیں، نہ اسمبلیاں، نہ کونسلیں ہوتیں، نہ کارپوریشن اور میونسپلٹیاں، نہ ووٹ اور چندہ مانگنے والے پائے جاتے اور نہ ووٹ دینے والے ووٹر، نہ جیبیں کاٹنے والے ہوتے، نہ سر مونڈنے والے، نہ رعایا ہوتی نہ حکام، نہ مقتدی ہوتے نہ امام، نہ زعمار قوم ہوتے، نہ عوام، نہ کونسلر ہوتا، نہ کمشنر، نہ منسٹر ہوتا، نہ گورنر۔ پھر بھلا بتاؤ کہ دنیا کی یہ ہما ہمی کیسے پائی جاتی اور نت نئے تماشے کیسے دیکھے جاتے، انسانی ضروریات کیونکر پوری ہوتیں اور زندگی کی پر کیف لذتیں کیسے نصیب ہوتیں اسی لئے پروردگار عالم نے اس تفاوت درجات کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا:۔

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ	اور ہم نے ان میں سے بعض پر بعض کے درجے بلند کئے تاکہ

لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا | ان میں سے ایک دوسرے کو خدمت گار بناسکے۔

یعنی مقتضائے حکمت کے موافق باعتبار قرب و بعد ہم نے روزی اور تمام امور معاش میں انہیں ایک دوسرے کے درجات پر بلندی بخشی۔ پس کوئی کمزور ہے، کوئی توانا، کوئی نادار ہے، کوئی مالدار، کوئی خادم ہے، کوئی مخدوم، کوئی حاکم ہے۔ کوئی محکوم[1]۔

اور اگر ہم ان سب کے درمیان تمام حالات میں مساوات پیدا کر دیتے تو کوئی بھی دوسرے کی خدمت نہ کرتا اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا تابع فرمان نہ بنتا اور ایسی حالت میں کارخانۂ عالم خراب اور دنیا کا حال تباہ ہو جاتا۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور درجات میں تفاوت پیدا کر دیا تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکے اور مالدار لوگ اپنے مال کے ذریعہ ناداروں سے کام لے سکیں اور باہم ایک دوسرے کے لئے سبب معاش بن جائیں۔ مالدار اپنی دولت کے ذریعہ فقراء کا سبب معاش اور فقراء اپنے عمل کے ذریعہ اغنیاء کے لئے سبب عیش و راحت قرار پائیں اور نظام عالم مستحکم ہو جائے[2]۔

دوسرا جواب قرآن حکیم نے اور بھی دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (انعام ۱۶۶) | تاکہ وہ تمہاری اُن نعمتوں میں جو اس نے تم کو عطا کی ہیں آزمائش کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حالات مختلف بنائے اور ان میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں، شرافت میں، عقل میں، قوت میں، فضیلت میں، فوقیت بخشی۔ پس کسی کو حسین و جمیل، کسی کو بدصورت، کسی کو مالدار، کسی کو نادار، کسی کو شریف، کسی کو رذیل، کسی کو عالم، کسی کو جاہل، کسی کو طاقت ور، کسی کو کمزور بنایا اور ایک ہی مخلوق میں درجات کا یہ تفاوت، نعوذ باللہ، نہ جہالت کے باعث ہوا، نہ عاجزی کے سبب سے، نہ بخل کی وجہ سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام عیوب سے منزہ اور صفات نقص سے پاک ہے، بلکہ یہ سب کچھ ابتلا و امتحان کے لئے تھا۔

یعنی اللہ تعالیٰ غنی کی آزمائش فرمانا چاہتا ہے۔ اس کی تونگری میں اور فقیر کی اس کے فقر میں، شریف کو اس کی شرافت میں اور رذیل کو اس کی کمینگی و رذالت میں، غلام کو اس کی بندگی میں اور آقا کو اس کی سیادت میں، اسی طرح تمام اصناف انسان کی اُن نعمتوں میں جو انہیں بخشی گئی ہیں آزمائش فرمانا چاہتا ہے۔ تاکہ تمہارے وہ تمام حالات ظاہر فرما دے جن پر ثواب و عقاب مرتب ہونے والا ہے کیونکہ یا تو انسان کو تاہیاں برتنے والا ہے ان اعمال میں جن کی تکلیف اُسے دی گئی ہے اور اُن امور میں جو اس سے مطلوب ہیں یا تمام مامورات پورے کرنے والا ہے۔ پس اگر اس سے کوتاہی سرزد ہوئی، تو اس کے حصہ میں تخویف و ترہیب ہے اور اگر وہ امورات و منہیات میں حقوق الٰہی پورے کرنے والا ہے، تو اس کے حصہ میں ترغیب و تشریف اور اعزاز و تکریم ہے[3]۔

بارش انعامات (۲۵) کائنات ہستی کی ہر چیز جداگانہ خاصیت اور مختلف تاثیرات رکھنے والی بنا کر ہر شئے کو انسان کے افادہ و فیضان کے لئے موجود فرمایا، خواہ وہ فضائے آسمانی میں بادل کی کڑک ہو، یا بجلی کی چمک صحرا کے درندے

[1] روح البیان۔ [2] لباب التاویل خازن [3] لباب التاویل

ہوں، یا فضا کے پرندے، تالابوں کی مچھلیاں ہوں، یا سمندر کے موتی و مرجان، سطح زمین پر بکھرے ہوئے جواہرات ہوں، یا عمق میں چھپے ہوئے معدنیات، یا اس پر اُگنے والی جڑی بوٹی اور نباتات، سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہوں، یا فضا میں پرواز کرنے والے جہازات، زمین پر بہہ نکلنے والی نہریں ہوں، یا پہاڑ سے پھوٹ پڑنے والے چشمے، پلٹ پلٹ کر آنے والے روز و شب ہوں، یا رات و دن میں ضیا باری کرنے والے چاند و سورج، غرض ہر ایک کو انسانی ضروریات پورے کرنے اور راحت و آسائش، آراستگی و زیبائش میں مستعد بنا کر انسانوں کو بس میں کر دیا اور ان کے حاجت برآری میں لگا دیا اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کا سیل رواں اُن پر جاری فرما دیا اور ان کی ہر طلب و خواہش اور ہر سوال و مدعا پورا فرما کر بے پایاں احسانات سے بہرہ مند و سرفراز فرمایا چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہٗ ظاھرۃ و باطنۃ

(لقمان ۲۰)

کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان ساری چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں تمہارے قابو میں کر دیا اور اپنی آشکارا اور پوشیدہ نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

وَسخّر لکمُ الفُلکَ لتجریَ فی البحرِ بامرہٖ وَسخّرَ لکمُ الانھٰرَ وَسخّرَ لکمُ الشمسَ وَالقمرَ دائبینِ وسخّرَ لکمُ الیلَ والنھارَ وَاٰتٰکم مِنْ کُلِّ مَا سَاَلتمُوْہُ وَاِنْ تعدُّوا نعمتَ اللہِ لَا تُحصُوھا ۔

(ابراھیم ۳۲ تا ۳۴)

اور اس نے کشتیوں کو تمہارا زیر فرمان کر دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلتی رہیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارے (نفع) کے لئے مطیع بنا دیا کہ ہمیشہ گردش کرتے رہیں اور تمہارے (فائدہ) کے لئے رات و دن کو تابع بنا دیا اور اس نے تم کو ہر وہ چیز عطا فرما دی، جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم خدا کی نعمت شمار کرنا چاہو، تو اسے پورا شمار کر سکوگے۔

اب بتاؤ کہ یہ سارے انعامات الٰہیہ کیا بتقاضائے ربوبیت ہی تھے۔ یا ان میں رحمت خداوندی کار فرما ہے، شاید اب بھی تم ان کے مقتضائے رحمت ہونے میں تردد کی راہ اختیار کرو۔ اس لئے سن رکھو کہ ان میں سے کتنے ہی انعامات ایسے ہیں، جن کو اس نے صراحت کے ساتھ رحمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ:-

(الف) بارش وھوالذی یرسل الریح بشرًا بین یدی رحمتہٖ (اعراف ۵۷)

وہ اللہ ایسا ہے، جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہوا۔ ان کو خوشخبری سنا کر پہنچاتا ہے۔

ثُمَّ اِذَا اَذَاقھم منہُ رحمۃً

(روم ۳۳)

پھر جب ان کو وہ اپنی جانب سے رحمت (بارش) کا مزہ چکھاتا ہے۔

وَینشُرُ رحمتَہٗ (شوریٰ ۲۸)

اور اپنی رحمت (بارش) پھیلاتا ہے

(ب) روزی ابتغاءَ رحمۃٍ مّن رّبّکَ ترجُوھا

(بنی اسرائیل ۲۸)

اپنے رب کی جانب سے رحمت (روزی) چاہتے ہو جس کی آپ امید رکھتے ہیں۔

مایفتح اللّٰہ للناس من رحمۃ (فاطر ۲)	اللہ لوگوں کے جو (خزانے) رحمت (روزی) کے کھول دیتا ہے۔
لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی (بنی اسرائیل ۱۰)	اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہو جاتے
ج) مال و اولاد۔ ووھبنا لھم من رحمتنا (مریم ۵۰)	اور ہم نے ان سب کو اپنی جانب سے رحمت (مال و اولاد) بخشی۔
د) غنا و صحت۔ ولئن اذقنا الانسان منا رحمۃ (ھود ۹)	اور اگر ہم انسان کو اپنی جانب رحمت (غنا و صحت) کا مزہ چکھاتے ہیں۔
ولئن اذقناہ رحمۃ منا (حم سجدہ ۵)	اور اگر ہم اس کو اپنی جانب سے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں۔
۲) بیان کشی بیج۔ فانظر الی اثار رحمۃ اللّٰہ کیف یحی الارض بعد موتھا (روم ۵۰)	پس آپ اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف نظر کیجئے کہ کیونکر وہ زمین کو اس کی مردنی کے بعد زندہ فرما دیتا ہے۔
ھ) خیر۔ اَوْ اَرَادَ بکم رحمۃً (احزاب ۱۷)	یا تم پر رحمت فرمانا چاہے
ز) منافع روز و شب۔ ومن رَحمتِہٖ جَعَلَ لکُمُ اللَّیْلَ والنَّھَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ (قصص ۷۳)	اور اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات و دن بنائے تاکہ تم اس (رات) میں سکون حاصل کرو اور تاکہ (دن میں) تم اس کا فضل یعنی روزی تلاش کر سکو۔
ح) دوام عافیت۔ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَۃٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکَاتُ رَحْمَتِہٖ (زمر ۳۸)	یا وہ مجھ پر (دوام عافیت کے ذریعہ) مہربانی فرمانے کا ارادہ کرے، تو کیا وہ (بت) اس کی رحمت سے روک سکتے ہیں۔
ط) رقت قلب انسانی۔ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ (بنی اسرائیل ۲۴)	اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز و نیاز کا بازو جھکائے رہنا۔
ی) میاں بیوی کے درمیان محبت:۔ وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ	
یا۔ یاجوج و ماجوج کی راہ مسدود کرنا۔ قَالَ ھٰذَا رَحْمَۃٌ مِّنْ رَّبِّیْ (کہف ۹۸)	ذوالقرنین نے کہا کہ یہ (سد سکندری) میرے رب کی جانب سے رحمت ہے۔

ادبیات

غزل

(از حسّان الہند مولانا تمنّا عمادی پھلواروی ـــــ ثم پاکستانی)

کھینچ لائے انہیں یہ آہ میں تاثیر کہاں　　خود چلے آئیں وہ ایسی مری تقدیر کہاں

ہے یہ ان کی نگہہ ناز کا احساں ورنہ　　ہم کہاں اور یہ لطفِ خلشِ تیر کہاں

ہو گئے چرخ پہ لے شمس و قمر تک روشن　　پہنچی تیرے رخِ پُرنور کی تنویر کہاں

روز دے دے کے دلاسے مجھے رکھا تُو نے　　آج بھی آئے وہ اے نالۂ شبگیر کہاں

پاؤں تک آ ہی چکی ہے کوئی پوچھے آخر　　بڑھ کے جائیگی تری زلفِ گرہ گیر کہاں

اپنے فتراک سے مجھ کو نہ جدا کر صیاد　　پھر ملے گا تجھے ایسا کوئی نخچیر کہاں

پی لے جی بھر کے تمنّا کہ پھر اس مقتل میں
تُو کہاں اور یہ آبِ دمِ شمشیر کہاں

غزل

(از جناب رہبر رانی ساگری)

بدلے ہوئے حالات کو ہم دیکھ رہے ہیں
خوشیوں کے پس پردہ بھی غم دیکھ رہے ہیں

یہ اپنی ہی مجبوری ہے، یا ان کی کشش ہے
بہکے ہوئے پھر آج قدم دیکھ رہے ہیں

محسوس یہ ہوتا ہے ترے جلووں میں کھو کر
جیسے کوئی ہم خواب ارم دیکھ رہے ہیں

ارباب نظر بھی نہ کبھی دیکھ سکیں گے
ساقی کی نگاہوں میں جو ہم دیکھ رہے ہیں

کیا بات ہے یہ فصل بہاراں میں بھی ایدل
بلبل کی نگاہوں میں بھی غم دیکھ رہے ہیں

دنیا کی کشش آنکھ میں جچتی نہیں رہبر
ہم عرش پہ جب اپنا قدم دیکھ رہے ہیں

غزل

(از سید نصرت حسین نصرت آروی)

مت بڑھا اس بت سے اتنا ارتباط
احتیاط اے جذبۂ دل احتیاط

آہ آتشبار سے اشکوں کا میل
کس قدر ہے روح فرسا ارتباط

رنگ لائے گا کسی دن دیکھنا
آب و آتش کا یہ باہم اختلاط

ہو گئی عنقا صفت اس دہر میں
کامیابی کی ہوس ذوق نشاط

ہے خزاں کے غم میں دل کلیوں کا شق
ان کے کھلنے کو نہ سمجھو انبساط

گل نہ ہو تو باغ ہے بے جان جسم
تم نہیں تو خاک ہے عیش و نشاط

روٹیاں ہیں قیمت ناموس اب
آ گیا نصرت وہ دور انحطاط

کوائف و حالات

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے — نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ـــــ کچھ دوسروں کی

ہندی ـــــ قومی زبان :ـــ

حکومت کے ایک اعلانیہ میں ۲۶ جنوری ۱۹۶۵ء سے پورے ملک میں سرکاری دفاتر کے تمام کام کاج ہندی زبان میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اس تاریخ سے ہندی کو دفاتر میں وہی درجہ حاصل ہو جائے گا جو اس سے پہلے انگریزی کو تھا۔

ہندی کو آزادی کے بعد ہی سے سرکاری زبان یا قومی زبان کا درجہ دیا جا چکا ہے اور یہ بات تقریباً یقینی تھی کہ ایک نہ ایک دن اسے ملک پر حکومت کرنا ہی ہے چاہے اس مدت میں وہ اس کی اہل ہو جائے یا نہیں۔ اب تک آہستہ آہستہ اُسے کام کاج میں رائج کرنے کی کوشش ہو رہی تھی اور ملک کے کئی صوبوں میں اس زبان نے مقبولیت حاصل بھی کر لی ہے۔ اگر اسی طرح اس پر عمل کیا جاتا اور آہستہ آہستہ اسے ملک میں رائج کیا جاتا تو شاید کسی کو احساس بھی نہ ہوتا اور ہندی قومی زبان بن گئی ہوتی ـــــ لیکن یکایک ۲۶ جنوری سے حکومت نے اسے جس طرح مسلط کر دیا ہے اس کا ہندوستان کے ان حصوں میں جہاں انگریزی کو آج بھی بہت ہی فوقیت حاصل ہے شدید ردعمل ہوا۔ اتنا شدید ردعمل جو گزشتہ کئی صدی میں ہندوستان کی تاریخ میں بے مثال ہے۔

جنوبی ہندوستان میں لوگوں نے شدید احتجاج کیا۔ یوم جمہوریہ کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے کیا گیا اور اس دن یوم ماتم منایا گیا۔ آگ لگائی گئی۔ جلسے جلوس اور مظاہرے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا اور پھر کچھ لوگوں نے دو قدم آگے بڑھ کر احتجاج کے طور پر اپنی جانیں دے دیں ـــــ خود کو موت کے حوالے کر کے انہوں نے قربانیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا۔ آج بھی وہاں آگ دبی نہیں ہے۔ طلبا اور عوام میں ویسی ہی بیزاری پھیلی ہوئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام لوگوں کو معلوم تھا کہ ہندی قومی زبان بن چکی ہے اور ایک نہ ایک دن اسے رائج ہونا ہے

لوگوں نے اتنے دنوں صبر کے ساتھ اسے کیوں برداشت کیا ہے اور آج یکایک اتنا شدید ردعمل کیوں ہوا؟ جہاں تک بات سمجھ آتی ہے۔ لوگ صبر اس لئے کرتے رہے کہ ہندی ایک آسان زبان کی حیثیت سے رائج کی جائے گی جسے سیکھ لینے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ لیکن جو ہندی رائج کی جا رہی ہے اور جس کا استعمال آئندہ بھی دفتروں میں ہوگا ———— وہ کوئی جناتی زبان ہو سکتی ہے، انسانوں کے سمجھنے اور بولنے کی زبان نہیں کہی جا سکتی اور نہ آئندہ پچاس برس تک آسانی سے پورے ملک کے لوگ اسے سیکھ سکیں گے۔ حکومت کی لاکھ کوشش کے باوجود ابتک چار پانچ فیصد بھی غیر ہندی داں اس جناتی زبان کو سمجھنے اور لکھنے کے اہل نہ ہو سکے۔ ایسی صورت حال میں ظاہر ہے کہ یکایک پورے ملک میں اس زبان کو مسلط ہوتے دیکھ کر لوگوں کے جذبات بھڑکنے لازم تھے اور حکومت کی توقع سے بہت زیادہ شدید ردعمل ہوا۔ دوسری وجہ اس شدید ہنگامے اور مظاہرے کی یہ بھی ہوئی کہ ملک کے ایک بہت بڑے طبقے نے یہی سمجھ لیا کہ آج سے انگریزی اور دوسری زبانوں کو اپنا بستر گول ہی کرنا پڑے گا۔ اس لئے مرکزی وزراء اور دوسرے لیڈران کو بار بار اعلان کرنا پڑا کہ صحیح صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور یہ غلطی نہ سمجھا جائے کہ آج سے انگریزی اور دوسری زبانیں بالکل ختم ہو گئیں۔

بہرحال بے وقت کی اس شہنائی نے نوحہ غم کی فضا پیدا کر دی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ پہلے ہندی کو اس قابل بنائے کہ لوگ اسے سمجھ سکیں، بول سکیں اور لکھ پڑھ سکیں تب ہی یہ ملک میں کوئی حیثیت حاصل کر سکے گی ———— ورنہ اس کے خلاف اسی طرح محاذ بنتا رہے گا اور لوگوں کی قیمتی جانیں تلف ہوتی رہیں گی۔

سردار کیروں کا قتل :—

گذشتہ ۶ر فروری کو پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ سردار پرتاب سنگھ کیروں کو معہ تین رفقاء کے دلی اور چنڈی گڑھ کی راہ میں وحشیانہ طور سے ختم کر دیا گیا۔ یہ قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے اور اس کے پیچھے کوئی بڑی سازش چھپی ہے۔

سردار کیروں نے لمبی مدت تک پنجاب پر حکومت کی اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی مدت وزارت میں پنجاب نے ملک کے دوسرے تمام صوبوں سے زیادہ ترقی کی۔ ہر شعبہ میں پنجاب کا پلہ بھاری رہا جس سے ان کی کارکردگی اور مضبوط قیادت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان پر بدعنوانی، اقربا پروری اور لوٹ کھسوٹ کے بھی کتنے ہی الزام لگائے گئے۔ اور جب ان کے سر سے پنڈت نہرو کا سایہ ہٹ گیا تو یہ بدعنوانی کی خبر ایک جج کے ذریعہ عوام کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں اور نتیجہ کے طور پر انہیں اپنا بستر گول کرنا پڑا۔

ان پر جتنے الزام لگائے گئے تھے ان میں سے بہت سے صحیح ثابت ہوئے اس میں کوئی شبہ نہیں اور ان کا ہٹ جانا بھی بہت مناسب تھا۔ لیکن اب ہندوستانی عوام یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ملک کے ہر صوبہ میں کتنے ہی کیروں ہیں جو عوام کے خون چوس رہے ہیں۔ لیکن ان تک انصاف کا ہاتھ نہیں پہنچ رہا ہے۔ سردار کیروں کے پیچھے تو قربانی، عمل اور جد وجہد کی ایک کہانی بھی تھی جبکہ کتنے ہی مرتبہ ایمان کے سہارے کرسی سے چمٹے ہوئے ہیں۔

بہرحال کیرون کو موت کی نیند سلا دیا گیا لیکن انہیں جہاں بدعنوانیوں کے سمبول (SYMBOL) کے طور پر یاد کیا جائے گا وہیں جہاں بدعنوانیوں کے خلاف جد و جہد کا پہلا نشانہ تصور کیا جائے گا۔ وہیں جدید پنجاب کے معمار اعظم کے طور پر بھی بہت دنوں یاد رکھا جائے گا۔

بیچاری اردو :ـــ

۱۹۶۱ء کے مردم شماری میں جس طرح اردو کے ساتھ دھاندلی کی گئی تھی وہ تمام لوگوں کو ابھی تک یاد ہے۔ بلکہ مردم شماری کرنے والوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ حتی الامکان اردو اور دوسری زبانوں کی جگہ ہندی ہی لکھیں اس لئے کہ اردو اور ہندی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اسی وقت اردو دوست حضرات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ یہ مردم شماری ایک مذاق سے زیادہ نہیں ـــ ایک ایسا مذاق جس سے ایک ساتھ دو شکار ہو رہا ہے یعنی اردو کشی اور فروغ ہندی۔

اب گذشتہ دنوں اس مردم شماری کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے وہ تو اور بھی مضحکہ خیز ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ اردو بہار میں صرف ۸٫۹۳ فی صد لوگ بولتے ہیں اور بہاری زبان ۳۵٫۳۹ فی صد لوگ بولتے ہیں۔ جبکہ بہار کے رہنے والے آج تک نہیں جانتے تھے کہ بہاری نام کی بھی کوئی دوسری زبان بہار میں بولی جاتی ہے۔ چہ جائیکہ حکومت کی رپورٹ کے مطابق ۳۵٫۳۹ فی صدی لوگ یہ زبان بولتے ہیں۔

غور سے دیکھنے سے مردم شماری کی یہ رپورٹ غلط اندراج کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اردو کو کم سے کم درجہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم اردو والے اس رپورٹ کو رتی برابر بھی سچ سمجھنے پر تیار نہیں۔ اور اس کا مکمل بائیکاٹ کرتے ہیں۔

عازمین حج کی روانگی :ـــ

حج کا زمانہ آگیا ہے زائرین حرم کا قافلہ ارض حرم کی طرف جانے لگا ہے پھلواری شریف سے جناب مولانا حکیم شاہ محمد عماد الدین صاحب قادری مع اہلیہ و والدہ محترمہ تشریف لے جارہے ہیں اور پھلواری شریف سے جانے والوں میں دوسرے حضرات یہ ہیں:۔ سید علی اکبر صاحب مع اہلیہ و صاحبزادی، سید احمد کبیر صاحب مع والدہ محترمہ، حکیم حبیب الرحمٰن صاحب، خانقاہ مجیبیہ سے تعلق رکھنے والوں میں مولوی حافظ خلیل احمد صاحب رانی ساگری، مولانا عبدالقیوم صاحب پورنوی، مولانا جمال الحق صاحب پورنوی اور دوسرے حضرات بھی ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد صبیح الحق صاحب سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی کے صاحبزادہ جناب مولانا شاہ فرید الحق صاحب عمادی بھی اپنے ایک قافلہ کے ساتھ عازم حج ہیں۔

عید سعید ـــــ شوال ۱۳۸۴ھ ـــــ

اس سال ہندوستان اور پاکستان میں متفقہ طور سے عید ۴ فروری روز جمعرات کو منائی گئی کہیں بھی ۲۹ کا چاند نہیں ہوا۔ اپنے ملک میں عید بہت ہی پر امن اور جوش و خروش سے منائی گئی اگرچہ بعض مقامات پر گذشتہ فسادات کی گہری چھاپ نظر آرہی تھی۔ اس موقع پر امروہہ اور کانپور میں امامت وغیرہ کے سلسلے میں بعض افسوسناک جھگڑے ہوئے۔ اندور میں تو دو مسلمانوں کی

FEBRUARY, 1965]

[Regd. No. P. 1047

Phone No : 23289

The **ALMUJEEB** *Monthly*

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سید لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

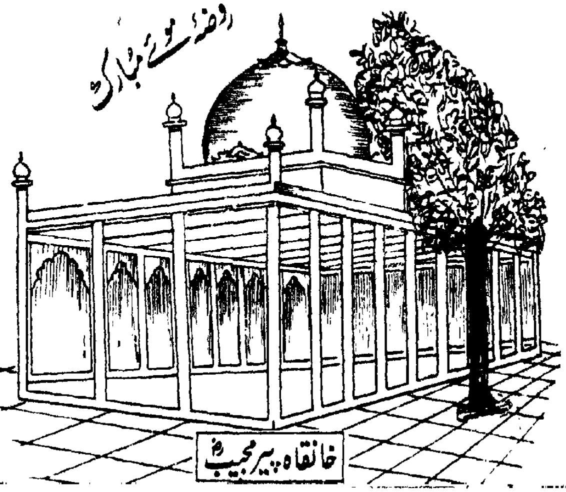
[illegible] لیتھو پریس - [illegible] روڈ - پٹنہ ۴ — فون [illegible]

هو الفرد المجيب ولى النعمة

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ

المجیب



خانقاہ پیر مجیبؒ

مدیر مسئول سید احمد حسین بی۔ اے سہسرامی

سالانہ پانچ روپے | دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ | فی پرچہ آٹھ آنے ۸/

AL MUJIB

ٹیلیفون نمبر ۲۳۲۸۱

(الصلوٰۃ المجیب ...)

رجسٹرڈ نمبر پی ۷ ۱۰۴

قیمت سالانہ
پانچ روپے
فی پرچہ
آٹھ آنے

ماہنامہ
پھلواری شریف
المجیب

پاکستان
غیر ممالک سے
سات روپئے

جلد ۶ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق اپریل ۱۹۶۵ء | نمبر ۴

مدیر مسئول:۔
سید محمد حسین سہسرامی

ادارۂ تحریر:۔
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین

پرنٹر پبلشر:۔
سید لطف احمد قادری

مطبع:۔
لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ ۴

مقام اشاعت:۔
دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ
پھلواری شریف پٹنہ

جنوبی ہندوستان میں زبان کے سوال پر ہونے والے فسادات اور پھر اس کے ردعمل نے اس ملک کے ان لوگوں کو بھی جھنجھوڑ ڈالا ہے، جو اپنی مادری زبان کو سترہ برسوں سے اپنی آنکھوں کے سامنے ختم ہوتے دیکھ رہے ہیں ـــــ اس مادری زبان کو جسے اس ملک کے کروڑوں افراد اُردو کے نام سے پکارتے ہیں اور جو سترہ سالوں میں ملک کے سب سے عظیم فرزند اور متفقہ لیڈر جواہر لال نہرو کے وعدوں کا مدفن اور حکومت و صدرِ جمہوریہ کی یقین دہانیوں کا مرگھٹ بن کر رہ گئی ہے۔

اپنے پیروں میں آبلے ڈالے گھر گھر گھوم کر ۲۶ لاکھ دستخط حاصل کرنے والے محبّان اردو، اب مایوس ہو چکے تھے اور انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اس جمہوری حکومت سے شرافت سے کوئی کام نہیں نکل سکتا۔ اور پھر جب انکی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حقوق حاصل کرنے کا ایک راستہ اور ہے، جسے جنوب والوں نے اپنایا ہے، تو ان کی بھی آنکھیں کھلیں۔ قربانی کا جذبہ، خلوص اور مٹنے کا احساس ـــــ جس کا سہارا لے کر جنوبی ہند والوں نے اپنی جدوجہد شروع کی تھی، یہی واحد راستہ ہے، جس سے اس ملک میں کوئی اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔ جنوب والوں کی وجہ سے بات اُبھر چکی ہے، مسئلہ سامنے آ چکا ہے اور زبان کے سوال پر نظر ثانی ہو کر رہے گی اور اس سے اچھا موقع پھر شاید ہی مل سکے جب اردو والے اپنا حق حکومت سے حاصل کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اردو سے محبت کرنے والا ہر شخص اس وقت کمر کس کر میدان میں آ جائے اور ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ اس مصیبت کے وقت میں حکومت کے سامنے اردو کا مسئلہ رکھ کر اس میں اضافہ نہ کیا جائے، صاف بتلا دیا جائے کہ تمہاری خوشامدانہ پالیسی اب ہمارے قدم نہیں روک سکتی۔

اردو کے حامیوں نے ہر جگہ جلسے جلوس اور کنونشن کر کے اس وقت حکومت کو بتلانے کا تہیہ کر لیا ہے کہ اس سرزمین سے پیدا ہونے والی یہ زبان دوسری زبانوں کی ترقی پر قربان نہیں ہو سکتی۔ کشمیر سے راس کماری تک پھیلی ہوئی یہ زبان قربانی کا بکرا نہیں ہے۔ آئے دن اس زبان کو ختم کرنے کے لئے نئے نئے ہتھیار سوچے جا رہے ہیں کبھی اسے پاکستان کی سرکاری زبان بننے کے جرم میں دیس نکالا مل رہا ہے، کبھی اس پر رسم الخط کا ہتھوڑا پڑتا ہے، کبھی اسے ہندی کی ایک شاخ بتا کر اس کی جڑ ہی ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور طرہ یہ کہ ان تمام کوششوں کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ پارلیمنٹ میں اسمبلیوں میں اور عوامی دوروں

یہ حضرات اردو کی محاسن کی باتیں کرتے ہیں اور ازراہِ عنایت زبانی طور سے اسے اس ملک کی شہریت بھی عطا کرتے ہیں لیکن یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ جب جمہوریت میں کسی پارٹی کی جڑ بہت مضبوط ہو جاتی ہے، تو وہ مطلق العنان حکومت بن جاتی ہے اور مطلق العنان طاقت کے قول اور عمل میں کوئی مطابقت نہیں ہوتی۔ اردو کو اس کا حق دینے کے لئے اسکول اور کالج میں اسے رائج کرنے کے لئے حکومت کا سرکلر موجود ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم کا ارشاد موجود ہے۔ لیکن نہ حکومت اور نہ حکومت کے ادنیٰ کارندے قانون کا احترام اور جمہوریت کی روایات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر سنسکرت یہاں پھل پھول سکتی ہے۔ ملیالم اور بھوجپوری کو سہولتیں مل سکتی ہیں اور وہ زبان اس سرزمین پر نہیں رہ سکتی جس میں آزادی کے گیت گائے گئے ہیں، جس نے اس ملک کے مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان رشتۂ اتحاد اور محبت پیدا کیا ہے اور جو اس ملک کے کثیر تعداد کی شیریں زبان ہے، جو ہندوؤں کے پوجا کا وسیلہ بنتی ہے، جو اللہ کے حضور میں مسلمانوں کے داد فریاد کا ذریعہ بنتی ہے اور جو سکھوں سے گردوارے میں نعرے لگواتی ہے۔

اس وقت محبانِ اردو، دہلی، یوپی، بہار اور دوسرے اردو علاقوں میں اردو کا صحیح اور جائز مقام حاصل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اسمبلیوں میں بھی اس کی گونج سنائی پڑ رہی ہے اور کئی جگہوں میں عظیم پیمانے پر اردو کنونشن اور جلسے ہونے کی بھی اطلاع ملی ہے۔ یہ باتیں بہت ہی حوصلہ افزا ہیں اور موجودہ جوش و خروش کو دیکھ کر یہ امید بندھتی ہے کہ شاید اب کچھ ہو کر رہے —— اس کی شدید ضرورت ہے کہ اس گرمی پر ٹھنڈک کا سایہ نہ پڑنے پائے اور ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی ہر مذہب و ملت کا فرد، جو اردو سے محبت رکھتا ہے، اسے بولنا اور لکھنا پڑتا ہے اس موقع پر پورے شد و مد کے ساتھ آواز بلند کرے اور دہلی یوپی بہار وغیرہ صوبوں میں اسے علاقائی زبان کا درجہ دلا کر دم لے —— یاد رکھیں کہ زبان سے پوری تہذیب کا تعلق ہوتا ہے اور ایک زبان کا مر جانا یا اسے دوسری زبان میں جذب ہو جانے کا مطلب ایک تہذیب کا مٹ جانا اور دوسری تہذیب کا اس پر حاوی ہو جانا ہے —— زبان کا مسئلہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے، نہ اس سے فرقہ پروری کی بو آتی ہے، نہ اس پر ملک دشمنی کی چھاپ لگتی ہے —— یہ ایک آئینی اور جمہوری حق ہے جسے ملنا ہی چاہیے۔

اس وقت دنیا کے مختلف مسلم ممالک میں اسلامی کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہیں۔ ان کانفرنسوں میں اسلامی ممالک کے نمائندے بھی حصہ لیتے ہیں اور ساتھ ہی ایسے ممالک کو بھی دعوت دی جاتی ہے جہاں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد آباد ہے ابتک مصر، سومالیہ، بینڈونگ (انڈونیشیا) وغیرہ کئی جگہوں میں ایسی کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔ چونکہ ہندوستان میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں اس لئے انہیں نظر انداز کر کے کہیں بھی کوئی اسلامی کانفرنس ہو یہ بہت مشکل ہے۔ چنانچہ تقریباً سب ہی کانفرنسوں میں ہندوستان سے نمائندے مدعو کئے جاتے ہیں۔ دعوت نامہ عموماً دو حیثیت سے آتا ہے۔ ملک کی بعض مذہبی شخصیتیں براہ راست مدعو کی جاتی ہیں تاکہ کانفرنس ان کی گرانقدر رائے سے مستفیض ہو سکے یا پھر حکومت کو دعوت نامہ بھیجا جاتا ہے، جو ملک کی

نمائندگی کرنے والوں کا انتخاب کرتی ہے اور ایسے لوگ کانفرنس میں حکومت کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں۔

اب تک جتنی اسلامی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں ان میں خاص طور سے دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کی اقتصادی، سیاسی اور سماجی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مسلمان چاہے کسی اسلامی ملک میں بستے ہوں، یا کسی دوسرے ملک میں اقلیت میں ہوں سبھی موضوع سخن رہے ہیں۔ دوسرے ممالک کی اقلیتوں کی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کے بھی بہت سے مسائل ہیں اور یہ صحیح ہے کہ ان کے بعض مسائل ایسے ہیں جن پر فوری توجہ اور عالم اسلام کی حمایت کی ضرورت ہے اور اگر ان مسائل پر کوئی اسلامی کانفرنس غور کرے اور مفید مشورے دے، تو اخلاقی قانونی یا مذہبی کسی بھی حیثیت سے اسے بُرا یا غلط نہیں کہا جا سکتا ہندوستان میں مسلمانوں کے جان و مال کی مسلسل بربادی، ان کی تہذیب و تمدن ان کے زبان کے خاتمہ کی کوششیں اور انہیں ایک مفلوج اقلیت میں بدل دینے کی مسلسل جد و جہد وغیرہ عام شکائتیں ہیں، جن کا اظہار یہاں کا ہر مسلمان کرتا نظر آئیگا یہاں کے مسلم پریس پر نظر ڈال کر کوئی بھی باہر کا آدمی بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہاں کے مسلمان خوش نہیں ہیں اور ان کے مسائل انہیں مسلسل پریشان رکھے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کی بدقسمتی سے ہندوستان کے سب سے قریبی پڑوسی پاکستان کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کانفرنسوں میں کشمیر اور ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ پاکستان بڑے دردناک لہجے میں کھینچتا ہے اور تمام ممالک پر یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان بڑے تکلیف کے دن گذار رہے ہیں۔ لیکن اب تک اُسے ان ممالک کی اکثریت کو حامی بنا لینے میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو دوسرے ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کا یہ غلط کہنا ہے اور ہندوستانی مسلمان مسرت کی زندگی گذار رہے ہیں یا انہیں دوسروں کے جھگڑے میں پاؤں ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

ان تمام کانفرنسوں میں ہندوستانی مندوب بھی شریک رہے ہیں اور انہوں نے نہ صرف پاکستانی دعویٰ کا بھرپور جواب دیا ہے بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی مسلمان بھی زندگی کے تمام شعبوں میں اتنے ہی خوش و خرم ہیں جتنا کہ پاکستانی مسلمان اور انہیں وہ تمام آئینی حقوق حاصل ہیں، جو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ان ممالک میں ایسا دعویٰ کرتے ہیں، چاہے اس کے لئے واپسی پر انہیں ہندوستانی مسلمانوں کی لعنت ملامت کا شکار ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔ اس طرح ایسی کانفرنسوں میں دونوں ممالک کے نمائندے آپس میں ہی دست و گریباں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دو مسلمان مندوب کو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما دیکھکر تیسرا کسی ایک کے حق میں آسانی سے فیصلہ نہیں کر سکتا اور بجز تماشہ دیکھنے کے انہیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان سے کوئی مندوب نہ جائے اور پاکستان اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ

کردانے تو کیا ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل حل ہو جائیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ آج پوری اسلامی دنیا سیاسی بھنور میں مبتلا ہے ہر ملک اپنے اپنے فائدے کی سوچ رہا ہے۔ اخوت، بھائی چارگی، مذہب اور انسانی ہمدردی کی فضا بالکل ختم ہو چکی ہے مذہبی اخوت کی جگہ، قومی عصبیت نے لے لی ہے اور عالمگیر برادری کو سیاسی فائدے کی چادر نے ڈھانپ رکھا ہے۔ آج یہ ممکن ہے کہ صدر ناصر کا مصر قبرص کے میکاریوس کی حمایت کرے اور ترک مسلمانوں کے قتل عام کے لئے اسلحے بھیجے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اسلام کے نام لیوا مصری اپنے ترک مظلوم بھائیوں کی مدد کریں۔ اس صورت میں اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ عرب ممالک یا دوسرے اسلامی ممالک صرف پاکستان کے کہنے سے ہندوستانی معاملات میں دخل اندازی کریں گے، تو یہ اس کی انتہا درجہ کی معصومیت ہے۔ پاکستان کی لاکھ کوششیں ہمارے مسائل کا حل نہیں نکال سکتیں اور نہ اسلامی برادری ہمارے لئے کچھ کر سکتی ہے ـــــ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اگر حل ہوں گے، تو انہیں کی کوششوں سے۔ ان کے کردار اور ان کے عمل ہی انہیں باعزت زندگی دیں گے اور انہیں کے قول و فعل انہیں حقیر درجہ کا شہری بنا کر چھوڑ دیں گے۔

اسی اپریل میں مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین پر بھی ایسی ہی ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہونے والی ہے۔ جس میں ساری دنیا کے مسلمان جمع ہوں گے اور سبھوں کے مسائل پر غور و خوض ہوگا۔ ہندوستانی مسلمانوں کا بھی تذکرۂ خیر آئے گا۔ ظاہر ہے کہ پاکستان پورے زور و شور سے ان کے مسائل اٹھائے گا جس کا جواب دینے کے لئے دو بیرسٹروں اور ایک عالم پر مشتمل ایک مضبوط ٹیم روانہ ہو چکی ہے۔ دنیا دیکھے گی کہ یہاں بھی الزام اور تردید کا ایک چکر چلے گا اور وہی ڈرامہ کھیلا جائے گا جو اب تک کھیلا جاتا رہا ہے ـــــ نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلے گا کہ دو ملّے میں ہندوستانی مسلمان حرام ہوں گے۔

پاکستان کی ان کوششوں سے یہ مسائل نہ صرف الجھ رہے ہیں، بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے آپس ہی میں تعلقات بگڑتے جا رہے ہیں۔ بے اعتباری، مکر و فریب اور ضمیر فروشی جیسے عیب ان میں پیدا ہو رہے ہیں۔

اس صورتِ حال پر نظر رکھنے کے بعد ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ بہتر ہے کہ اسلامی کانفرنس میں پاکستان اسلام کے فروغ کی باتیں کریں اور ہمارا تذکرۂ خیر چھوڑ دے، تاکہ ہندوستانی مسلمان وہاں تماشہ نہ بنائے جائیں۔ اگر ہم میں اپنی زندگی آپ بنا لینے کی صلاحیت ہوگی، تو باعزت زندہ رہیں گے اور اگر ہمارا ضمیر بالکل مردہ ہو چکا ہے، تو ہم زندہ رہ کر بھی موت کے جھولے میں جھولتے رہیں گے۔

(ادارہ)

اسلام میں عدل و انصاف کا حکم

(از مولانا شاہ محمد عثمان غنی صاحب فردوسی۔ پھلواری شریف۔ (پٹنہ)

اللہ عزوجل اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو ہر حال میں عدل و انصاف اور حق و صداقت کی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔

مسلمان حاکم ہوں یا محکوم، آقا ہوں یا خادم یا جو کچھ بھی ہوں سب کو حکم یہ ہے کہ وہ اللہ خالق کائنات کا حق بھی ادا کریں اور اس کی مخلوق کا بھی اور کسی کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی و غفلت نہ کریں اور کسی کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہ ہونے پائے خواہ کوئی ان کا دشمن ہی ہو۔ ہر حال میں وہ عدل و انصاف کریں۔

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت لھم مغفرۃ واجر عظیم ○ (المائدہ ۶)

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ کو خوب خبر ہے، جو تم کرتے ہو۔ وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

یہ ہر مسلمان کو اللہ کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں حق و انصاف کی راہ اختیار کرو اور اس کی مخلوق کے معاملہ میں بھی عدل و انصاف کرتے رہو۔ یہاں تک کہ اپنے دشمن کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف کی راہ نہ چھوڑو کہ عدل و انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے جس کے اختیار کرنے سے آدمی متقی ہوتا ہے۔

" اس سے پہلی آیت میں مومنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلا دیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں۔ بلکہ عملی رنگ میں ان سے اس کا ثبوت مطلوب ہے۔ اس آیت میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بے شمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا، تو لازم ہے کہ اس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی

پہلے کا جیسا پورا اہتمام کرو، چنانچہ "قوامین للہ" میں حقوق اللہ کی اور "شہداء بالقسط" میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔

عدل کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلّوں میں سے کسی پلّہ کو جھکا نہ سکے۔

جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں، ان سے بچاؤ کرتے رہنے سے، جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے، اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ و بعیدہ بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اس کے اسباب و معدات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "عدل و قسط" یعنی دوست دشمن کیساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا یہ خصلت حصولِ تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے "ھو اقرب للتقوٰی" فرمایا (یعنی یہ عدل جس کا حکم دیا گیا، تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اس کی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

ایسا عدل و انصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے اور یہ خوف "ان اللہ خبیر بما تعملون" کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہو گا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، تو اس کا قلب خشیۃ الٰہی سے لرزنے لگیگا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے گا اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لئے غلامانہ تیار رہے گا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ ملے گا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا "وعد اللہ الذین آمنوا الآیہ"۔ یعنی نہ صرف یہ کہ ان کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے، جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں۔ بلکہ عظیم الشان اجر و ثواب بھی عطا فرمائیں گے" (فوائد علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں یہ حکم دیا کہ دوست ہو یا دشمن جس کے ساتھ بھی کوئی معاملہ پیش آئے ہمیشہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ کریں، ذرا بھی کوئی بے انصافی کی بات نہ ہونے دیں۔ بے انصافی اور ظلم اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

اگر اپنا یا قریب ترین عزیز و اقارب بلکہ ماں باپ کا بھی معاملہ ہو تو مسلمانوں کو اللہ کا حکم یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کی گواہی دیں اور صاف صاف سچی بات کہیں، کوئی ہیر پھیر کی بات نہ بولیں، نہ زبان کو داب کر اس طرح بات کریں کہ کسی کا حق مارا جائے۔ گواہی دینے میں نہ کسی دولت مند کا خوف و لحاظ کیا جائے، نہ کسی غریب کی غربت پر رحم کر کے اس کے حق میں کوئی بات کہی جائے۔ بلکہ صاف صاف سچی بات کہی جائے۔ تاکہ فیصلہ حق و انصاف سے ہو اور کسی سے بے انصافی نہ ہونے پائے۔ خواہ اپنا کتنا ہی نقصان ہو۔

یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط	اے ایمان والو قائم رہو، انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی

شهداء لله ولو على انفسكم او الوالدين والاقربين ان يكن غنيا او فقيرا فالله اولى بهما فلا تتبعوا الهوى ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان الله كان بما تعملون خبيرا

(النساء)

اگرچہ نقصان ہو، تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے، تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں۔ اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے، تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

"یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہیئے۔ اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہیئے۔ دنیوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔

سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ کر بیٹھو، جو حق ہو سو کہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے واقف ہے اور اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔

زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور ہیر پھیر سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے۔ یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی۔ سو ان دونوں صورتوں میں گو جھوٹ تو نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہوگا۔ گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہیئے۔"

(موضح القرآن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے دینی و مذہبی معاملات میں بھی عدل و انصاف اور حق و صداقت پر جمے رہنے اور ظلم و زیادتی سے بچے رہنے کا حکم دیا جس سے ان کے جذبات دینی کو مجروح کیا جائے۔ سنہ ۶ھ میں مسلمانوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر عمرہ کا ارادہ کیا اور جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مکہ کے مشرکوں نے مزاحمت کی۔ حالانکہ حج و عمرہ سے روکنا ان کے نزدیک بھی بڑا جرم تھا۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ مسلمانوں کو اس مذہبی مداخلت سے بڑا غصہ آیا۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے سبب وہ اس مفاہمت پر راضی ہوگئے کہ آئندہ سال عمرہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے مواقع میں بھی جذبات کو قابو میں رکھنے کی ہدایت اور کوئی زیادتی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

ولا يجرمنكم شنان قوم ان صدوكم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شديد العقاب

(المائدہ)

اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو اور آپس میں مدد کرو نیک کام اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

ظلم و زیادتی اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا سبب ہے۔ اس لئے اس سے ہر حال میں بچنا ضروری ہے۔ ظلم و زیادتی کا انتقام اسی شخص سے جس نے ظلم کیا ہے، اتنا ہی بھر جائز ہے، جتنا کسی پر ظلم ہوا ہے، اس سے زیادہ ناجائز و حرام ہے۔ "ردعمل" کا عذر غیر اسلامی ہے، جو کسی حال میں اسلام کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسی آیت میں یہ بھی بتایا کہ اگر کوئی مسلمان جذبات سے مشتعل ہو کر ظلم و زیادتی کرنے لگے، تو تم اس کو ظلم و زیادتی سے روکو اور کسی طرح .... ظلم و زیادتی اور ناجائز کاموں میں کسی کی اعانت نہ کرو، کیونکہ ظلم و زیادتی اللہ کے عذاب کا سبب ہے۔ اس عذاب سے بچو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

انصر اخاک ظالما او مظلوما (الحدیث)	تم اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم

صحابہ نے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن ظالم کی مدد ہم کیسے کر سکتے ہیں (کیونکہ ظلم حرام ہے اور حرام کاموں میں امداد بھی حرام ہے) تو آپ نے فرمایا کہ اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔

عدل و انصاف اور حق و صداقت کی راہ اختیار کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے جس کو ہمیشہ اختیار کئے رہنا چاہیے اور حق کے معاملہ میں قرابت و دوستی کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہیے، جو بات حق ہو اس کو صاف کہہ دینا چاہیے۔

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ وبعھد اللہ اوفوا (الانعام)	اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو اور اللہ کا عہد پورا کرو۔

فکر و تدبر کرنے والے کے لئے اسلام کا ہر حکم ایک درس حکمت و بصیرت ہے جس نے مسلمانوں کو اللہ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کے درمیان ایک رابطہ قائم رکھنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ کیونکہ اللہ کی تمام مخلوق اللہ کا ایک کنبہ ہے۔ جس کو ایک دوسرے کی خیر خواہی اور بھلائی میں لگے رہنا چاہیے، جو شخص ایک دوسرے کی بھلائی میں لگا رہتا ہے، وہی اللہ کو پسند ہے۔ کیونکہ دین و مذہب حقہ کا مقصد ہی مخلوق کی خیر خواہی ہے الدین النصیحۃ (دین خیر خواہی ہے)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہٗ (الحدیث)	ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق وہ ہے، جو اس کے کنبے (تمام مخلوق) کے ساتھ بھلائی کرے۔

اگر ہم مسلمان اللہ و رسول کی ہدایات پر عمل کریں اور اپنے اخلاق و خصائل کو درست کر لیں، تو باہمی اتحاد و محبت اور دعام اتحاد و یکجہتی پیدا ہو جائے اور بہت سے مصائب و آلام سے نجات حاصل ہو جائے۔

زینبؓ بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کی اولاد

از جناب مولانا حکیم شاہ حسین الحق جعفری زینبی عظیم آبادی)

ایک نام کی تین ہستیاں :۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ، حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن اجمعین۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ممتاز خصوصیت کی بنا پر ایک دوسرے سے الگ ہیں ۔عرب میں منہ بولے بیٹے کو اپنی اولاد جیسا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ تو آپ کے خادم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ عوام نے حضور نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بیٹا سمجھ لیا۔ حالانکہ ایسی بات نہ تھی ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نتیجہ تھا کہ حضرت زید کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوگیا۔ حضرت زید غلام اور حضرت زینب بنت جحش قبیلہ قریش کی ممتاز خاندان سے تھیں ۔اسلام میں نسلی تفاخر کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ مساوات کا عظیم سبق دینے والا دین ہے۔ اس نظریہ مساوات کو عملی زندگی میں پیش کرنے کے لئے حضور علیہ التحیہ والتسلیم نے حضرت زینب بنت جحش کی شادی حضرت زید سے کرا دی کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جن کی بنا پر حضرت زید نے طلاق دیدی۔ گو حضور نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ پھر جب حضرت زینب حضور کے حرم میں آئیں تو کفار مکہ نے طعن و تشنیع شروع کر دی۔ جس کے جواب میں آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

"محمد رسول اللہ تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں" (کلام اللہ)

"یہ صدقہ ہے ام المومنین حضرت زینب کا کہ امت کے لئے دین کے ایک جزوی مسئلہ کی وضاحت ہوگئی۔ منہ بولے بیٹے کی شرعی کوئی اہمیت نہیں اور نہ وہ نسبی بیٹے کا مقام پاسکتا ہے"

دوسری ہستی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضور کی نسبی اولاد بیٹوں سے دنیا میں نہیں پھیلی اور بیٹیوں میں صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں کہ ان سے سلسلۂ اولاد جاری ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے چار صاحبزادیاں ہوئیں۔ حضرت زینب، ام کلثوم، فاطمہ زہرا، رقیہ سلام اللہ اجمعین۔ دو صاحبزادیاں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے بیاہی گئیں۔ بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ حضرت ابو العاص سے اور حضرت فاطمہ زہرا امیر المومنین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔ تین صاحبزادیاں بنو امیہ میں اور ایک صاحبزادی بنو ہاشم میں۔

حضور کو اپنی بیٹیوں سے کس درجہ محبت تھی اس کا اندازہ غزوۂ بدر کے بعد زرِ فدیہ ادا کرنے کے موقعہ پر ہوا حضرت ابوالعاص نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا کہ غزوہ بدر درپیش ہوا اور اس میں حضرت ابوالعاص قید ہو گئے۔ تمام قیدیوں پر زرِ فدیہ واجب کیا گیا اور فدیہ کے عوض آزادی دی گئی۔ حضرت ابوالعاص کے فدیہ میں حضرت زینب نے اپنا وہ ہار بھیجا تھا جو حضور علیہ التحیۃ والتسلیم نے انہیں دیا تھا۔ جب وہ ہار پیش کیا گیا تو حضور پر تو ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی۔ صحابہ رضوان اللہ عنہم اس کیفیت کو سمجھ گئے۔ یہ فدیہ واپس کر دیا گیا۔ اور حضرت ابوالعاص رہا کر دیئے گئے۔ حضرت زینب کو حضرت ابوالعاص سے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام تاریخ میں ملتا ہے۔ حضرت علی بن ابی العاص فتح مکہ میں حضور کے ردیف تھے۔ صحابیت کے لئے جو شرائط ہیں وہ بخوبی ان میں موجود تھیں۔ اس لئے رشتہ خونی کے ساتھ وہ صفت صحابیت سے بھی متصف تھے۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور اٹھارہ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ سلسلہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باقی نہ رہا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں سے کوئی اولاد نہ رہی۔ ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی ہیں جن سے سلسلہ جاری ہوا اور اب تک جاری ہے۔

خاتونِ جنت :-

غزوہ بدر کے بعد حضرت فاطمہ الزہرا کا نکاح حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ اس وقت حضرت خاتونِ جنت کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ جیسا کہ شیخ کمال الدین بن طلحہ قریشی شافعی المتوفی ۶۵۲ھ نے اپنی کتاب "مطالب السئول فی مناقب آل رسول" میں صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔

لما زوّج رسول اللہ فاطمتہ من علی کان عمرھا یومئذ ثمانی عشرۃ سنۃ

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو چھ اولادیں ہوئیں الشیخ کمال الدین نے اپنی کتاب میں اس کی یوں صراحت کی ہے۔

فولدت فاطمۃ لعلی، الحسن والحسین ومحسنا وزینب ورقیہ وام کلثوم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت فاطمہ سلام اللہ کے یہاں حسن، حسین، محسن، زینب، رقیہ، ام کلثوم پیدا ہوئے۔

حضرت محسن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ صغر سنی میں انتقال کر گئے اور اسی طرح حضرت رقیہ بھی صغر سنی میں انتقال کر گئیں تفصیل کے لیے "مطالب السئول فی مناقب آل رسول" صفحہ ۳۰ دیکھی جائے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سات سو تیس سال اس وقت سے پہلے لکھی گئی ہے۔ حضرت ام کلثوم کے متعلق لکھا ہے۔

واما ام کلثوم فتزوجھا عمر بن الخطاب فولدت لہ

اور ام کلثوم تو ان سے حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ولدین فلما قتل عمر تزوج بھا بعدہ محمد کی شادی ہوئی ان سے دو بچے پیدا ہوئے اور جب وہ شہید ہو گئے تو ان سے حضرت محمد بن جعفر کی شادی ہوئی۔ بن جعفر۔

حضرت زینب بنت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے صاحبزادہ تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ابی طالب بن عبدالمطلب کے لڑکے تھے۔ اس لحاظ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور علی کرم اللہ وجہہٗ چچا زاد بھائی تھے حضرت علی کے دوسرے بھائی حضرت جعفر طیار تھے۔ اسلام میں پہلی ہجرت جو کہ حبشہ کی طرف ہوئی تھی ان کے امیر قافلہ حضرت جعفر طیار تھے آپ بہت فصیح اور فن تقریر سے واقف تھے۔ کفار مکہ نے حاکم حبشہ کے یہاں اپنا سفیر بھیجا تحفے بھیجے۔ ڈالیاں لگائیں اور ان نو وارد مسلمانوں کی طرف سے شہنشاہ حبشہ نجاشی کے کان بھرے۔ عیسائی علماء و پیشوا ان کے ہمنوا تھے۔ دربار میں نو وارد مسلمان کو بلایا گیا۔ دین اور صاحب دین سے متعلق سوالات ہوئے حضرت عیسیٰ سے متعلق دریافت کیا گیا۔ تمام باتوں کے جوابات شہنشاہ نجاشی کے سامنے حضرت جعفر نے فصاحت و بلاغت کے ساتھ دیئے سورہ مریم کی تلاوت سے سارے مجمع کو مسحور و مرعوب کر لیا۔ اور کفار قریش کے گروہ کو بے نیل و مرام واپس کرا دیا۔ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں مہاجر مسلمانوں کے یہاں جو پہلی ولادت ہوئی وہ حضرت عبداللہ بن جعفر کی ہوئی۔ عبداللہ بن جعفر کی شادی حضرت زینب بنت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ہوئی حضرت عبداللہ بن جعفر نے اور بھی حضرت زینب کے علاوہ شادیاں کیں۔ ان سے اولادیں ہوئیں حضرت عبداللہ بن جعفر کو چھ بیٹے ہوئے جن میں دو کا نام عون و محمد بھی تھا۔

حضرت زینب بنت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تربیت ان ہاتھوں سے ہوئی جو ایک ہاتھ شجاعت و صداقت و دیانت کا حامل دوسرا حیا، عفت، صبر کا مجموعہ، اسی کا نتیجہ ہے کہ کربلا کے میدان میں اشقیاء کے سامنے عفت کا مجسمہ، وقار کا پیکر، صبر کا نمونہ، حضرت زینب نے پیش فرمایا۔ اپنے جگر گوشہ حضرت عدی کی شہادت بچوں کی خون میں نہائی لاشیں۔ اپنوں کا نالہ و شیون اور آہ و بکا۔ پیارے بھائی کی بے بسی و شہادت کے مناظر نے ان کے صبر کا امتحان کر لیا۔ اس کے باوجود ثبات قدمی کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

ان کی اولاد کے متعلق مختلف روایات ہیں، اور تمام کتابیں صرف ایک نام پر متفق ہیں۔ وہ حضرت علی بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

جعفر بن ابی طالب

- عبداللہ
  - معاویہ — ان کی اولاد باقی نہیں
  - علی زینبی — ان کی والدہ زینب ہیں
  - اسماعیل زاہد — المتوفی ۱۳۵ھ ابن ماجہ میں آپ سے روایت ہے
  - محمد — کربلا میں شہید
  - عون — کربلا میں شہید
    - ان کی والدہ جمانہ بنت مسیب ہیں)
  - عدی — کربلا میں شہید
- ان کے علاوہ چھ اور بیٹے۔ ان کی والدہ خوصا بنت خفصہ ہیں ـــ

علی زینبی

- محمد الارس یا محمد ثالث
  - ابراہیم
    - جعفر السید :- نسل کثیر باقی ہے اور بنو جعفر کہلاتی ہے

1

صفحہ ۱۱۲ و ۱۱۳ رحمۃ للعالمین

- اسحق الاثرت ـ نسل کثیر باقی ہے

واقعات کربلا میں شہداء کی فہرست میں حضرت عدی کا نام بھی آتا ہے یوں تو صرف حضرت عون و محمد ہی کے نام مشہور ہیں۔ مندرجہ بالا تفصیل رحمۃ للعالمین قاضی سلمان منصور پوری کی ہے۔

اس کے علاوہ شیخ کمال الدین بن محمد نے یوں لکھا ہے۔

داما زینب فتزوج بہا عبد اللہ بن جعفر — زینب کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی۔ ان کے یہاں

فولدت لہ علیا وعونا ومحمدا ومعاویۃ — علی و عون و محمد و معاویہ پیدا ہوئے ـــ

مطالب السؤل فی مناقب آل رسول صفحہ ۳۰ سنہ ۱۳۰۲ھ

عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب میں ہے ـــ

فولد عبد اللہ عشرین ذکراً وقیل اربع وعشرون"

پس عبد اللہ کو بیس بیٹے ہوئے ۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ چوبیس بیٹے ہوئے ۔

پھر آگے چل کر اسی ضمن میں لکھتے ہیں ۔

ومنھم علی الزینبی امہ زینب بنت علی بن ابی طالب، امھا فاطمہ بنت رسول اللہ صلوٰت اللہ وسلامہ

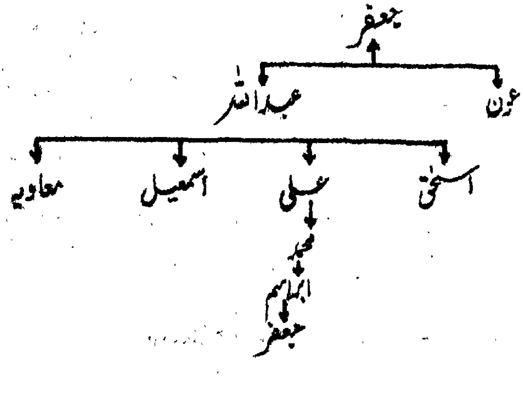
اور انہیں اولاد میں سے علی زینبی ہیں ۔ ان کی ماں زینب بنت علی بن ابی طالب ہیں اور ان کی (زینب) ماں فاطمہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں ۔ (صفحہ ۲۱)

عمدۃ الطالب جمال الدین محمد بن علی کی لکھی ہوئی کتاب ہے جن کی وفات ۸۲۸ھ میں ہوئی ۔ تاریخ کی تیسری کتاب آج تقریباً دوسو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے، اس کتاب کے مصنف مومن بن مومن شبلنجی مصری ہیں ۔ اس کتاب کا نام نور الابصار فی مناقب اہل بیت الاطہار ہے ۔

فصل فی ذکر مناقب السیدۃ زینب بنت الامام علی کرم اللہ وجھہ، امھا فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فھی شقیقۃ الحسن والحسین رضی اللہ عنھم تزوجھا ابن عمھا عبد اللہ بن جعفر الطیار ذی الجناحین ابن ابی طالب فولدت لہ علیاً وعون ویدعی بالاکبر وعباساً ومحمداً و ام کلثوم وذریتھا موجودۃ الی الآن بکثرۃ

فصل مناقب میں سیدہ زینب بنت امام علی کرم اللہ وجہہ ان کی ماں فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس وہ اپنی بہن ہیں حسن حسین رضی اللہ عنہم کی شادی چچازاد بھائی عبد اللہ بن جعفر طیار ذی الجناحین بن ابی طالب سے ہوئی، ان کے یہاں علی اور عون جو بڑے کے نام سے پکارے گئے اور عباس اور محمد اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور ان کی ذریت اس وقت تک کثرت سے موجود ہے ۔ (صفحہ ۱۷۷)

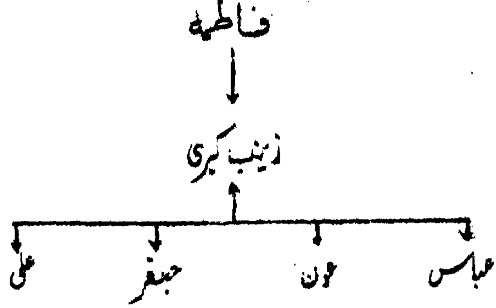
حضرت قبلہ شاہ سلیمان قدس سرہ کے (جو علمی مسلم الثبوت ہستی اور علمی ماحول کی مشہور و متعارف ذات ہے) دست خاص سے لکھے ہوئے ایک سفینہ میں یوں درج ہے ۔



اس کے بعد بحر الانساب مصنفہ خان صاحب مرزا محمد ملک شد ۱۳۳۵ھ میں صفحہ ۸۰ پر ضمن چہارم کے ضمن میں یوں لکھا ہے:

"ونسل عبداللہ از چہار پسر است علی و اسحاق و معاویہ و اسماعیل فرزندان ایشان در عراقین بسیار اند"

محمد ضیاء الدین علوی امروہوی نے اپنی کتاب بحر الانساب (اردو) میں یوں لکھا ہے۔



"حضرت زینب کبریٰ عبداللہ بن جعفر طیار کو منسوب تھیں۔ ان سے چار صاحب زادے ہوئے لیکن سلسلہ علی بن عبداللہ بن جعفر طیار سے جاری ہے اور دوں سے عقب نہیں۔" صفحہ ۱۴۸

یہ کتاب ۱۹۱۷ء میں چھپی ہے۔

ان تاریخی حقائق سے یہ بات متیقّن ہو جاتی ہے کہ حضرت علی زینبی کی اولاد باقی رہی اور پھیلی۔ نیز حضرت علی زینبی کربلا میں نہیں تھے۔ حضرت عون و محمد متفقہ طور پر حضرت زینب کے بیٹے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق اقوال مختلف ہیں

اشتباہ! حضرت عبداللہ بن جعفر کے بھائیوں کے نام عون و محمد تھے، اسلئے واقعہ کربلا کے بعد مختلف ناموں کے ایک جیسے ہونے کی وجہ کر اور روایت مشہورہ کی بنا پر حضرت شاہ عطا حسین علیہ الرحمۃ صاحب کنز الانساب کو شبہہ واقع ہوا کہ حضرت زینب بنت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد باقی نہیں رہی، اس شبہہ کے ازالہ کے لئے بہار کی بڑی بزرگ ہستی (جن کی عظمت علمی مسلم ہے) حضرت شاہ بدر الدین قدس سرہ نے کنز الانساب کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ:-

"نزدیک ماہرین فن و محققین انساب ایں است کہ عبداللہ بن جعفر طیار را از بطن زینب رضی اللہ عنہا از علی زینبی عقب است" صفحہ ۷ اور ۸ حاشیہ کنز الانساب۔ (اسی صفحہ پر انہوں نے خاندان جعفری پر شبہہ ظاہر کیا ہے)

تمام حقائق سامنے ہیں۔ فیصلہ محققین حضرات کریں کہ روایت مشہورہ کی کوئی سند نہیں اور جو عمارت روایت مشہورہ پر کھڑی کی گئی وہ علمی تحقیق کے سامنے خود بخود منہدم ہے۔

حضرت شاہ عطا حسین علیہ الرحمہ سات سال تک پھلواری شریف میں رہے اور حضرت مولانا محمد امام جعفری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی پھر بھی ان کا شبہہ تعجب انگیز ہے۔ بہر حال تاریخ کی کتابوں پر نظر رکھنے کے بعد کسی تاریخی واقعہ پر یا خاندان کے حالات پر قلم اٹھانا چاہیے تھا۔ ایسا نہ کر کے صرف سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا یہ محققین علمی کا کارنامہ نہیں ہے۔ اللھم ارنا الحق حقاً و الباطل باطلا

اردو شاعری اور قصیدہ گوئی

(از جناب ش۔ م۔ عارف ماہر آروی)

(۲)

اس کے بعد کچھ مدحیہ اشعار بہ "رسم قدیم" رقم کئے گئے ہیں اور پھر یوں ہم کلام ہوتے ہیں کہ: ؎

مجھ سے ناکس کی ہم نشینی کا تجھ سے داور کو شوق پنہانی

....

حاملِ دفترِ مدیح سے یوں مجھے پہونچا تھا علم اذعانی
کہ نہیں کیوں خیال طرفِ حرم مومن اور اتنی نامسلمانی
تجھے معلوم کیا نہیں ناداں فرض ہے حج بہ نصِ قرآنی

....

ہے مجھے بھی خیال طرفِ حرم خطرہ گر ہو فضل رحمانی
تاکہ صحنِ منا میں کر ڈالوں نفسِ امارہ کو بھی قربانی

....

پر کروں کیا کہ بن نہیں آتی ورنہ میں اور منبہ ہیمانی
دشت گردی کے شوق نے مارا ہوں تو دیوانہ لیک زندانی

....

فکر انجام سدِ راہ ہوئی سن چکا ہوں حدیث صنعانی
بعد یک چند گر خدا چاہے میں ہوں اور تیرے در کی دربانی
آکے اس بزم میں دکھاؤں گا شعلہ ہائے خرد کی نیرانی

اور پھر تعلی اور خودستائی کے اشعار ہیں، جن کے کچھ اقتباس درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ؎

میرے سینے کے صفحے پہ ہے رقم علم داتا دلان یونانی

وہ خردمند ہوں کہے ہے مجھے — عقلِ اوّل حکیمِ لاثانی
ہیں روشن دان حکم پر جیسی — میں ادا فہم سیر گیوانی
آئینہ ہے صفا سے دل میرا — کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی

....

سامنے میری تر زبانی کے — نطق الکن حدیثِ سحبانی
میرے ربطِ کلام کو پہنچے — نثرِ سعدی نہ نظمِ سلمانی

....

میں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں — جس کے در کا گدا ہے خاقانی
انوری کے بیان میں ہے کہاں — میری تقریر کی سی نابانی
ملکِ معنی کا شہریار کہے — دیکھ خسرو مری قلم رانی
میری نسبت سے خاکِ نہد کو ہے — رونقِ سرمۂ صفاہانی
آج ہوتا کمال تو کہتا — اب تخلّص سزا ہے نقصانی

اور پھر تین چار اشعار دعائیہ کہکر ختم کر دیتے ہیں۔ مومن اپنے زعمِ قابلیت میں کسی کو اپنا مدِ مقابل نہیں سمجھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود کسی کی ہجو نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے انہیں طبعًا نفرت تھی۔ فرماتے ہیں ؎

ہجو گوئی نہیں ہمارا کام — ایسی باتوں سے خامشی بہتر

مومن کے قصائد، شاعرانہ تخیل اور علمی لیاقت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہیں۔ مگر جہاں تک "گریز" کا تعلق ہے۔ وہ مومن کے قصیدوں میں کمزور ہوا کرتا ہے۔ ان کی کو ان کی "تشبیب" جو انوکھی اور پیاری ہوا کرتی ہے، پورا کر دیتی ہے۔ ان کے کلام میں مذہب اور عقاید کی جھلک صاف نمایاں رہتی ہے۔ چونکہ فنونِ طب، نجوم اور رمل سے وہ بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ اس لئے ان علوم کی اصطلاحات سے فائدہ اٹھاکر کلام کو پُرشوکت بنا دیتے ہیں۔ زورِ الفاظ، بلندیٔ تخیل، علوئے مضامین، ندرتِ تشبیہ اور اجنبی قافیے اگر محاسنِ قصائد شمار کئے جا سکتے ہیں، تو مجھے کہنے دیجئے کہ مومن کے قصائد صفِ اول میں رکھے جانے کے قابل ہیں۔

بدقسمتی کہئے یا خوش قسمتی کہ اُردو شاعری ہمیشہ درباروں کے زیرِ سایہ پروان چڑھی، کبھی مغلوں کی گود میں پلی، کبھی نوابوں کی لاڈلی رہی اور کبھی رئیسوں کی دُلاری بنی۔ مغلوں کے ساتھ دہلی کو اپنا مسکن بنایا پھر لکھنؤ کو اپنا گھر کیا، پھر اس کے بعد رامپور، بھوپال، حیدرآباد اور مرشدآباد کو اپنا کاشانہ بنایا۔ غدر کے بعد دلّی اور لکھنؤ کا سہاگ لٹ گیا۔ رامپور میں نواب کلب علی خاں کی علم دوستی، ہنر پروری اور قدردانی نے نہ جانے کتنے شاعروں کو پناہ دی۔ انہیں میں منشی امیر احمد امیرؔ مینائی بھی تھے۔ ان کے

ساتھ نواب مرزا خاں داغؔ نے بھی رامپور ہی کی راہ لی ۔ پھر احمد حسین، امیر اللہ تسلیم بھی رامپور آ گئے ۔ نواب کی داد و دہش نے قصیدہ کا بازار گرم کر دیا۔ کبھی "ناطقہ" کی تعریف ہو رہی ہے۔ تو کبھی نواب کی توصیف ۔ امیرؔ کا دور ۱۲۴۳ھ سے ۱۳۱۸ھ تک رہا۔ اس درمیان میں لکھنؤ، رامپور اور حیدرآباد میں سرگرداں رہے ۔ امیرؔ کے دو قصیدے میری نظر سے گذرے ایک "ناطقہ" کی تعریف میں ہے ۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔ ؎

شب دوشنبہ جو لی خواب میں میں نے کروٹ ۔۔۔ آئی اک حور لقا پاس الٹ کر گھونگھٹ
شعلہ رخسار، جفا کار، قیامت آفت ۔۔۔ شوخ عیار، غضب قہر چھلاوا نٹ کھٹ

. . . .

مستی حسن سے گردوں پہ کبھی ڈال دے ہاتھ ۔۔۔ بے چھوئے گاہ لجا نو کی طرح جائے سمٹ

. . . .

غرض اس شکل کی معشوق کا کیا حسن کا بیاں ۔۔۔ نظر آئی تو عجب جی کو ہوئی للچاہٹ
شوق دل نے یہ کہا ست ہے یہ سرو سہی ۔۔۔ عشق پیچے کی طرح جایئے مستی میں لپٹ
ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ پیچھے سرکی ۔۔۔ سر قدم تک بھی نہ پہنچا کہ گئی دو دو ہٹ

. . . .

چپ رہی پہلے، کہا تو یہ کہا دیر کے بعد ۔۔۔ تھی ملاقات کہاں کی یہ تیزی جھٹ پٹ

. . . .

میں نہ ہوں جس کی ہوس میں ہیں ہزاروں نامی ۔۔۔ سیکڑوں مر گئے، بھی جن کو مرے نام کی رٹ

. . . .

ناطقہ خانہ، دولت ہے میرا نام صفت ۔۔۔ میں مکیں ہوں تو مکاں جائے زر و سیم سے پٹ
ملہم غیب نے بھیجا تو میں آئی ترے پاس ۔۔۔ ہو گراں تجھ کو جو آنا ابھی جاؤں میں پلٹ

. . . .

کون وہ کلب علی خاں بہا در جم جاہ ۔۔۔ دیتے ہیں جس کو ملک عالم بالا کی رپٹ

دیکھا آپ نے صرف "ناطقہ" کی تعریف زبانی تھی۔ مگر مدح نواب بھی لانا ضروری تھا۔ کیونکہ یہ "رسم قدیم" جو ٹھہری یہی رسم قدیم ان کے دوسرے قصیدے میں بھی نظر آتی ہے ۔ "باغ عشرت" کے قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔ ؎

عالم خواب میں پہنچا میں عجب باغ میں کل ۔۔۔ شجر طور کو جس باغ کی کہئے کونپل

. . . .

اک شگوفہ تھا اسی باغ کا باغِ عشرت ۔۔۔ ایک غنچہ اسی گلزار کا گلزارِ امل
دیکھتا کیا ہوں کہ ہے بیچ میں اک حور لقا ۔۔۔ کچھ حسیں گرد ہیں، آگے ہے فروزاں مشعل

اس حور لقا سے یہ پوچھتے ہیں کہ: ؎

کون سا باغ ہے یہ کون ہے اور میں ہوں کہاں ۔۔۔ تجھ سے وحشت نہیں، یہ اور ہے حیرت کا محل
متبسم ہوا پہلے تو وہ سرمایۂ ناز ۔۔۔ پھر اک انداز سے بولا یہ دکھا کر کس بل

. . . .

باغ نقشہ ہے صفات حسنہ کا اس سے ۔۔۔ حسن فطرت میں جو یوسف سے کہیں ہے افضل
ہاتھ پھیلاتے جو شاخیں زرِ گل دیتی ہیں ۔۔۔ ہے یہ مطلب کہ دہش میں ہے وہ بے مثل و بدل
اشرفی کے جو گلوں کا ہے چمن میں انبار ۔۔۔ یہ اشارہ ہے کہ دولت میں ہے وہ ضرب مثل

. . . .

پوچھتا ہے جو حقیقت کو مری او ناداں ۔۔۔ طبعِ نازک ترے آقا کی ہوں لے عبد اقل

یہاں تک تو رام پور میں تخلیق شدہ قصیدوں کا ذکر رہا۔ نواب کلب علی خاں والی رامپور کی وفات کے بعد حیدر آباد کو قسمت آزمائی کے لئے امیر مینائی روانہ ہوئے۔ مگر وہاں کی خاک دامنگیر تھی اور چند ہی روز کے بعد انتقال فرما گئے۔ حیدر آباد کی سرکار نواب کلب علی خاں والی رامپور کے انتقال کے بعد ارباب فضل و کمال کا ملجا و ماوی بنی۔ امیر اللہ تسلیم بھی وہاں گئے اور انہوں نے بھی قصیدے تراشے، مگر ان کے قصیدوں میں غزل کا رنگ زیادہ غالب ہے۔ داغ بھی رامپور سے حیدر آباد ہجرت فرما گئے۔ کئی برس امیدواری میں بسر ہوئی، مگر آخر کار قسمت نے ساتھ دیا۔ پہلے ساڑھے چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا، جو روز بروز سے وقت مقرر تک بڑھ کر دیدیا گیا۔ چند روز کے بعد ایک ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہو گیا، جو مرتے دم تک اعلیٰ حضرت محبوب علی خاں آصف جاہ ششم (متولد ۶ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ متوفی ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ) کی سرکار سے انہیں ملتا رہا۔ دیگر بیش قرار صلوں کے علاوہ "سپہ سالار، یار وفادار، مقرب السلطان، بلبل ہندوستان، جہان استاد، ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ فصیح الملک" وغیرہ کا خطاب بھی پایا، نواب حیدر آباد کی اس بے نظیر فیاضی نے داغ سے ایسے ایسے قصائد کہلوائے جو آسمان اردو میں مثل کہکشاں روشن ہیں۔

بادشاہوں، نوابوں، راجاؤں، رئیسوں اور صاحب اقتدار لوگوں کی مدح میں شکم پر پیچ کی گرہ کشائی کی خاطر اگر ایک طرف خوشنما زریں قصائد گڑھے گئے، تو دوسری طرف روح کی بالیدگی اور عاقبت کی آراستگی اور عقیدت نے کچھ ایسے بھی قصائد کہلوائے جو اردو شاعری کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں مولوی محمد محسن صاحب محسن کاکوروی (۱۲۴۲ھ - ۱۸ صفر ۱۳۲۳ھ) کا نام نامی سر فہرست نظر آتا ہے۔ آپ نے ۱۲۲۶ھ میں "سراپائے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)" تصنیف کیا۔ ۱۲۵۸ھ میں

ایک دوسرا نعتیہ قصیدہ "گلدستۂ کلام رحمت" لکھا۔ ان کا مشہور قصیدہ، جو شہیدی کے قصیدے کے جواب میں ہے، اسے ۱۲۷۴ھ میں لکھا تھا جس کی امیر مینائی نے تضمین بھی کی، جو ابھی "باغ عشرت" کے عنوان سے آپ کی نظروں سے گذرا۔ حضرت محسن نے "چتر شاہنشاہی" ایک ترکیب بند واجد علی شاہ اختر لکھنوی کی تعریف میں کسی دوست کی فرمائش پر انہیں کے نام سے لکھی۔ اس کے بعد ۱۲۹۳ھ میں وہ مشہور نعتیہ قصیدہ "مدیح خیر المرسلین" لکھا جس نے بے شمار خراج تحسین وصول کیا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ۔۔۔ برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

....

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے جہاں میں یہ بھی ۔۔۔ کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

....

جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ ۔۔۔ کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات وہبل

....

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی ۔۔۔ پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

....

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں ۔۔۔ تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

....

جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

....

دل بیتاب کی ادنیٰ سی جھلک ہے بجلی ۔۔۔ چشمۂ پُرآب کا ہے، ایک کرشمہ بادل
طپش دل کا اڑتا ہوا نقشہ بجلی ۔۔۔ چشم پُرآب کا دھویا ہوا خاکہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پہ چڑھ جائے ۔۔۔ میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقا بادل

تشبیب کے چند اشعار کے بعد اب ذرا گریز کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعد غزل ۔۔۔ کہ ہے چکر میں سخن گو کا دماغ مختل

....

چشم میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب ۔۔۔ پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل

....

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی — زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل

.....

اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر — بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کو ضو اوجِ شرف کا مہِ نو — شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول

.....

جی میں آتا ہے لکھوں مطلع برجستہ اگر — وجد میں آکے قلم ہاتھ سے جائے اچھل
منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل — کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اوّل
شانِ حضرت کا ہے تشدید دو لام والکیل — صاد مازاغ بصر سرمۂ چشم اکمل

.....

رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف — میم احمدؐ نے کیا آکے یہ قطعِ فیصل
نظر آئے مجھے احمدؐ میں اگر دال دوئی — روزِ محشر ہوں الٰہی مری آنکھیں احول

اس کے بعد دس اشعار غزل کے ہیں اور آخر میں آٹھ اشعار مناجات کے ہیں:

محسن کاکوروی کے قصیدے کا عام جوہر قافیوں کی ندرت، مضامین کی بلند پروازی، استعاروں کی رنگینی اور نقد طلب تلمیحات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ محسن کاکوروی کے بعد اردو شاعری میں قصائد نے مدحِ رسول، منقبت اور نعت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جہاں تک قصیدہ نگاری کا تعلق ہے یہ بات بے دریغ کہی جا سکتی ہے کہ اس فن کا شہسوارِ اعظم سودا ہی تھا اور مومن ایک رہبرِ اعظم تھے۔ (ختم شد)

تاریخ سے حکومتوں کے لئے ایک مثال

(از جناب سید نعمان غنی دیوروی)

کسی ملک میں حکومت کسی طرز کی ہو، اگر وہاں کے عوام کو ضروریات زندگی کی تمام چیزیں بکفایت ملتی ہوں، جان ومال محفوظ ہو، بیروزگاری نہ ہو، ٹیکس بھی قابل قبول ہو اور بے لاگ انصاف ہوتا ہو تو ایسی حکومت کی ہر شخص حمایت کرے گا۔ اگر جمہوری حکومت میں ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمتیں قوتِ خرید سے بڑھی ہوئی ہوں، چیزیں عام طور پر ملتی نہ ہوں، جان ومال کا ہر آن خطرہ ہو، بیروزگاری پھیلی ہوئی ہو، حد سے زیادہ ٹیکس لاد دیا گیا ہو اور انصاف بھی نہ ہوتا ہو، تو ایسی حکومت کی کوئی بھی حمایت نہ کرے گا۔

آیئے آپ کو مختصر طور پر ڈھائی سالہ ایک شخصی حکومت کا حال سنائیں۔ تاریخ کے اوراق الٹئے ۹۹ھ کا دور ہے۔ سلیمان کا انتقال ہوتا ہے۔ سلیمان کے نامزد کردہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح برسر اقتدار آتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دور تھا کہ سالہا سال سے یکے بعد دیگرے شخصی حکومت کے سربراہوں نے ملک کو کلیتہً اپنے قبضۂ اقتدار میں جکڑ رکھا تھا اور معاشی، اخلاقی اور سیاسی ہر اعتبار سے عوام کی زندگی دوبھر ہوگئی تھی۔ حکمراں طبقہ عوام سے غافل ہوکر عیش کی زندگی گذارنے میں مصروف تھا اور حکومت کے کارندے من مانی کرنے میں آزاد تھے۔

ایسے تاریک دور میں جب زمام حکومت حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے ہاتھ میں آئی تو نظام حکومت میں ایک ایسا انقلاب آیا، جو عوام کے لئے اخلاقی، معاشی اور دینی ہر اعتبار سے رحمت ثابت ہوا۔

یہ انقلاب عوام نہیں لائے، کسی باغی گروپ یا اپوزیشن کا بھی رہین منت نہیں تھا، نظم حکومت کی اصلاح کے لئے احتجاجی جلسے بھی منعقد نہیں ہوئے، جلوس کی ہنگامہ آرائی بھی نہیں ہوئی، کوئی وفد بھی ملنے نہیں گیا۔ میمورنڈم بھی نہیں بھیجا گیا بلکہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھتے ہی خود حکومت کے سربراہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے انقلابی کارنامہ انجام دیا۔ یہ عمل ان حکمرانوں کے لئے مشعل راہ ہے، جو بولتے زیادہ ہیں عملاً کرتے کچھ بھی نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی عوام کے وہ تمام املاک جن پر حکمراں طبقے یا کسی نے بھی ناجائز طور پر قبضہ کرکے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ ایک ایک کرکے اصل مالکوں کے حوالہ کر دئے۔

ملک کا خزانہ قومی امانت ہوتا ہے، جو ملک اور رعایا کے مفاد کے کاموں میں صرف کیا جانا چاہیئے۔ لیکن یہ ملکی خزانہ ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ اس لئے شاہی خاندان کے تمام وظائف یک قلم بند کر دیئے گئے

ملک میں ہر مذہب کے لوگ بستے ہیں اور حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر مذہب کے ساتھ مساوی برتاؤ کرے۔ مذہب کی بنا پر کسی قسم کی تفریق اور زیادتی نہ کی جائے۔ کسی حکومت کے عدل و انصاف کا صحیح معیار دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے۔ اگر مذہب کی بناء پر کسی قسم کی زیادتی ہوتی ہے، تو وہ حکومت عادل نہیں ہے۔ جزیہ کی وصولی میں نرمی کا فرمان جاری کیا، مسلم اور غیر مسلم کے خون کی قیمت برابر قرار دی، یعنی قتل کے جرم میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز ختم کر دیا۔ وہ عبادت خانے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کو مسلمانوں سے لے کر غیر مسلموں کو واپس کر دیا۔

حکومت کا ہر عہدیدار، حکومت کا نائب ہوتا ہے، اس کی غفلت یا اس کا ظلم، حکومت کی غفلت اور حکومت کا ظلم سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی عہدیدار فرائض سے غفلت برتے اور اُسے سزا نہ دی جائے تو یہ ظلم و جور کو پھیلنے میں مدد دیتا ہے۔ اگر عہدیداروں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور ان سے باز پرس کی جاتی رہے اور انہیں ان کے جرم پر سزا بھی دیجائے تو پھر آئندہ کے لئے کسی میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی جرات نہ ہوگی۔ آپ نے ایسے تمام والیوں کو جن کے متعلق جرم ثابت ہو گیا۔ معزول کر دیا۔

ملک کے تمام مجبور اور معذور اشخاص کا حکومت کی طرف سے وظیفہ مقرر کیا۔

وہ لوگ جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے مجبور تھے ان کو قرض کی ادائگی کے لئے رقم دیجاتی تھی۔ شیر خوار بچوں کو وظیفہ ملتا تھا۔

ڈھائی سال کی مختصر مدت میں مظالم کے انسداد، ٹیکسوں کی منسوخی، نو مسلموں کے ساتھ مراعات اور دوسرے اصلاحی کاموں کی وجہ سے عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ معاشی حالات اتنی بلند ہو گئی کہ لوگ صدقہ کا مال تقسیم کرنا چاہتے تھے لیکن صدقہ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔

اس درویش صفت مرد حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کا حال یہ تھا کہ معمولی لباس پہنتے، سادہ کھانا کھاتے اور رات کو جب تک حکومت کا کام کرتے اس وقت تک حکومت کا چراغ استعمال کرتے اور اس کے بعد اپنا چراغ جلاتے ـــــ کیا آج کی حکومتیں اس مثال سے سبق نہیں لے سکتیں؟

آگ پر فقیروں کا رقص

ابن بطوطہ بیان کرتا ہے

ابن بطوطہ

یہ آج سے ۶۵۶ سال پہلے کی بات ہے ایک افریقی نوجوان اپنے شہر طنجہ کے ایک محلے سے نکلا اور ان گنت صحراؤں، دریاؤں اور پہاڑوں سے گزرتا ہوا چین تک جا پہنچا۔

شیخ فقیہہ ابو عبد اللہ محمد ابن ابراہیم لمجی بن بطوطہ کے لقب اور کنیت سے مشہور رہیں، اللہ ہم تران سے راضی رہے، فرماتے ہیں جمعرات کا دن دوسری رجب ۷۲۵ھ میں اپنے وطن مالوف طنجہ سے برائے حج بیت اللہ و زیارت روضہ نبی صلعم تن تنہا روانہ ہوا۔ میرے والدین اس وقت بقید حیات تھے۔ ان کو میری جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔ اس وقت میری عمر ۲۲ سال تھی۔

ذیل میں دنیائے قدیم کے اس جہانیاں جہاں گشت سیاح کے سفر نامہ کا کچھ حصہ پیش کیا جارہا ہے جس میں اس نے تمام عراق کے شہروں کے بارے میں اچھے مشاہدات و تاثرات بیان کئے ہیں۔ ــــــــ (ادارہ)

[illegible] تھا۔ آٹھ دن میں قوص سے مصر پہنچا۔ ایک شب یہاں قیام کیا اور پھر بلاد شام کی طرف چلا۔ یہ زمانہ نصف ماہ شعبان ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۶ء کا تھا۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم کی حکایت

بعد ازاں میں فرقہ فداویہ کے قلعوں سے شہر جبلہ آیا۔ اسی شہر میں مشہور ولی [illegible]

[illegible] لیکن حقیقت یہ ہے [illegible]

[illegible]

اس امر کی اطلاع دیں تاکہ اس کی اجازت سے حلال ہو جائے۔ چنانچہ باغ کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ ایک لڑکی باہر آئی۔ آپ نے اس سے کہا کہ میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ وہ تو عورت ہے۔ آپ نے کہا اچھا اس سے پوچھ دے میں خود حاضر ہو جاؤں۔ اجازت مل گئی۔ آپ اس خاتون کے پاس تشریف لے گئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ خاتون مذکور نے جواب دیا کہ باغ نصف تو میرا ہے اور نصف سلطان کا ہے اور وہ بلخ تشریف لے گئے ہیں جس کی اس مقام یعنی بخارا سے دس دن کی مسافت ہے اس نے اپنے سیب کا نصف حصہ تو معاف کر دیا۔ دوسرا نصف حصہ معاف کرانے آپ بلخ تشریف لے گئے۔ جب یہاں پہنچے تو بادشاہ کی سواری جلوس کے ساتھ جا رہی تھی۔ اسی حالت میں آپ نے سارے واقعے کی بادشاہ کو خبر دے دی۔ بادشاہ نے کہا اس وقت تو میں کچھ نہیں کہتا۔ کل میرے پاس تشریف لائیے۔ اس کی ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی تھی۔ لڑکی عابدہ اور نیکوکاروں کو بہت دوست رکھتی تھی۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ کسی زاہد سے اس کا نکاح ہو۔ جب بادشاہ اپنے محل واپس آیا تو لڑکی سے ادہم کا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں نے ایسا زاہد کہیں نہیں دیکھا کہ نصف سیب حلال کرنے کے لئے بخارا سے آیا ہے۔ جب اس لڑکی نے یہ کیفیت سنی تو نکاح منظور کر لیا۔ دوسرے دن ادہم بادشاہ کے پاس آئے تو اس نے ان سے کہا کہ جب تک آپ میری لڑکی سے نکاح نہ کریں گے میں آپ کو نصف سیب معاف نہیں کروں گا۔ ادہم نے چار و ناچار نکاح کرنا منظور کر لیا۔ جب ادہم خلوت میں اپنی بیوی کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ دوشیزہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہے۔ ادہم ایک گوشہ میں جا کر نماز میں مصروف ہو گئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ اور متواتر سات راتیں اسی طرح گذر گئیں اور ابتک سلطان نے نصف حصہ سیب کا انہیں معاف نہ کیا تھا۔ اس لئے آپ نے بادشاہ کو بطور یاد دہانی کہلا بھیجا کہ آپ وہ معاف فرما دیجئے بادشاہ نے کہا جب تک آپ کا میری لڑکی کے ساتھ اجتماع نہ ہوگا میں معاف نہ کروں گا۔ آخر کار شب ہوئی اور ادہم اپنی بیوی کے ساتھ اجتماع پر مجبور ہوئے۔ آپ نے غسل کیا۔ نماز پڑھی اور ایک چیخ مار کر مصلے پر سجدے میں گر پڑے لوگوں نے دیکھا تو مردہ تھے۔ بعد ازاں اس لڑکی سے ابراہیم پیدا ہوئے۔ چونکہ ابراہیم کے نانا (بادشاہ) سے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لئے سلطنت ابراہیم کو دی۔ آپ کے سلطنت چھوڑنے کا جو واقعہ مشہور ہے اس کی اصل بھی یہی ہے۔

پیالے سے پیالے چمچے سے چمچے

بعد ازاں ہم شہر بعلبک پہنچے۔ یہ بہت قدیم اور شام کے اعلیٰ شہروں میں سے ہے یہاں لکڑی کے برتن اور چمچے ایسے بنائے جاتے ہیں کہ جن کی دوسرے شہروں میں نظیر نہیں ملتی۔ میں نے بعض کاریگروں کو اس طرح دیکھا ہے کہ ایک بڑے پیالے میں ایک کے اندر ایک پورے دس پیالیوں کا اس طرح سٹ بناتے ہیں کہ اوپر سے دیکھنے والا ایک پیالہ سمجھتا ہے۔ یہی حال چمچوں کا بھی ہے کہ ایک کے اندر ایک چمچہ کا سیٹ بناتے ہیں کہ وہ بھی اوپر سے دیکھنے میں ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سیٹ کے لئے ایک چمڑے کا غلاف بھی بناتے ہیں جس میں رکھ کر ان سب کو اپنے ساتھ لیتے ہیں جب دسترخوان بچھا اور سب ساتھی کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں تو اس چمچہ کو نکال کر دسترخوان پر رکھ دیتے ہیں دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اس قدر آدمیوں میں صرف ایک چمچہ رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے جوف سے یکے بعد دیگرے دس چمچے

آگ پر فقیروں کا رقص

ابن بطوطہ بیان کرتا ہے

ابن بطوطہ

یہ آج سے ۶۵۶ سال پہلے کی بات ہے ایک افریقی نوجوان اپنے شہر طنجہ کے ایک محلے سے نکلا اور ان گنت صحراؤں، دریاؤں اور دیاروں سے گذرتا ہوا چین تک جا پہنچا۔

شیخ فقیہ ابو عبداللہ محمد ابن ابراہیم لمجی ابن بطوطہ کے لقب اور کنیت سے مشہور ہیں، اللہ ہر آن سے راضی رہے، فرماتے ہیں جمعرات کا دن دوسری رجب ۷۲۵ھ میں اپنے وطن مالوف طنجہ سے برائے حج بیت اللہ و زیارت روضہ نبی صلعم تن تنہا روانہ ہوا۔ میرے والدین اس وقت بقید حیات تھے۔ ان کو میری جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔ اس وقت میری عمر ۲۲ سال تھی۔[1]

ذیل میں دنیائے قدیم کے اس جہانیاں جہاں گشت سیاح کے سفر نامہ کا کچھ حصہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں اس نے شام عراق کے شہروں کے بارے میں اپنے مشاہدات و تاثرات بیان کئے ہیں۔ (ادارہ)

وہ زمانہ دریائے چڑھاؤ کا تھا۔ آٹھ دن میں قوص سے مصر پہنچا۔ ایک شب یہاں قیام کیا اور پھر بلاد شام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ زمانہ نصف ماہ شعبان ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۶ء کا تھا۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم کی حکایت

بعد ازاں میں فرقہ فداویہ کے قلعوں سے شہر جبلہ آیا۔ اسی شہر میں مشہور ولی حضرت ابراہیم ابن ادہم کا مزار مبارک ہے۔ ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ سلطنت کو خیر باد کہہ کر اللہ کے ہو رہے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ لوگوں کا گمان ہے یہ شہزادے نہ تھے۔ ابراہیم کو سلطنت وراثۃً اپنے نانا کی طرف سے بے شک پہنچی ہے۔ مذکور ہے کہ ایک دن (ان کے والد) ادہمؒ کا بخارا کے باغات کی طرف گذر ہوا۔ آپ ایک نہر کے کنارے جو باغات کے اندر سے ہوتی ہوئی گذرتی تھی، بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ آپ نے دیکھا کہ نہر میں ایک سیب بہتا ہوا آ رہا ہے۔ خیال کیا کہ اس کے کھا لینے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اٹھا کر کھا لیا تو یہ دغدغہ پیدا ہوا کہ میں نے سیب کے مالک سے اجازت نہیں لی (اور ناجائز طریقہ پر کھا لیا ہے۔ اس خیال سے مالک باغ کے پاس گئے کہ

[1] سفر نامہ ابن بطوطہ - اردو ترجمہ مولانا عطاء الرحمٰن۔

اس امر کی اطلاع دیں تاکہ اس کی اجازت سے حلال ہو جائے۔ چنانچہ باغ کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ ایک لڑکی باہر آئی۔ آپ نے اس سے کہا کہ میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ وہ تو عورت ہے۔ آپ نے کہا اچھا اس سے پوچھ لے میں خود حاضر ہو جاؤں۔ اجازت مل گئی۔ آپ اس خاتون کے پاس تشریف لے گئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ خاتون مذکور نے جواب دیا کہ باغ نصف تو میرا ہے اور نصف سلطان کا ہے اور وہ بلخ تشریف لے گئے ہیں جس کا اس مقام یعنی بخارا سے دس دن کی مسافت ہے۔ اس نے اپنے سیب کا نصف حصہ تو معاف کر دیا۔ دوسرا نصف حصہ معاف کرانے آپ بلخ تشریف لے گئے۔ جب یہاں پہنچے تو بادشاہ کی سواری جلوس کے ساتھ جا رہی تھی۔ اسی حالت میں آپ نے سارا واقعہ کی بادشاہ کو خبر دے دی۔ بادشاہ نے کہا اس وقت تو میں کچھ نہیں کہتا۔ کل میرے پاس تشریف لائیے۔ اس کی ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی تھی۔ لڑکی عابدہ اور نیکوکاروں کو بہت دوست رکھتی تھی۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ کسی زاہد سے اس کا نکاح ہو۔ جب بادشاہ اپنے محل واپس آیا تو لڑکی سے ادھم کا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں نے ایسا زاہد کہیں نہیں دیکھا کہ نصف سیب حلال کرنے کے لئے بخارا سے آیا ہے۔ جب اس لڑکی نے یہ کیفیت سنی تو نکاح منظور کر لیا۔ دوسرے دن ادھم بادشاہ کے پاس آئے تو اس نے ان سے کہا کہ جب تک آپ میری لڑکی سے نکاح نہ کر لیں گے میں آپ کو نصف سیب معاف نہیں کروں گا۔ ادھم نے چار و ناچار نکاح کرنا منظور کر لیا۔ جب ادھم خلوت میں اپنی بیوی کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ دوشیزہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہے۔ ادھم ایک گوشہ میں جا کر نماز میں مصروف ہو گئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ اور متواتر سات راتیں اسی طرح گذر گئیں اور اب تک سلطان نے نصف حصہ سیب کا انہیں معاف نہ کیا تھا۔ اس لئے آپ نے بادشاہ کو بطور یاد دہانی کہلا بھیجا کہ آپ وہ معاف فرما دیجئے۔ بادشاہ نے کہا جب تک آپ کا میری لڑکی کے ساتھ اجتماع نہ ہوگا میں معاف نہ کروں گا۔ آخر کار شب ہوئی اور ادھم اپنی بیوی کے ساتھ اجتماع پر مجبور ہوئے۔ آپ نے غسل کیا۔ نماز پڑھی اور ایک چیخ مار کر مصلے پر سجدے میں گر پڑے۔ لوگوں نے دیکھا تو مردہ تھے۔ بعد ازاں اس لڑکی سے ابراہیم پیدا ہوئے۔ چونکہ ابراہیم کے نانا (بادشاہ) سے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لئے سلطنت ابراہیم کو ملی۔ آپ کے سلطنت چھوڑنے کا جو واقعہ مشہور ہے اس کی اصل بھی یہی ہے۔

پیالے سے پیالے چمچے سے چمچے بعد ازاں ہم شہر بعلبک پہنچے۔ یہ بہت قدیم اور شام کے اعلیٰ شہروں میں سے ہے یہاں لکڑی کے برتن اور چمچے ایسے بنائے جاتے ہیں کہ جن کی دوسرے شہروں میں نظیر نہیں ملتی۔ میں نے بعض کاریگروں کو اس طرح دیکھا ہے کہ ایک بڑے پیالے میں ایک کے اندر ایک یوں دس پیالیوں کا اس طرح سٹ بناتے ہیں کہ اوپر سے دیکھنے والا ایک پیالہ سمجھتا ہے۔ یہی حال چمچوں کا بھی ہے کہ ایک کے اندر ایک چمچہ کا سیٹ بناتے ہیں کہ وہ بھی اوپر سے دیکھنے میں ایک چمچہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سند کے لئے ایک چمڑے کا غلاف بھی بناتے ہیں جس میں رکھ کر ان سب کو اپنے توشہ دان میں رکھ لیتے ہیں۔ جب دستر خوان بچھا اور سب ساتھی کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں تو اس چمچہ کو نکال کر دستر خوان پر رکھ دیتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اس قدر آدمیوں میں صرف ایک چمچہ رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے جوف سے یکے بعد دیگرے تو چمچے

اور نکلتے ہیں۔ جب میں بعلبک پہنچا تو شام ہوگئی تھی اور دمشق دیکھنے کا اشتیاق زیادہ دامن گیر تھا۔ چنانچہ دوسرے دن ہی دمشق روانہ ہوگیا۔

دمشق میں :۔ نویں رمضان المبارک ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۶ء کو میں شہر دمشق پہنچا اور یہاں مدرسہ مالکیہ جس کا نام شرابشیہ ہے اترا۔ یہ وہ شہر ہے جس کی واقعی خوبیوں کے لحاظ سے جس قدر ثنا و صفت میں مبالغہ کیا جائے وہ ہیچ ہے۔ میری کیا طاقت ہے کہ میں ابن جبیر کے مقابلے میں جو کچھ انہوں نے دمشق کی خوبیوں کے متعلق لکھا ہے کچھ زیادہ بیان کرسکوں وہ کہتے ہیں "دمشق تمام مشرق کی جنت اور نور مشرق کا مطلع ہے۔ اور جہاں تک میں بلاد اسلامیہ کے متعلق جانتا ہوں اس شہر سے بڑھ کر کوئی دوسرا شہر نہیں ہوسکتا۔ اس شہر کی عظمت اس سے اور بھی دوبالا ہوگئی کہ یہاں حضرت عیسیٰؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کا ایک ایسی جگہ پر مقام قیام ہے جو ایک عمدہ شیریں چشمے پر مشتمل ہے اور جس کے ہر چہار اطراف درخت لہلہا رہے ہیں۔

ابن تیمیہ منبر اور خدا دمشق میں حنبلیوں کے فقیہ کبیر تقی الدین ابن تیمیہ ہیں۔ آپ کی نہایت شاندار شخصیت تھی آپ کو بہت سے فنون میں قدرت تکلم بھی لیکن عقل میں کسی قدر فتور آگیا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی ایسا مسئلہ بیان فرمایا جس کی فقہائے وقت نے سخت مخالفت کی۔ اس پر ملک الناصر کی طرف سے احکام جاری ہوئے کہ اپنے متبعین کے ساتھ قاہرہ میں حاضر دربار ہوں۔ قاضی القضاۃ نے ابن تیمیہ سے فرمایا کہ آپ اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب میں عرض کیا کہ لا الہ الا اللہ۔ قاضی القضاۃ نے انہیں قید خانے بھیج دیا۔ ایک مرتبہ ابن تیمیہ کی والدہ ملک الناصر کے دربار میں تشریف لائیں اور آپنے اپنے بیٹے کی رہائی کے متعلق عرض کی ملک الناصر نے آپ کو رہا کردیا۔ مگر رہائی کے بعد آپ سے پھر وہی مختلف فیہ باتیں سرزد ہوئیں۔ جب یہ دوسرا واقعہ سرزد ہوا تو میں دمشق میں تھا۔ اس کا بیان کردینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ میں ابن تیمیہ کے پاس جمعہ کے دن گیا۔ آپ جامع دمشق میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا اس میں یہ بھی تھا کہ اللہ برتر آسمان سے دنیا پر اس طرح اترتا ہے جس طرح یہ دیکھو میں یہ منبر سے اترتا ہوں۔ اور ایک زینہ اتر کر بتایا۔ اس پر ایک مالکی فقیہ سے جس کا نام ابن الزہرا تھا نہ رہا گیا اور آپ کے قول کی زبردست مخالفت کی۔ تمام سامعین بے چارے اس فقیہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے اس قدر تھپڑوں گھونسوں اور جوتوں سے پیٹا کہ اس کا عمامہ گر پڑا۔ اور سر پر ریشمی ٹوپی دکھائی دی۔ لوگوں نے اس کا استعمال ناجائز قرار دیا اور اس بے چارے کو ابن مسلم قاضی حنابلہ کے گھر پکڑ لے گئے۔ قاضی مذکور نے اسے جیل خانے بھیجنے کا حکم صادر فرمادیا لیکن فقہائے مالکیہ و شافعیہ نے یہ سزا ناجائز تصور کی اور ملک الامرا سیف الدین کی عدالت میں اس کا اپیل دائر کیا۔ امیر مذکور بہت نیکوکار اور صالح امراء میں سے تھا۔ اس نے ملک الناصر کے حضور میں اس امر سے متعلق ایک تحریر بھی اور ابن تیمیہ کے امور منکرہ کے متعلق ایک صورت حال مکمل گواہی بھی مرتب کی۔ ملک مذکور نے ملاحظہ فرمانے کے بعد ابن تیمیہ کے قلعے میں قید رہنے کے متعلق احکام صادر فرمائے۔

ہابیل کی قتل گاہ :۔ دمشق کے شمال میں ایک پہاڑ ہے اس کا نام قاسیون ہے۔ اس پہاڑ پر زیادت گاہوں میں سے دوسرے بڑا پہاڑ بھی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ یہ غار تنگ شکل کا ہے۔ یہ وہی غار ہے جس

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، آفتاب ماہتاب کو دیکھا تھا۔ میں بلاد عراق میں ایک موضع میں گیا ہوں جو مستقبل اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت گاہ ہے۔ یہاں کے مشاہیر میں سے مغرب کی طرف مغارۃ الدم (خون کا غار) اور اس سے اوپر کی طرف ہابیل ابن آدم علیہ السلام کا خون ہے جس کے سرخ رنگ کا اثر اللہ نے ایک پتھر پر باقی رکھا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ان کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا اور اسی غار میں گھسیٹ کر ڈال دیا تھا۔

کوہ قاسیون کے قریب ایک چھوٹی سی متبرک پہاڑی ہے۔ یہ پہاڑ حضرت عیسیٰ اور آپ کی والدہ کے رہنے کا مقام تھا۔ اس مقام سے زیادہ خوش منظر اور قابل سیر دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ جو مقام ان دونوں ماں بیٹوں کے رہنے کا تھا وہ ایک چھوٹا سا غار ہے جس کے وسط میں ایک چھوٹا سا حجرہ بنا ہے۔ دمشق میں ایک موضع موسوم بہ "بیت الالٰھیۃ" ہے اس میں ایک گرجا بھی تھا، کہتے ہیں کہ آزر اس گرجہ میں پتھر کے بت تراشا کرتا تھا جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام توڑ ڈالتے تھے۔

دمشق میں فنڈ یا وقف — دمشق میں اوقاف کے اقسام اور مصارف کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے مشکل ہے بعض اوقاف ان غربا اور مساکین کے لئے ہے جو مفلسی کے باعث اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کر سکتے ان اوقاف کے مصارف پر ان کے نکاح کا بندوبست اور سامان جہیز وغیرہ موقوف ہے۔ بعض اوقاف قیدیوں کے آزاد کرنے کے لئے ہیں کہ وہ اس مصرف میں آئیں بعض مسافروں کے لئے ہیں جن سے انہیں کھانا کپڑا اور زاد راہ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقاف سڑکوں اور پٹریوں کو درست کرنے کیلئے ہیں۔ دمشق کے راستے ایسے ہیں کہ داہنے اور بائیں پٹریاں پیدل چلنے والوں کے لئے ہیں اور بیچ میں سواروں کے پیدل چلنے کا راستہ ہے۔ ان کے ماسوا اور بھی بہت سے اوقاف ہیں۔

عراق میں آگ پر وجد — جب ہم شہر واسط (عراق) میں اترے تو یہاں احمد الرفاعی کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے یہ ایک بہت بڑی رباط ہے جس میں ہزاروں فقرا رہتے ہیں۔ جب نماز عصر ہو چکی تو نقارے اور دف بجائے گئے اور فقرا پر کیفیت وجد طاری ہوئی پھر انہوں نے نماز مغرب ادا کی اور دسترخوان چنا گیا۔ لوگوں نے کھانا کھایا اور نماز عشاء ادا کر کے فارغ ہوئے اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے گانا شروع ہوا بوجھوں لکڑیاں لا کر ڈالی گئیں اور ان میں آگ لگا دی گئی اور فقرا اس کے وسط میں گھس کر رقص وجد میں مشغول ہوئے بعض فقرا تو آگ میں لوٹتے تھے اور بعض انگارے کھاتے تھے حتیٰ کہ ساری آگ بجھ گئی۔ ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو زندہ سانپ کو پکڑ کر دانتوں سے اس کا سر کاٹتے ہیں حتیٰ کہ علحدہ کر دیتے ہیں۔

امروہہ کے قریب حیدریہ فقیروں کا گروہ — ایک مرتبہ ہندوستان میں ایک مقام پر جس کا نام افغان پور اور مضافات امروہہ میں سے ہے نیز اس کے اور دارالسلطنت ہند کے درمیان پانچ منزل کی مسافت ہے میرا گزر ہوا۔ یہ برشگال کا موسم تھا۔ یہاں میں فقرا کی ایک جماعت ملی جو اپنے گلے میں لوہے کا طوق اور ہاتھوں میں کڑے ڈالے ہوئے تھے یہ لوگ "حیدریہ" گروہ کے تھے۔ ان کے سرگروہ نے ہم سے کہا کہ آپ کچھ لکڑیاں منگوا دیں تاکہ رقص وجد کے وقت جلائی جائیں۔ میں نے یہاں کے حاکم سے جس کا نام

عزیز اور لقب خمار تھا کہا کہ لکڑیاں منگوا دیجئے۔ ان فقرا نے نماز عشاء آخرہ کے بعد ان لکڑیوں میں آگ لگا دی حتیٰ کہ سب جل کر آگ کے انگارے ہوگئے اور گانا بجنے لگا۔ وہ لوگ اس آگ میں گھس گئے اور برابر بحالت وجد میں ناچتے اور آگ پر لوٹتے رہے۔ ان کے مرگروہ نے ایک کرتا مانگا۔ اسے میں نے ایک نہایت باریک کرتا نکال کر دیا۔ وہ اسے پہن کر آگ میں لوٹنے لگا۔ آستین آگ پر مارتا تھا یہاں تک کہ سارے انگارے سرد ہوگئے۔ میرے پاس وہ کرتا لایا اس میں کہیں ذرہ برابر بھی آگ کا اثر نہ تھا۔

مسجد علی کا لرزاں مینار — جب میں زیارت سے فارغ ہوا تو شہر واسط واپس آیا۔ یہاں سے کوچ کر کے شہر بصرہ میں داخل ہوگئے۔ یہاں ہم مالک ابن دینار کی رباط میں اترے جب میں مقام مذکور میں واپس آیا تو تقریباً دس میل تک قلعے کے مشابہ ایک عالی شان عمارت نظر آئی۔ میں نے اس کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مسجد ہے۔ یہ مسجد سب سے اچھی مساجد میں سے ہے۔ اس میں وہ قرآن کریم رکھا ہوا ہے جسے پڑھتے وقت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے تھے۔ اور اس ورق پر خون کا متغیر نشان بھی ہے جس میں اللہ کا یہ قول ہے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اس مسجد کے سات مینار ہیں ان میں سے ایک مینار کے متعلق یہ مشہور ہے کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لینے سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ میں اس پر مسجد کی اعلیٰ چھت سے چڑھا۔ بعض اہل بصرہ بھی میرے ساتھ تھے۔ اس کے کھمبوں میں سے ایک کھمبے میں لکڑی کا قبضہ کیلوں سے ایسا جڑا ہوا ہے اور جوڑ ایسا چسپاں تھا کہ ہلانے سے بالکل نہ ہلتا تھا۔ کھڑکھڑاہٹ تو کیا معنی۔ ایک شخص جو میرے ساتھ تھا اس قبضہ میں ہاتھ ڈالا اور کہا کہ سر مبارک امیر المومنین علیؓ کے طفیل ہل۔ اس پر اس قبضے نے جنبش کھائی اور مینار مذکور بھی حرارت میں آگیا۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ قبضہ میں ڈالا اور کہا میں کہتا ہوں اسم مبارک ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ کے طفیل سے ہل اور قبضہ کو ہلایا اس پر بھی مینار حرکت میں آگیا۔ لوگوں کو اس واقعہ سے بڑا ہی تعجب ہوا۔

(عالمی ڈائجسٹ)

بقیہ لمعات بدریہ ص ۳۳

جواب ۱۴

اس کی قربانی جائز اور صحیح ہوئی۔ اگر مساکین اور قرابت مندوں میں تقسیم نہ کیا تو مساکین کے اطعام کے ثواب سے محروم رہا۔ قربانی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ ایک گائے کا کل گوشت اپنے مصرف میں اکیلے نہیں لا سکتا۔ تو اپنے مصرف میں لانے سے مراد خود کھانا یا کہ اپنے اہل وعیال کو کھلانا ہے تو اس کا ثواب بھی ملے گا۔ حدیث میں اپنے اہل و اولاد کو کھلانا بھی صدقہ میں داخل ہے۔

محمد بدر الدین پھلواری

افادات

لمعات بدریہ

از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین قادری پھلواروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

سوال ۱

ہمارے یہاں مروج ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکایا جاتا ہے کہ جس میں عموماً غرباء و رؤسا ہر قسم کے لوگ دعوت میں شریک ہوتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو محض غرباء مساکین ہی کے لئے یا اہل نصاب و غنی مالداروں کے لئے بھی۔ بینوا توجروا۔

جواب ۱

جائز ہے۔ فقراء اور مساکین پر وہ صدقہ ہے اور اغنیاء کی وہ دعوت ہے۔ کھلانے والے کو ان سبھوں کے کھلانے کا ثواب حاصل ہوگا۔ فقراء و مساکین کھائیں یا اغنیاء اس دعوت میں اگر محض نیت خیر ہے یعنی میت کی روح کو ہدیہ کرنے کی نیت ہے تو میت کو ثواب کامل ملے گا۔ اور اگر نمائش اور فخر کی نیت سے ہوگا تو ناقص ہوگا۔

سوال ۲

اور یہ قول طعام المیت یمیت قلوب بکمر یہ حدیث ہے یا مقولہ بزرگان دین اور حکم اس مقولہ کا ہر خاص و عام کے لئے ہے یا فقط خاص لوگوں کے لئے۔

جواب ۲

طعام المیت یمیت قلوب بکمر حدیث نہیں ہے۔ اور یہ طعام المیت وہ کھانا نہیں ہے۔ جو میت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے

لوگوں کو کھلایا جاتا ہے۔ طعام المیت اس کو کہتے ہیں کہ جس کے گھر موت واقع ہونے کے سبب سے کھانا پکانے کا اہتمام میت کے دفن تک نہیں ہوتا اور اہل قرابت یا کوئی دوست ہمدردی سے اہل میت کے گھر کھانا بھیج دیتا ہے۔ ہم لوگوں کی بول چال میں اس کو بھاتی کہتے ہیں۔ اس کھانے کو میت کے گھر رہنے والوں کے سوا کسی دوسرے کو کھانا نہیں چاہئے۔ یہ غمزدوں کے کھانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک ہوکر کھاتے تو صریح بے غیرتی ہے۔ اور کھا لینے کے بعد کھانے والے کے دل میں سختی اور قساوت کچھ اور بھی مزد بڑھ جائے گی۔ اسی معنی میں بعض فقہائے کہاہے طعام المیت یمیت القلب اور یہ عام وخاص سب کو شامل ہے یعنی عام وخاص کسی کو کھانا نہیں چاہئے مجموعہ زبدۃ النصائح فی المسائل الذبائح میں مولوی برہان الدین مرحوم اپنے رسالہ میں مسئلہ نذر کے بیان کے تحت میں لکھتے ہیں۔ پس آنچہ برائے اہل وعیال میت پزند مخصوص بایشان واند غیر ایشان را مباح نباشد۔

سوال ۳

اور یہ حدیث بخاری شریف کے اندر نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المیت یہ نہی کیسی ہے اور کن لوگوں کے لئے۔ بینوا توجروا۔

جواب ۳

یہ نہ صحیح بخاری میں ہم کو ملی نہ کسی دوسری کتاب میں۔ جس نے اس کو صحیح بخاری کی حدیث بتایا ہے اس سے پوچھنا چاہیے کہ بخاری کی کس باب میں ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی حدیث نہیں ہے۔ جس طرح ملا والا جملہ حدیث نہیں ہے

سوال ۴

اگر ایصال ثواب کے لیے مثلاً ایک من چاول پکانا ہے جس میں غربا و مساکین مخصوص ہیں لیکن اس میں اور ایک من چاول کا اضافہ کیا جائے کہ برادران واقربا جو اہل دولت واہل نصاب ہیں مخصوص ہیں تو گویا دو من چاول دو نیت سے شامل پکایا گیا تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

جواب ۴

اس طرح مخلوط پکانے میں کوئی نقصان نہیں۔ فقراء کو کھلانا جس طرح موجب ثواب ہے۔ دوستان اور اہل قرابت مستطیع کو کھلانا بھی موجب ثواب ہے۔ اس لئے کہ دولت مند اہل قرابت اور دولت اور شناسا غیر شناسا جس کسی کو محبت ایمانی واسلامی سے کھلایا جائے احسان ہے داخل حسنات ہے۔ اور ہر حسنہ اور خیر یعنی نیکی کا ثواب خدائے کریم کے نزدیک ہے۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ	اور جو عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو اسے خدا کے یہاں بہتر
عند اللہ ھو خیرا واعظم اجرا	بزرگ تر جزا پاؤ گے۔

پھر کرنیکی ضائع نہیں ہوتی ہے ۔

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

خدا اجر کو نیک کاروں کے ضائع نہیں کرتا ۔ یعنی اجر ضرور دیتا ہے ۔

بلکہ اس کی نیکی سے بہتر صلہ ملے گا ۔

من جاء بالحسنۃ فلہٗ خیر منھا

جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر اجر ہے ۔

مولوی برہان الدین مرحوم کے رسالہ مذکور میں ہے ۔

آنچہ بر نیت تصدق بر فقراء نباشد ہدیہ مر اغنیا را ۔ آنچہ بر نیت ضیافت مسلمین پزند خوردن او غنی و فقراء را رواست چنانچہ درد اعراس مشائخ ہند متعارف است ۔

جو فقراء پر تصدق کی نیت سے نہ ہو اغنیاء پر ہدیہ ہوگا ۔ جو چیز ضیافت مسلمین کی نیت سے پکوائیں اس کا کھانا غنی اور فقیر دونوں کے لئے جائز ہے جیسا کہ ہندوستان کے مشائخ کے عرسوں میں معمول ہے ۔

اور اسی رسالہ میں ایک جگہ اور بھی لکھتے ہیں ۔

اگر گوئی ہبہ بفقراء موجب ثواب است البتہ نہ با غنیا ر بس صرف آن با دولت مندان تضیع است بمردہ از وچہ فائدہ باشد ۔

اگر تم کہو گے کہ فقیروں کو ہبہ کرنا البتہ باعث ثواب ہے نہ کہ مالداروں کو ۔ بس مالداروں کی (ضیافت) میں اس کا خرچ کرنا ضائع کرنا ہے ۔ میت کو اس سے کیا فائدہ ہوگا ۔

گویم ہدیہ بہ نیت للہ با غنیا ہم موجب ثواب است تخصیص بفقراء نیست کذا فی الھدایہ

میں تو کہتا ہوں اللہ کے لئے خلوص نیت سے مالداروں کو ہدیہ دینا بھی باعث ثواب ہے ۔ فقراء کی خصوصیت نہیں ہے ایسا ہی ہدایہ میں ہے ۔

مسئلہ اگر کسے بہ نیت خود نذر مقرر نکردہ است اما تبرعا برائے فاتحہ میت ماکولات بہم رسانیدہ بس ہر قدر کہ خود مع عیال خورد ۔ ثوابش بمیت نخواہد رسید ۔ گر مواخذہ آن بذمتاں کس نیست و دادن آن با غنیا ہم جائز

مسئلہ :- اگر کسی نے اپنی نیت میں نذر نہیں کی ہو لیکن بنظر ثواب میت کے فاتحہ کے لئے کھانے کی چیزیں مہیا کی ہے تو جس قدر وہ خود اور اس کے عیال کھائیں گے اس قدر کا ثواب میت کو نہ پہنچے گا ۔ مگر اس کا مواخذہ اس شخص کے ذمہ نہ ہوگا (کہ کیوں کھایا) اور اسی کھانے کو اغنیاء کو دینا بھی جائز ہے ۔

ان کا یہ قول "کہ بس ہر قدر کہ خود مع عیال خورد ثوابش بمیت نخواہد رسید" میرے نزدیک جس قدر وہ خود کھائے گا اس کا ثواب تو یقیناً میت کو نہ پہنچے گا ۔ اس لئے کہ ثواب کھلانے اور پلانے کا ہے ۔ نہ کہ اپنے کھانے کا ۔ لیکن اپنی بیوی اور چھوٹے بچوں کو ایصال ثواب والے ماکولات میں سے جس قدر کھلائے گا اگر اس کی نیت میں اہل و اولاد کے کھلانے کا بھی ثواب پہنچانا ہو تو

اس کا ثواب بھی میت کو پہنچے گا اس لئے کہ بیوی اور اپنے لڑکوں کو کھلانا بھی موجب ثواب ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً۔

قال اذا انفق المسلم نفقة على اهله وهو يحتسبها كانت له صدقة — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنے اہل پر نفقہ کرے اس حال میں کہ وہ نفقہ خدا کی خوشنودی میں ہو تو اس کو صدقہ یعنی خیرات کا ثواب ہے۔

دوسری حدیث (جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ہے) کا آخری ٹکڑہ یہ ہے۔

ومہما انفقت فهو لك صدقة حتى اللقمة ترفعها في في امرأتك۔ — اور جب تو خرچ کرے گا تو وہ تیرے لئے صدقہ یعنی موجب ثواب ہے یہاں تک کہ تو لقمہ اٹھائے گا اپنی بیوی کے منہ میں دینے کو وہ بھی موجب ثواب ہے۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت دوسرے مقام میں ان الفاظ سے ہے۔

وانك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا اجرت بها حتى ما تجعل في في امرأتك — بیشک تو ہرگز نہ خرچ کرے گا ایسا نفقہ کہ اس سے خدا کی خوشنودی چاہتا ہے مگر اس کی وجہ سے اجر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں کھلانے کا بھی اجر ہے۔

اگر اس میں نیت خیر ہو انما الاعمال بالنیات

المجیب محمد بدرالدین الفلواری

سوال ۱

بکر تاریخ ۱۰ ذی الحجہ۔ زید ۱۱ ذی الحجہ اور عمر ۱۲ ذی الحجہ کو قربانی کیا۔ دریافت طلب ہے کہ ثواب قربانی تینوں اشخاص کو سولہ سولہ آنے گا یا کچھ کم و بیش۔ یعنی بکر کو ثواب زیادہ ہوگا یا نہیں۔ کیونکہ اسی نے اس روز یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کی اور چونکہ زید نے دوسرے روز کی اس لئے زید کو سولہ آنہ سے کم یعنی بارہ آنہ پائے گا۔ اور چونکہ عمر نے تیسرے روز کی اس لئے اس کو ہشت آنہ ملے گا۔ حدیث یا فقہ سے جواب زیب قلم فرمائیں اور کس کو فضیلت ہے۔

سوال ۲

بکر نے جو مالدار ہے کل گوشت قربانی کا اپنے اور اپنی اولاد کی مصرف میں لایا زید نصف گوشت اپنے اور اپنے اہل کے مصرف میں لایا اور نصف مساکین کو تقسیم کر دیا۔ عمر نے قربانی کے گوشت کو تین ثلث کر کے ایک ثلث اپنے مصرف میں لایا اور ایک ثلث قرابت مندوں کو دیا اور ایک ثلث مساکین کو دیا۔ یہ امر دریافت طلب ہے کہ بکر زید عمر تینوں کی قربانی ہوئی یا نہیں اور ثواب تینوں کو حسبِ سولہ آنہ قربانی کرنے کا ہوگا یا کم و بیش۔ عاجز کی رائے ناقص یہ ہے کہ ثواب قربانیوں کے تینوں کو برابر ملے گا۔ مگر عمر نے خود کھایا اور عزیز

و مساکین کو کھلایا کھانے کو سولہ آنہ قربانی اور دو آنہ ثواب سخاوت کا جو تقسیم کرنا مستحب ہے جدا اٹھارہ آنہ ملے گا۔ یا تینوں کو برابر جو حدیث یا فقہ سے ثابت ہو زیر قلم کیا جائے ۔

سوال ۳

مال زکوٰۃ سے امام مسجد یا موذن مسجد کو مشاہرہ دے سکتے ہیں یا نہیں اور مال زکوٰۃ سے ملازمین کو جن کو ان کا مشاہرہ اپنے اہل و عیال کے لئے کافی نہیں ہے، دینا جائز ہے یا نہیں اور وہ محتاج میں داخل ہیں یا نہیں ۔ ہر مسئلہ کا جواب باثبات حدیث و فقہ بمفاد اصلی عربیہ بذا ممتاز فرمائیں ۔

سوال ۴

زید مالدار ہے اور وہ پانچ اولاد رکھتا ہے ۔ اور ہر ایک للہ زوجہ اور خود اس نے ساتوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی اور مسلم گوشت اپنے مصرف میں لایا مساکین اور اقربا کو کچھ نہیں تقسیم کیا ۔ ایسی حالت میں قربانی جائز ہوگی یا نہیں ۔

۳۰ر ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

جواب ۱

سب کو برابر ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر تینوں دن قربانی کے شارع نے مقرر کیا ہے ۔ تو ان تین دنوں میں سے جو شخص جس دن قربانی کرے گا قربانی کرنے کا ثواب کامل پائے گا ۔ البتہ جس نے دسویں کو صبح سے امساک کیا ہو اور نماز عید الضحیٰ کے بعد اس دن قربانی کی ہو اور اپنے قربانی کئے ہوئے جانور کے گوشت یا کلیجی وغیرہ کھا کر امساک توڑا ہو تو اس کو امساک کا ثواب بھی ملے گا اس لئے کہ یہ سنت ہے ۔ اور جو شخص ۱۰ر کو قربانی کرے لیکن امساک نہ کرے تو اس کو قربانی کا ثواب تو کامل ملے گا لیکن امساک جو کہ سنت ہے اس کے ثواب سے محروم رہے گا ۔ ۱۱ر اور ۱۲ر کو قربانی کرنے والے کے لئے امساک سنت نہیں ہے ۔ حدیث یا فقہ کی کتاب کی عبارت لکھنے کی گنجائش نہیں ۔

جواب ۲

قربانی کرنے کا ثواب تینوں کو کامل اور برابر ملے گا ۔ قربانی تینوں کی ہوگئی اور صحیح ہوئی ۔ قرابت مندوں اور مساکین میں گوشت تقسیم کرنے کا ثواب ایک جداگانہ چیز ہے ۔ اس کا ثواب جدا ہے ۔ جو شخص جتنا زیادہ گوشت تقسیم کرے گا اس کو اسی انداز سے اطعام کا زیادہ ثواب ملے گا ۔ جو کم تقسیم کرے گا اس کو اسی انداز سے کم لیکن قربانی کے ثواب میں کمی بیشی نہیں ہوگی ۔

جواب ۳

امام مسجد یا موذن مسجد کے پاس اگر بقدر نصاب زکوٰۃ کے سونا یا چاندی یا سکہ نہ ہو تو وہ فقیر اور مسکین کے حکم میں ہے اس کو زکوٰۃ کا روپیہ یا غلہ دینا جائز ہے اور وہ اس کا مستحق ہے ۔

(بقیہ صفحہ ۳۸ پر)

بابُ التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محل لکھنؤ)

(۴۲)

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تشریح مثال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفع مندی و برقراری میں حق کی مثال پانی سے دی ہے، جو نفع پہنچانے والا اور جوہر ارضی (سونا، چاندی، تانبا، پیتل، لوہا وغیرہ) سے تمثیل بیان کی ہے جس سے مختلف سامان اور زیورات بنانے میں لوگ نفع حاصل کرتے ہیں اور ناکارہ ہونے نیز جلد زائل ہو جانے میں باطل کی مثال جھاگ سے دی ہے، جو ضائع اور جلد زائل ہو جاتا ہے اور معدنیات کے میل کچیل سے مماثلت دی ہے۔ جبکہ ان کو پگھلانے پر یہ میل کچیل ان کے اوپر آ کر دور ہو جاتا ہے پس جس طرح پانی کا جھاگ پانی کے اوپر اور میل کچیل معدنیات کے اوپر ہوتا ہے، پھر وہ زائل و دفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض حالات میں باطل حق کے اوپر (غالب) ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے اور حق و اہل حق کا انجام پسندیدہ و لائق ستائش بنا کر باطل کو ناکارہ کر دیتا ہے اور ان دونوں حق اور پانی و معدنیات کے درمیان وجہ مشابہت نافع و مقبول ہو کر برقرار رہنا اور باطل، جھاگ و میل کچیل کے درمیان وجہ مماثلت ناکارہ و مطرود ہو کر زائل ہو جاتا ہے پس جس طرح جھاگ زائل ہو جاتا ہے اور اس کے زائل کے بعد بھی جھاگ والی چیزیں (پانی، سونا، چاندی وغیرہ) صاف ستھری ہو کر باقی رہتی ہیں۔ اسی طرح باطل دفع ہو جانے کے بعد صاف و شفاف ہو کر حق برقرار رہتا ہے (۱)

(۲) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثال حق و اہل حق، باطل و اہل باطل دونوں کی ہے۔ پس حق و اہل حق کی مثال اس پانی سے دی ہے جو آسمان سے برستا اور وادیوں میں بہتا ہے اور اس کے ذریعہ لوگ زندہ رہتے ہیں اور انہیں مختلف منافع اس سے پہنچتے ہیں اور ان معدنیات سے تمثیل دی ہے۔ جس سے لوگ زیورات اور مختلف ظروف و آلات بنانے میں نفع اٹھاتے ہیں اور وہ پانی زمین میں ٹھہرا رہتا ہے

---

(۱) روح البیان

اور ان کا میل کچیل چھانٹ کر علیحدہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو اہل ایمان ہیں وہ زمانہ دراز تک برقرار رہتے ہیں اور باطل و اہل باطل کی تشبیہ اس کے جلد کمزور اور فوری زائل ہو جانے میں سیل کی جھاگ اور معدنیات کے میل کچیل سے دی ہے، جو ان کے پگھلانے سے ان کے اوپر آ کر زائل ہو جاتا ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔

(۳) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثال قرآن، قلوب، حق، اور باطل کی بیان فرمائی ہے پس پانی سے مراد قرآن ہے، جو دلوں کی زندگی کے لئے اسی طرح اتارا گیا ہے، جس طرح پانی بدنوں کی زندگی کے لئے اور وادیوں سے مراد قلوب ہیں اور ان کی مقدار سے دلوں کی وسعت و تنگی کی مقدار مراد ہے اور زبد (جھاگ) کے معنی ہوا جس نفسانی اور وساوس شیطانی ہیں اور صاف و شفاف پانی جس سے نفع اٹھایا جا سکے، مثل حق کے ہے۔ پس جس طرح جھاگ باطل و ناکارہ ہو کر دور ہو جاتا ہے اور صاف شفاف پانی رہ جاتا ہے اسی طرح ہوا جس نفسانی و وساوس شیطانی دور ہو جاتے ہیں اور حق اپنی اصلی حالت پر رہ جاتا ہے اور سونے و چاندی کے زیورات اعمال صنیعہ و اخلاق ذکیہ کی مانند ہیں اور تانبے، پیتل، لوہے، وغیرہ کا سامان یا اعمال صالحہ کے مانند ہیں، جو اخلاص پر مبنی اور بھلائی کا سبب ہیں۔ کیونکہ اعمال ایک طرف جلب و حصول ثواب کا ذریعہ ہیں۔ دوسری طرف دفع عقاب و دفع عذاب کا وسیلہ ہیں جیسا کہ ان جواہر ارضی میں سے بعض کسب معاش میں نفع کا ذریعہ اور بعض جنگ کے مواقع پر دفعیہ کا آلہ ہیں اور جھاگ ریا اور خلل خاطری و کسل ہے (۱)

(۴) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثال مومن اور اس کے عقائد و ایمان سے اس کے نفع اٹھانے کی ہے، جو اس صاف شفاف پانی کے مثل ہے جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کافر اس کے خبث اعتقاد کی مثال جھاگ کی مانند ہے جس سے کچھ بھی نفع نہیں اٹھایا جاتا۔

(۵) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثال اللہ نے اس نور کی بیان کی ہے، جو قلوب عباد میں اس تقسیم کے مطابق حاصل ہوتا ہے جو ازل میں بانٹا گیا تھا کیونکہ وادی جب بہ اٹھتی ہے، تو اس میں جس قدر نجاستیں اور کوڑا کرکٹ ہوتا ہے۔ اسے بہا دیا کرتی ہے اسی طرح جب بندہ کے دل کی وادی اس نور سے بہا اٹھتی ہے، جو اس کے لئے ایمان و معرفت کے بقدر تقسیم ہوا تھا، تو اس میں جو غفلت و ظلمت ہوتی ہے، وہ بہہ جاتی ہے اور فاما الزبد فیذھب جفاء یعنی جھاگ باطل ہو کر دور ہو جاتا ہے اور نفع بخش پانی زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطل یعنی اخلاق ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں اور حقائق حمیدہ برقرار رہتے ہیں (۲)۔

ان تمام توجہات سے نتیجہ یہی اخذ کیا جاتا ہے کہ ہر چیز حق اور شر باطل ہے اور خیر و شر کی باہمی نزاع کا آخری نتیجہ و انجام خیر کی فتح اور شر کی شکست ہی ظاہر ہوتا ہے اور یہ قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ قرآن حکیم صراحت فرماتا ہے:۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیاء ۱۷)	بلکہ ہم (اس) حق کو (اس) باطل پر مار دیتے ہیں، تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ پھر فوراً ہی (اچانک) وہ (باطل) نابود ہو جاتا ہے۔

(۱) مدارک النسفی (۲) لباب التاویل خازن

یہاں الحق عام ہے جس میں توحید، کلام اور ایمان و قرآن داخل ہیں اور باطل حق کی نقیض ہے۔ جس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کو ثبات و قرار نہ ہو اور اس میں ہر لہو اور کفر اور دوسرے اباطیل شامل ہیں۔ پس معنی یہ ہیں کہ بلکہ ہماری شان یہ ہے کہ ہم حق کو باطل پر مار دیتے ہیں، تو وہ باطل کو ہلاک کر دیتا ہے اور اچانک باطل کلیتہً معدوم ہو جاتا ہے۔

مراتب حق

صاحب تاویلات نجمیہ کہتے ہیں کہ حق کے تین مراتب ہیں:-

(۱) مرتبہ افعال جس سے مراد وہ افعال ہیں، جن کا حکم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔

(۲) مرتبہ صفات (۳) مرتبہ ذات،

اسی طرح باطل کے بھی تین مراتب ہیں:-

(۱) مرتبہ افعال جس سے مراد وہ افعال ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے

(۲) مرتبہ صفات۔

(۳) مرتبہ ذات، اس تشریح کے پیش نظر اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم مرتبہ افعال سے افعال باطل کو مارتے ہیں تو وہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے اور جب صفات حق کی تجلی سے صفات باطل پر چوٹ دیتے ہیں، تو وہ انہیں کچل دیتی ہے اور جب ذات حق کی تجلی سے باطل ذاتوں کو ہلاک کرتے ہیں، تو وہ کلیتہً معدوم ہو جاتی ہیں۔ جب کہ ارشاد الٰہی ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے، سوا ذات الوہیت کے) اور قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (آپ فرما دیں کہ حق آ پہنچا اور باطل کلیتہً معدوم ہو گیا)۔ اس پر دلالت کرتا ہے، اس تقریر سے یہ دقیقہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ جس نے انا الحق کہا تھا، اس کی ذات باطل کو ذات حق یا اس کی صفت حقیہ کی تجلی نے ضرب لگا دی اور جب اس کی ذات باطل حق کے ظاہر ہو جانے سے معدوم ہو گئی، تو حق نے اپنی ذات سے اس زبان کے ذریعہ جو صفت حق سے متصف تھی خبر دی اور کہا انا الحق

مغربی قدس سرہٗ کہتے ہیں:-

نا مرد منصور می گوید انا الحقُّ المبین
بشنو از نا مرد کہ آں گفتار از منصور نیست

مقامات فقر وسلوک

انہی مراتب کی بنا پر فقر وسلوک کے بھی تین مرتبے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ فنا فی الافعال، جو اس امر سے عبارت ہے کہ سالک اپنی اور دوسروں کے تمام حرکات و سکنات اور اعمال و افعال جن کو اپنے اور دوسروں کی جانب منسوب کرتا تھا اور اپنے اور دوسروں کے اختیار سے اُن کا صدور جانتا تھا انہیں اپنے اور تمام عالم کے اختیار سے خارج جان کر حق کی طرف نسبت دے اور انہیں حق کی جانب سے جانے اور اپنے افعال کو اپنے ہاتھوں صادر ہونا ویسے ہی جانے جیسے غسال کے ہاتھوں جسم مردہ کی حرکتیں اور کسی چیز و حرکت کو غیر خدا کی طرف نسبت نہ دے کہ طائفہ متصوفین کے نزدیک شرک و کفر ہے۔ دوسرے فنا فی الصفات جو عبارت ہے اس امر سے

کہ سالک اپنی اور دوسروں کی تمام صفات علم و قدرت، مشیت و ارادت، دیکھنا و سننا، کلام وغیرہ جن کو اپنی اور دوسروں کی صفت جانتا اور اپنی و دوسروں کی طرف نسبت کرتا تھا ان سب کو حق کی طرف نسبت کرے اور صفت حق جانے ہرگز اپنی اور دوسروں کی جانب منسوب نہ کرے کہ یہ اہل تصوف کے نزدیک شرک و کفر عظیم ہے۔ تیسرے "فنا فی الذات" جو عبارت ہے اس امر سے کہ سالک اپنی ذات اور تمام عالم کو ذات حق ہی دیکھے اور جانے جنہیں پہلے جانتا تھا کہ میں، میں ہوں اور عالم عالم ہے۔ اب تحقیق جانے اور تصور کرے کہ حضرت حق تعالیٰ مرتبہ اطلاق سے ان مختلف و متنوع شکلوں اور صورتوں میں نزول فرمایا ہے اور سب کچھ وہی حق ہے اور اس کا غیر موجود نہیں اس مقام کی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا کہ میں بھی حق ہوں، جو اس صورت میں ظاہر ہوا ہوں، پس تحقیق اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ یعنی جب تک میں تھا، میں نے حق کو نہیں پہچانا پھر جب میں نے خود کو جان لیا اور خودی سے گذر گیا، تو حق حق پہچان لیا۱؎۔

ایک شبہہ اور اُس کا جواب یہاں یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ ارباب تصوف کا یہ قول اتحادیہ کے عقیدۂ فاسدہ سے ماخوذ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حق عین عبد ہے اور اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی کی صورت میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہوئے اور جب جسم نورانی و روحانی اپنی شکل و صورت چھوڑ کر مظہر بشر بن کر ظاہر ہو سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس بات پر زیادہ قادر ہے کہ وہ صورت کلی کے وجود میں یا اُس کے بعض کے ساتھ ظہور فرمائے۔

اس عقیدہ کا باطل ہونا ظاہر ہے اور یقیناً ذات الٰہیت اس قسم کے اقوال و عقائد سے منزہ اور پاک ہے۔ اس کے بطلان پر دلائل کتب کلام میں مذکور ہیں جن کے ذکر کا یہ محل نہیں، صرف اتنا عرض کر دینا ناگزیر ہے کہ ارباب تصوف کے فنا فی الصفات اور فنا فی الذات کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ انسان عین تعالیٰ ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کثرت طاعت و شدت ریاضت کے باعث اس کے افعال و صفات حق کا جامہ پہن لیتے ہیں اور اس کی صفات بشریہ باطلہ فنا ہو کر صفات حقیہ شہود دیا جاتی ہیں کہ اب اس سے کوئی فعل و قول خلاف مرضی الٰہی نہیں صادر ہو سکتا اور خوارق عادات کا حامل بن جاتا ہے۔ پھر اس کا وجود فانی اپنی اصل میں جو وجود حق ہے۔ کلیتہً فنا اور بقاء دوام سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف اس حدیث قدسی میں اشارہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الرقاق باب التواضع میں حضرت ابوہریرۃ سے اور بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

وما یتقرب الیّ عبدی لشیٍٔ احبّ الیّ مما	اور میرا بندہ میرا قرب ایسی چیز سے نہیں حاصل کرتا جو

۱؎ مراتب ثلاثہ توحید از ابوالعلا اکبرآبادی

اُفْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا

....

....

وزاد البیہقی :۔

وَفُؤَادَهُ الَّذِيْ يَعْقِلُ بِهٖ وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَتَكَلَّمُ بِهٖ

میرے تصور میں ہے، اُن فرائض سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے اس پر فرض کئے ہیں اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں پھر جب میں بنا لیتا ہوں، تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کے پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اور بیہقی نے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ :

اور اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اُس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے۔

پیغام

[جناب نثار احمد خاں صاحب، صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کی درخواست پر یہ پیغام جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ اَمَانُ اللہ صاحب، قادری سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ نے بہار اردو کنونشن منعقدہ ۳ و ۴ اپریل کے نام بھیجا

" ایک صدی سے زیادہ عرصہ کی مسلسل جد و جہد کے بعد ملک آزاد ہوا۔ توقع تھی کہ اب ہمارے سروں سے مصائب کے بادل چھٹ جائیں گے اور ہم اپنی حکومت میں چین کی نیند سو سکیں گے۔ مگر افسوس کہ یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ اور روحانی جسمانی اور دماغی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم ان حادثات سے گزر ہی رہے تھے کہ لسانی تعصب نے زبان کا جھگڑا کھڑا دیا اور پورے ملک کی زبان ہندی قرار دیدی گئی۔ حکومت اگر ہندی کے ساتھ اُردو کو بھی سرکاری زبان قرار دیدیتی تو خلفشار یہ انتشار ہرگز وجود میں نہ آتا، جو آج پیدا ہو گیا ہے۔

ہمیں اردو زبان کے معاملہ میں خاموش نہیں رہنا چاہیئے۔ اگر ہمیں زندہ رہنا ہے، تو اپنی زبان کو بھی زندہ رکھنا ہوگا۔

مجھے مسرت ہے کہ ہمارے صوبہ کے اردو دوست پٹنہ میں بہار اسٹیٹ اُردو کنونشن منعقد کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کنونشن کوئی مؤثر طریقہ اختیار کریگا اور ہماری یہ دعا ہے کہ یہ کنونشن کامیاب ہو۔

محمد امان اللہ قادری
پھلواروی

نقد و نظر

(تسنیم جنیدی)

کتاب کا نام :- مناقب شعیب
نام مصنف :- عبد الواسع صدیقی
ضخامت :- ۲۷۲ صفحات
قیمت :- دو روپے ۷۵ پیسے

ملنے کا پتہ :- خانقاہ شیخ پورہ - مونگیر

حضرت مخدوم شعیب مخدوم الملک بہاری قدس سرہما کے ہمجد اور ہم سلسلہ ہونے کے علاوہ حضرت مخدوم الملک اور ملتی شیوخ کے درمیان ناقابل فراموش واسطہ بھی ہیں۔

حضرت مخدوم کی روحانی دستگیری کا ایک دلچسپ واقعہ صاحب تذکرۃ الکرام شاہ ابوالحیوۃ مجرّ پھلواروی شاہ میزی قدس سرہٗ (جد فاسد حضرت فیاض المسلمین مخدوم شاہ محمد بدر الدینؒ نور عالم رسول نما پھلواروی) کے تذکرہ میں پھلواری شریف آنے اور اقامت کرنے کا سبب خود ان کی زبانی تحریر فرماتے ہیں۔

"سبب آمد و رفت در جوع ما بحضرت شیخ العلمین عجیب بود ایامے بر سر کوہ راجہ گیر اقامت داشتم و مشغول لغاب بودم" رجعت عمل شد"

اس رجعت عمل کا اثر یہ ہوا کہ برہنہ کوہ و بیابان میں گھومنے پھرنے لگے۔ دار فتگی اور بے آفاقگی کو کچھ ہی دن گذر رہے تھے۔

"شبے مخدوم شعیب رضی اللہ عنہ را دراں شوریدگی بخواب دیدم درودے بمن آموخت و فرمود اکثار آں کن!" درود شریف کی کثرت اور حضرت مخدوم کی عنایت سے۔ "در عرصہ قلیل تمام ترا فاقہ و از برہنگی بسر آمدم"۔ بات یہیں تک نہیں رہ جاتی۔ بلکہ اسی رجعت عمل کو ذریعہ بنا کر ایک صاحب اجازت بزرگ کا پتہ بتایا جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے۔

"در قصبہ پھلواری نزد شاہ نعمت اللہ حاضر شوی از وے اجازت واشغال ایں درود حاصل کنی"

حضرت شاہ منیری قدس سرہ حضرت مخدوم کے حسب الحکم پھلواری تشریف لائے۔ اور حضرت شیخ العالمین (نبی) قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درود طریقہ کے ورد کی باضابطہ اجازت حاصل فرمائی طریقہ قادریہ دامِ شیہ مجیبیہ کا وارد معمولاتی درود پڑھتے ہیں جو ابتدائی طور پر مبتدی بھی ہے اور منتہی بھی۔

زیر تبصرہ کتاب صاحب مناقب الاصفیا مخدوم شاہ شعیب منیری قدس سرہ کی جامع زندگی کا بیش قیمت مرقع ہے۔ مصنف نے حضرت مخدوم کی صوفیانہ، عالمانہ، عاملانہ، ناصحانہ تقریباً ان کے ہر شعبہ زندگی کو اپنی دیانت داری اور معتبر کتابوں کے حوالے اور متقدم شخصیتوں کے مشورے سے اسے سنوارنے کی بہت حد تک کوشش کی ہے۔

ان محاسن کے باوجود کہیں کہیں تاریخی پس منظر کے کہرے بھی موجود ہیں۔ اگرچہ یہ مناقب کی مقصدیت کو فوت نہیں کرتے۔ تاہم محققین کو تاریخی استفادہ میں اور بھی دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

کتاب کا نام :- تحفۂ عید — مصنف کا نام :- شاہ منظور الرحمٰن اختر کاکوی

صفحات :- ۸

قیمت :- ۲۰ پیسے

عید کی مسرت ہو یا محرم کا غم یہ مسلمانوں کے درمیان ایک مشترک مسئلہ ہے۔ جناب اختر کاکوی نے ایک خاص مقصد کو زندہ اور تابندہ رکھنے کے لئے نظم تحفۂ عید پیش کیا ہے۔ اگر ناموس اسلام کا پاس اور ایمانی شعور کی بیداری کا احساس مسلمانوں کے گوشۂ دل میں کہیں کچھ باقی ہے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس آگ کی آنچ ہر پڑھنے والا ضرور محسوس کرنے گا جو اس نظم میں جلائی گئی ہے فاضل قادر فاضل محسن علامہ اختر کاکوی نے اپنی ہی ہمدردی کے اس شاہکار کو خطیبانہ اور ناصحانہ رنگ کی آمیزش سے اور بھی اچھوتا بنا دیا ہے۔ ہر زمانے میں اس کا مطالعہ مفید اور ہر حال میں اس پر عمل فوز و فلاح کا باعث ہوگا۔

انتقال پر ملال

یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ حضرت مولانا حافظ شہاب الدین صاحب مدظلہٗ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے نعمت حسن مرحوم نے گذشتہ ۳ / اپریل کو بعد نماز فجر انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم عرصہ سے بیماریوں میں مبتلا تھے اس طرف کچھ ماہ سے حالت زیادہ خراب تھی۔

ادارہ المجیب اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے والد مدظلہٗ اور دوسرے اعزہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

نگاہِ پاکبازاں

اس عنوان کے تحت ہر ماہ اہل ذوق حضرات کے خطوط چھاپے جائیں گے اداریہ پر مضامین پر اور اشعار پر اپنے تبصرے اور دوسری چیزیں بھیجئے ہم بخوشی اس کی اشاعت کریں گے

(ادارہ)

مکہ مکرمہ

۴؍ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ/۱۳۸۵ھ

عزیز مکرم سلام و رحمت

آج بحری سفر طے کر کے کتب خانہ مجیبیہ بدریہ کی افتتاحی تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ ملا حضور مدظلہٗ کی خدمت میں بعد السلام و احترام ہدیہ تشکر پیش (؟) کر دیجئے میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کارنامہ سے مجھے مسرت صرف اس لئے نہیں ہوئی ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجھے اسلامی ذخیروں کی حفاظت بہت عزیز ہے۔ یا صرف اس لئے نہیں ہوئی کہ طالبعلمانہ ذوق رکھتا ہوں۔ بلکہ اس میں دخل اپنے آبائی مرکز سے محبت کو بھی ہے۔ وہ محبت عقیدت جو وطن اور وطن کے ماحول سے دور رہنے پر نفسیاتی طور پر ابھر آتی ہے اور آلائشوں سے پاک ہو کر نکھر جاتی ہے اور امتداد عمر سے اس کی گرمی اور روشنی دونوں میں اضافہ ہوتا ہے حضور مدظلہٗ اور برادر مکرم مولانا شاہ عون احمد صاحب قابل صد مبارکباد ہیں کہ ان کی بدولت اسلاف کی علمی دراثتوں کو اخلاف کے لئے محفوظ رکھنے کا مناسب نظم ہو گیا اور میرے جیسا دور افتادہ دیار حرم سے پورے خلوص کے ساتھ کہتا ہے " داتا رکھے آباداں تری محفل کو"

والسلام

عبد اللہ عباس ندوی

رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

مدرسہ حمیدیہ چھپرہ

۱۳؍ مارچ ۱۹۶۶ء

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب! سلام مسنون

امید کہ مزاج بخیر ہوں گے " نگاہ پاکبازاں" کا نیا سلسلہ بہت پسند آیا۔ یہ سلسلہ امید ہے کہ المجیب کے لئے

بہت مفید ثابت ہوگا۔ گذشتہ شمارے میں مولانا سید نعمان غنی صاحب کا مقالہ "جنازہ کی شرکت" واقفیت کے لئے بہت موزوں ہے لمعات (اداریہ) کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ المجیب کے گذشتہ شماروں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اب اس کے مضامین کا معیار کچھ گھٹ گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ المجیب کے صفحات کو صرف ایسے مضامین سے پر کیا جائے جس سے عوام و خواص و طلبہ علوم دینیہ کے مذہبی معلومات میں اور قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اضافہ ہو۔ غالباً صوبہ بہار کا یہ واحد دینی ماہنامہ ہے جو صوفیائے کرام کی سرپرستی میں پابندی سے ہر ماہ شائع ہو رہا ہے۔

والسلام

نیازمند۔ وصی احمد دربھنگوی

ناظم ریاضیہ لائبریری مدرسہ حمیدیہ (سارن)

اگرشا (رانچی)

۲۴ مارچ ۱۹۶۶ء

مکرمی ظفر صاحب السلام علیکم

مارچ کا المجیب "جنازے کی شرکت" والے مضمون میں تصحیح کی ضرورت ہے۔ اسے شائع کر دیں۔ کیونکہ دو جگہ مطلب بالکل غلط ہو گیا ہے۔

صفحہ ۵ سطر ۴-۵ پر:- میت کے پاس غسل کے وقت تک قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ یہاں "تک" چھوٹ گیا ہے۔

صفحہ ۸ سطر ۳ پر۔ میت کو تیزی سے جانا مسنون ہے۔ یہاں مسنون کی جگہ ممنوع چھپ گیا ہے۔

صفحہ ۱۱ سطر ۳ پر۔ حضرت بریدہ ہونا چاہئے۔

غالباً مضمون میں کچھ حصہ شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔ مثلاً میت کے گھر کھانا دینا۔ میت کو غسل دینے والا غسل کرے اور تعزیت چونکہ مسودہ پاس نہیں ہے اس لئے ملا نہ سکا۔ آپ مناسب سمجھیں تو آئندہ اسے شائع کر دیں۔

یہاں ۲۹ شوال جمعرات کو عام طور پر چاند دیکھا گیا۔ میں نے خود بھی چاند دیکھا تھا۔ اس لئے یکم ذی قعدہ یوم جمعہ مطابق ۵ مارچ ہوئی۔

فقط والسلام

نعمان غنی

اطلاع

ہر عربی ماہ کی ۵ تاریخ تک اگر آپ کو پرچہ نہ ملے تو اس کی اطلاع بذریعہ کارڈ دفتر کو دیں۔ فوراً دوسرا پرچہ روانہ کر دیا جائے گا۔ دیر کرنے سے ہم تعمیل حکم سے معذور رہیں گے

"منیجر المجیب"

قندِ پارسی

(از حضرت اقدس بدر الکاملین سیدنا الامام مولانا شاہ محمد بدر الدین بدرؔ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ)

دوش جامے بمن آں پیر مغانم دادہ | سر سالک بیکے جرعۂ مے بکشادہ
رہیدیم بہتر ازاں زاہد خشکیکہ سرش | در سرِ حورِ بہشتی بزمین بنہادہ
در عجب ماندہ ام امشب کہ ز فیض ساقی | زاہد صومعہ بپائے مغاں افتادہ
رستم از قید مذاہب بطفیل ساقی | گشتم از جرعۂ مے از دو جہان آزادہ
توبہ از توبہ کن و دار سروکار فقط | با خم و ساقی و مینا و سبو و بادہ

بدر اگر مست مے عرفاں نشوی تا نکنی
رہن خمخانہ مع دلق خود و سجادہ

نعت

(از جناب سید نصرت حسین صاحب نصرتؔ آروی)

جب ریت کے ذرّوں پہ مدینہ میں پڑی دھوپ | ہر ذرّہ چمک اٹھا، بنی پھول، جھڑی دھوپ
جب مُہرِ نبوت پہ کبھی آکے پڑی دھوپ | خود فرشِ زمیں ہوگئی، خجلت سے گڑی دھوپ
خورشید نے اِک چادرِ نور اس پہ چڑھائی | یا گنبدِ خضریٰ پہ مدینے میں پڑی دھوپ
جب دھوپ میں آتا تھا وہ خورشیدِ رسالت | اِک چترِ طلائی لئے ہوتی تھی کھڑی دھوپ

میں عاشقِ خورشیدِ رسالت ہوں اے نصرتؔ
رحمت کی گھٹا کیوں نہ ہو محشر کی کڑی دھوپ

ادبیات

غزل

(از حسان الہند مولانا تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی ۔ پاکستانی)

ساقی گھٹا ہے صحنِ چمن ہے، بہار ہے
اب کار خیر میں تجھے کیا انتظار ہے

تمکین جس نے ہاتھ سے کھوئی وہ خوار ہے
خود رفتگی جو خاک میں آئی، غبار ہے

اہلِ نظر کی نور بصیرت سے ہے حیات
ان کے نفس کا تار نگاہوں کا تار ہے

پہلو میں جس کے دل ہو وہ کیا ہو امینِ راز
جو پردہ دار ہے وہی آئینہ دار ہے

ہم دل کے ساتھ دفن ہوئے اس کی ہے خوشی
حاصل شہیدِ ناز کا قرب جوار ہے

کرتی ہے تیرے خندۂ بے ساختہ کی قدر
جو آنکھ مستِ گریۂ بے اختیار ہے

آتی ہے صاف روزنِ در سے ضیائے رخ
ہر ذرّہ آج مہر بہ بیں در کنار ہے

ہاں ہاں، ہر اک بندھی ہوئی آس اس کی توڑیئے
اس کی یہی سزا ہے جو امیدوار ہے

ہوگا وہ کب، کہ میں ترے قدموں پہ جان دوں
سو عمرِ خضر اس ایک گھڑی پر نثار ہے

تارِ نفس کا بھی نہ رہا سلسلہ جو تھا
اب صرف رشتۂ نگہِ انتظار ہے

کس کشتۂ فراق کی محرومی نصیب
نقشِ جبین صبحِ شبِ انتظار ہے

اک سانس بھی بغیر تری یاد کے جو آئے
وہ دل کے آئینے کے لئے اک غبار ہے

اے دل ہر آس توڑ، کہے دیتے ہیں یہ ہم
اب مان یا نہ مان، تجھے اختیار ہے

مجبوریوں کے دفع کی قدرت اگر نہیں
ہم جبر مہیں - یہ تو ہمیں اختیار ہے

یادش بخیر جس پہ مرا آشیانہ تھا
سنتا ہوں باغ میں ابھی وہ شاخسار ہے

عریانیٔ جنوں میں جو تھی تن پہ گردِ راہ
اشکوں سے وہ لباس بھی اب تار تار ہے

ناکارے لوگ جب ہیں تمنّا بروئے کار
بیکار کاروانیٔ مردانِ کار ہے

غزل

(از جناب مشکور عالم صاحب مشکور آسنوی)

داغہائے دل و افسونِ نظر تازہ کریں
خلوتِ اُنس بہ انداز دگر تازہ کریں

پھر تری کیف میں ڈوبی ہوئی آواز سُنیں
پھر تری بزم چراغاں کا اثر تازہ کریں

پھر تری گرم نگاہی کا خیال آیا ہے
خندۂ برق سے پھر ذوقِ نظر تازہ کریں

پھر مرے دستِ جنوں میں ترا دامن آیا
پھر حکایاتِ دل و دیدہ و دَر تازہ کریں

پھر تری ایک نگہ دل کے مقابل ٹھہرے
آکہ تمثیلِ حَسن و رقصِ شرر تازہ کریں

نیشۂ شوق سے بے جان میں جان آتی ہے
ہم وہی رنجِ درون سنگ و شرر تازہ کریں

پیدا امروز لئے رات ڈھلی جاتی ہے
اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں"

غزل

(از جناب محمود الحسن خانصاحب محمود شہسرامی)

مریضِ عشق ہوں ہے زہرِ غم گویا دوا میری
تڑپنے لوٹنے پر رہ گئی ہے اب' بقا میری

نہیں منت پذیرِ مدّعا شرم و حیا میری
اثر کو دیکھ کر بھی منہ چھپاتی ہے دعا میری

کیا تھا درد نے مجبور' لیکن ضبط نے روکا
لبِ خاموش سے ٹکرا گئی آہِ رسا میری

وہ دیکھیں حرف جو رکھتے تھے میری کوچہ گردی پر
تبرک ہو رہی ہے آج خاکِ نقشِ پا میری

میں بس یہ کہہ کے راضی ہو گیا مقسومۂ دولت پر
کہ اس میں بات ہی کیا ہے بقا تیری فنا میری

وہ زلفِ سیہ ہے' خم بہ خم' دل ساتھ لیتا جا
کہ نازک مرحلے پر کام آئے گی دعا میری

نہ چھوڑا دو گھڑی محمود پیچھا شامِ فرقت نے
ازل کے دن سے دشمن ہو رہی ہے' یہ بلا میری

کوائف و حالات

ہم راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ـــــ کچھ دوسروں کی ـــــ

شیخ عبد اللہ ـــــ ہندوستان کیلئے دردسر ـــــ

شیخ عبد اللہ ان دنوں غیر ممالک کا دورہ کر رہے ہیں۔ وہ حج کے ارادے سے نکلے ہیں اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کئی دوسرے ممالک میں بھی گئے ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے قاہرہ کا دورہ کیا جہاں ان کا زبردست استقبال ہوا۔ وہ سرکاری مہمان کی حیثیت سے مقیم رہے اور صدر جمہوریہ سے لے کر چھوٹے چھوٹے افسروں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ اپنے دوران قیام میں انہوں نے کھلے طور سے اپنے اس موقف کا اظہار کیا جسے وہ عرصہ سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق مصری حکام نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور ان کے موقف کی تائید کی اور پھر وہ برطانیہ گئے وہاں بھی پریس کانفرنسوں سے خطاب کیا اور اسی طرح ہندوستان کے جبر اور اس کے تشدد کا تذکرہ کیا۔ بڑے لیڈروں سے بھی انہوں نے ملاقاتیں کیں۔ وہاں سے وہ پیرس گئے اور پھر الجزائر پہنچے۔ الجزائر میں چینی وزیر اعظم سے ملاقات کر کے انہوں نے ہندوستان میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ نہ صرف انہوں نے چو ان لائی سے ملاقات کی بلکہ چین کا دورہ کرنے کی دعوت منظور بھی کر لی اور امید ہے کہ واپسی میں وہ چین بھی جائیں۔

شیخ عبد اللہ کا یہ سفر شروع ہی سے الجھا ہوا ہے۔ پاسپورٹ لیتے وقت انہوں نے خود کو ہندوستانی شہری نہ لکھ کر کشمیری مسلم لکھا اور جب ان کے جانے کے بعد یہ بات کھلی تو حکومت کو پارلیمنٹ میں لعنت ملامت کا نشانہ بننا پڑا۔ اب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نے اعلان کیا ہے کہ حکومت ہند کسی حالت میں انہیں چین جانے کی اجازت نہیں دے گی لیکن سوال یہ ہے کہ جو شخص خود کو ہندوستانی شہری نہیں مانتا ہو اس پر ہندوستانی حکومت کا کیا زور چل سکتا ہے۔ ان کا موقف تو شروع ہی سے صاف ہے۔ وہ ایک گہرے سیاسی آدمی ہونے کے باوجود بہت ہی کھرے اور صاف گو ہیں۔ جو بات انہیں کرنی ہوتی ہے اسے صاف کہتے ہیں۔ پاسپورٹ دیتے وقت جب حکومت سے یہی پتہ نہ چل سکا کہ پاسپورٹ چاہنے والا اپنی شہریت کیا بتاتا ہے وہ ان کے پیچھے لٹھ لے کر کہاں تک دوڑتی پھرے گی

زیادہ سے زیادہ حکومت ہند اب یہ کرسکتی ہے کہ انہیں ہندوستان میں داخلہ کی اجازت نہ دے یا داخل ہونے پر فوراً گرفتار کرلے لیکن یقین ہے کہ حکومت صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر ان دونوں باتوں میں کچھ نہ کرسکے گی۔ شیخ عبداللہ پاکستان کے ساتھ مل کر غیر ممالک میں ایک ڈرامہ کھیل رہے ہیں اور دیکھتے رہیے وہ اور کیا کیا گل کھلاتے ہیں۔

اُردو کنونشن :——

گذشتہ ۳/۴ اپریل کو انجمن اسلامیہ ہال میں عظیم پیمانہ پر اردو کنونشن کا انعقاد ہوا۔ یوں تو پٹنہ کی انجمن اسلامیہ ہال بہت سے کنونشن اور اردو کانفرنسیں دیکھ چکی ہے لیکن یہ کانفرنس اپنی ایک انفرادی اور جداگانہ حیثیت رکھتی تھی۔ ڈاکٹر سید محمود، پنڈت سندر لال اور امام الاقدام۔ پی وغیرہ کی شرکت اس کی زوردار تجاویز اور ہزاروں ہزار مجمع نے اس کی افادیت بہت ہی بڑھا دیا۔ اردو اس وقت جس دور سے گزر رہی ہے اگر اسے بچایا نہیں گیا تو یقین ہے کہ یہ زبان یہاں سے ختم ہو جائے گی بہار والے قابل فخر ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر کنونشن کرکے دوسروں کے لئے راہ کھولی ہے۔ اگر اسی طرح یوپی اور دلی والے بھی زور و شور سے اپنے مطالبات اٹھائیں تو حکومت کو جھکنا ہی پڑے گا۔

حضرت امیر شریعت کی مکہ روانگی :——

جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ یکم اپریل کو مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہ رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر مکہ معظمہ میں منعقد ہونے والے مؤتمر کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ ۳۱/ مارچ کو ۵ بجے شام میں کارکنان مرکزی امارت شرعیہ پھلواری شریف نے انہیں ایک عصرانہ دیا جس میں ان کی خدمت میں کارکنان امارت شرعیہ کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ سپاسنامہ میں ان سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کا صحیح موقف مؤتمر کے اجلاس میں پیش کریں۔ حضرت امیر شریعت نے مختصر طور پر مؤتمر کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے استقامت بخشے اور حوصلہ دے۔ ہمارے دل سے ڈر اور خوف نکال دے تاکہ ہم حق بات جرأت سے کہہ سکیں۔ عصرانہ کے بعد امیر شریعت موصوف خانقاہ مجیبیہ تشریف لائے اور جناب حضور مدظلہ اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب مدظلہ سے ملاقات کی۔

قرابت خانقاہ میں دو حادثے :——

جناب قاضی شاہ محمد محب اللہ صاحب قادری امجری جو حضور شاہ امان اللہ صاحب مدظلہ کے حقیقی ماموں تھے ۲۲/ شوال کو رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم بہت خوبیوں کے آدمی تھے۔ علاوہ اس قرابت مندی کے آپ کو بیعت بھی حضرت فیاض المسلمین مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہ سے تھی اور اپنے بہنوئی حضرت شاہ محمد محی الدین قدس سرہ سے ارشاد بھی حاصل کیا تھا۔ اور حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحب مدظلہ سے اجازت حاصل تھی اس لحاظ سے آپ کا جسمانی اور روحانی ہر طرح کا تعلق اس خانقاہ سے وابستہ تھا۔

دوسری خبر کراچی سے آئی کہ جناب سید علی حسن صاحب مختار نے بھی ۱۴ر مارچ ۶۹ء کو ایک طویل علالت کے بعد انتقال کیا۔ مختار صاحب مرحوم کا وطن ضلع گیا کے مشہور شہر کرا میں تھا۔ اہل خانقاہ سے ان کی قرابت مندیاں تھیں۔ حضرت قبلہ مولانا شاہ ملیح صاحب قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے شاہ حسن میاں مرحوم کے حقیقی سالے تھے۔ آدمی خلیق اور اپنے فن میں باصلاحیت تھے۔ ایک عرصہ تک گیا میں مختار رہے پھر تقسیم ملک کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کرلی اور وہیں زندگی کے آخری ایام بسر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں مرحومین کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

حجاج کرام کی روانگی :۔

حجاج کرام کوے کر تقریباً سب ہی جہاز ارض مقدس کی طرف روانہ ہوگئے۔ خانقاہ مجیبیہ سے مولانا شاہ حکیم عماد الدین صاحب مع اپنی والدہ محترمہ اور اہلیہ کے ۱۰ر مارچ کے جہاز سے روانہ ہوگئے۔ وہاں سے ان کے بخیریت پہنچنے کی اطلاع بھی آگئی۔ ان کے علاوہ بھی قرابت خانقاہ اور متوسلین کی ایک بڑی جماعت اس سال حج کو گئی ہے۔

مولانا شاہ حکیم عماد الدین صاحب کو رخصت کرتے وقت دانا پور جنکشن پر جناب تسنیم جنیدی نے درج ذیل قطعہ تمام مسلمانوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے پیش کیا۔

نہ پوچھو وہ کتنی حسیں رات ہوگی — حرم میں جوان کی ملاقات ہوگی
تصور میں بھی ہم کو تم یاد رکھنا — مدینے میں جب آپ سے بات ہوگی
مری چشم تر یاد آئے گی تم کو — اگر راہ طیبہ میں برسات ہوگی

ملے گی اگر مجھ کو تسنیم جنت
وہ سرکار کے گھر کی خیرات ہوگی

دارالعلوم مجیبیہ اور اس کی کامیابی :۔

۲۵ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ کو ادارہ تحقیقات عربی و فارسی کے سالانہ مقابلہ فن دتجوید میں شرکت کے لئے دارالعلوم مجیبیہ نے ایک ٹیم حافظ محمد سلیمان سالم، محمد ابوالکلام مجیبی، محمد زبیر مجیبی، محمد شفیع الرحمن مجیبی پر مشتمل شرکت کے لئے روانہ کیا۔ مسرت کا مقام ہے اور دوسری جگہ سے آئی ہوئی ٹیموں کے مقابلہ میں دارالعلوم مجیبیہ اول رہا ادارہ تحقیقات کی طرف سے دارالعلوم کو انعام میں کتابیں پیش کی گئیں۔ ادارہ تحقیقات کی طرف سے آئے ہوئے انعام جناب حضور مدظلہ العالی کے ہاتھوں مذکورہ بالا طلبا کو دیے گئے۔

ماہ ذی الحجہ ـــــــ چاند کی اطلاع

۲۹ر ذی قعدہ مطابق ۱۶ر اپریل ۶۹ء کو پھلواری شریف میں چاند نہیں دیکھا گیا اور نہ کہیں سے چاند ہونے کی اطلاع ملی ہے۔ اس لئے دس ذی الحجہ ۱۳ر اپریل روز منگل ہوگی۔

APRIL, 1965] [Regd. No. P. 1047

Phone No : 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر:- سیّد لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)